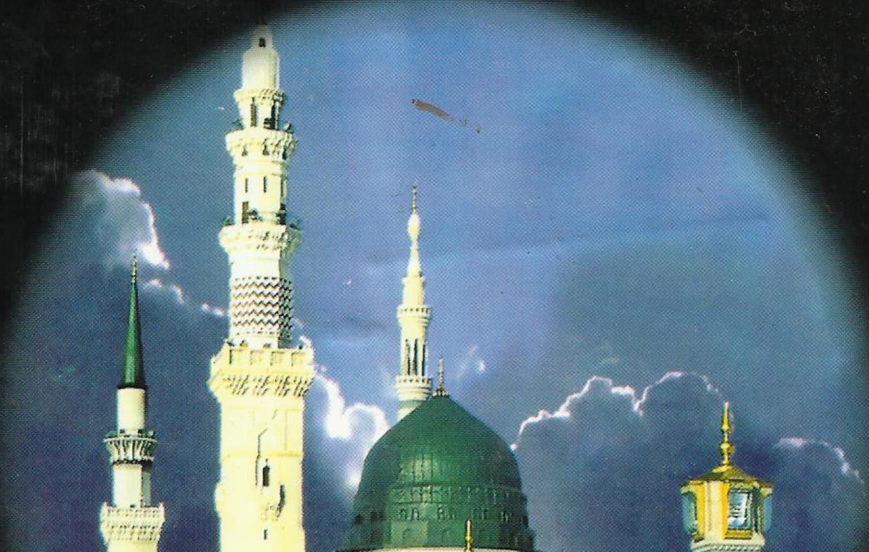
عرفانِ مدینہ



تالیف

مولانا سید محمد عون نقوی

ادارہ تبلیغ تعلیماتِ اسلامی پاکستان ۔ فون: 36621221

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرفانِ مدینہ

از قلم

مولانا سید محمد عون نقوی

ناشر

ادارہ تبلیغ تعلیمات اسلامی پاکستان

فون: 36621410, 36621221

کتاب کا نام: عرفانِ مدینہ

مؤلف: مولانا سید محمد عون نقوی

طبع اول: جنوری ۲۰۱۰

تعداد: ایک ہزار

قیمت: ۲۱۲ روپے

کمپوزنگ: ولایت علی آغا

طابع: سید غلام اکبر

{ملنے کا پتہ}

دفتر ادارہ تبلیغ تعلیمات اسلامی پاکستان

کمرہ نمبر ۵، امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ سوسائٹی ناظم آباد کراچی

الحرمین ٹریولز، سانچی ٹاور ایم اے جناح روڈ کراچی

محفوظ بک ایجنسی، مارٹن روڈ، کراچی

احمد بکڈپو، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی

علویہ کتب خانہ، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی

رحمت اللہ بک ایجنسی، کھارادر، کراچی

حسن علی بک ایجنسی، کھارادر، کراچی

محمد علی بکڈپو، سولجر بازار، کراچی

افتخار بکڈپو، اسلام پورہ، لاہور

نیشنل بک ڈپو، پنجگلہ، کراچی

اسد اللہ بک ڈپو، قدم گاہ، حیدر آباد

صداقت حسین گیلانی، پرل جنرل اسٹور، غازی آباد، غازی چوک، ملتان

فہرست

انتساب

اپنی اس کاوش کو اپنے بزرگ و مشفق

مربیِ ملت، محسنِ قوم، شاعر و ادیب



جناب

الحاج آلِ محمد رزمیؔ رضوی

مرحوم

کے نام کرتا ہوں۔

از

سید محمد عون نقوی

عرضِ ناشر

حضرت مولانا سید محمد عون نقوی سربراہ ادارہ تبلیغ تعلیمات اسلامی پاکستان و چیئرمین حج عمرہ اور زیارات کمیٹی کی سرپرستی میں مذہب حقہ کے متعدد پروجیکٹ چل رہے ہیں۔ آپ کی بڑی تصانیف میں ''عرفانِ مدینہ'' کی اشاعت کا شرف ادارے کو حاصل ہو رہا ہے۔

اس کی اشاعت کے بعد حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید محمد علی طباطبائی حفظ اللہ کی توضیح المسائل مولانا موصوف ہی کی نگرانی میں منظر عام پر آئے گی۔ انشاءاللہ

مومنین سے التماس ہے کہ ادارے کے عظیم پروجیکٹ پایہ تکمیل تک پہنچانے میں معاون ثابت ہوں۔

یہ کتاب عرفان مدینہ اپنی مثال آپ کتاب ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ خداوند قدوس ہماری اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

والسلام

سید آصف شاہ حسینی

سیکریٹری جنرل

ادارہ تبلیغ تعلیمات اسلامی پاکستان

عرفان مدینہ: ایک گرانقدر کاوش

حجۃ الاسلام علامہ سید رضی جعفر نقوی

قوم وملت کی جانی پہچانی شخصیت، ملک اور بیرون ملک سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور خاندان رسالت کی پاک وپاکیزہ ہستیوں کے ذکر کی سعادت حاصل کرنے والے، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور اولاد علی کے چاہنے والوں کے لیے سرتاپا محبت، ملنے والا اپنا ہو یا غیر، سب سے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات کرنے والے، سال بھر مظلومین کے ذکر میں مصروف رہنے والے، ہر سال سینکڑوں حجاج کرام کی دینی اور مذہبی خدمات بجالانے والے، مکہ و مدینہ، عرفات ومزدلفہ، منیٰ وجدہ اور دیگر مقامات پر اہلبیت کرام کی مجلس عزا میں فضائل و مصائب آل محمد کی نشر واشاعت کرنے والے، ہمارے برادر عزیز ومکرم فاضل شخصیت

علامہ سید محمد عون نقوی صاحب دام مجدہ

کی طرف سے حجاج وزائرین اور عاشقان رسولؐ وآلِ رسولؑ کے لیے ایک نیا تحفہ

"عرفان مدینہ"

کے نام سے حاضر خدمت ہے۔

اس سے قبل عرفان قرآن، عرفان حج جیسی گرانقدر تصنیفات کے بعد آپ کا

یہ نیا تحفہ، یقیناً صاحبان معرفت اور اہل ذوق کے درمیان پذیرائی حاصل کرے گا۔

''مدینہ منورہ'' شہر حبیب کبریا، مہبط وحی الٰہی اور مرکز شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ دنیا کا واحد شہر جہاں چھ معصومین آرام فرما رہے ہیں یعنی:

خاتم الانبیاء، احمد مجتبیٰ، باعث تخلیق کائنات، فخر موجودات، سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شہزادیٔ کونین، بتول عذراء، انسیہ حوراء، صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا۔

سبطِ اکبر، سردار جوانان جناں، صاحب ہل اتیٰ، رابع اہل کساء، فرزند رسول خدا، امام مسموم حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام۔

اسیر رنج ومحن، سلالۃ الطیبین، سید الساجدین، حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام۔

مصدر علوم الٰہیہ، باقر علم النبیین، امام خامس، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام۔

پاسبان شریعت مصطفیٰ، ناشر علوم الٰہیہ، الناطق بالحق، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام۔

مولائے کائنات، حلال مشکلات، اسد اللہ الغالب، غالب علی کل غالب، حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے، اس بابرکت شہر کے بارے میں منقول ہے کہ:

لَیْسَ فِیْ اَرْضِکُمْ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ بُقْعَةٍ قُبِضَ فِیْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ

(تمھاری اس زمین پر، کوئی حصہ، خداوند عالم کے نزدیک اُس قطعۂ ارض سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وصال فرمایا۔)

یہ وہ پاک و پاکیزہ سرزمین ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زندگی گزارنے کے لیے پسند فرمایا۔

چنانچہ روایات میں ہے کہ:

آپؐ دعا فرمایا کرتے تھے کہ خداوند عالم آپ کی سکونت کے لیے اُس جگہ کو مقرر فرمائے جو نگاہِ قدرت میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہو۔

تو پروردگار عالم نے اپنے محبوب اور کائنات کے سید و سردار کی دعا کو قبول کرتے ہوئے، مدینہ منورہ کو آپ کی سکونت کے لیے پسند فرمایا۔

جو حضور کی آمد سے پہلے یثرب تھا، اور آپ کی نورانیت نے اس شہر کو "منورہ" بنادیا۔

روئے زمین پر بسنے والا، کون سا ایسا مومن ہوگا جسے اس بابرکت، اور مقدس شہر میں حاضری کا اشتیاق نہ ہو۔

کیونکہ یہی وہ شہر ہے کہ:

جب مکہ معظمہ میں، وہاں کے باشندوں کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا، تو اس شہر نے آپ کو پناہ دی۔

اسی مقدس شہر میں اسلام کی پہلی نہایت مثالی، اور منفرد و ممتاز حکومت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سربراہی میں قائم ہوئی۔

اسی بابرکت شہر میں مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام

کی، خاتون جنت صدیقہ کبریٰ، جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا سے شادی ہوئی۔

اسی بابرکت شہر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پروردگار عالم کی طرف سے وہ دو شہزادے ملے جو جوانان جنت کے سردار قرار پائے۔

اور جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر الفت تھی کہ اگر آپ منبر پر خطبہ دے رہے ہوں اور یہ شہزادے (امام حسنؑ و امام حسینؑ) مسجد میں تشریف لاتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ روک کر منبر سے اُترتے شہزادوں کو گود میں لے کر دوبارہ منبر پر آتے، اور ان دونوں شہزادوں کے فضائل و مناقب سے لوگوں کو روشناس کراتے۔

اور ایسا بھی ہوا کہ اگر ننھا شہزادہ مسجد میں آیا، اُس نے دیکھا کہ نانا جان سجدے میں ہیں اور نواسہ اپنے نانا کی پشت پر بیٹھ گیا، تو پروردگار عالم نے گویا اپنے حبیب سے فرمایا کہ:

''ہمارا ہی تو سجدہ ہے اسے ہونے دو طولانی''

اور مورخ نے یہ بات محفوظ کر لی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر مرتبہ **سبحان ربی الاعلی و بحمدہ** پڑھا اور جب تک شہزادہ اپنی مرضی سے، پشتِ رسول سے اُتر نہیں گیا، اُس وقت تک اللہ کے نبی نے سجدے سے سر نہیں اُٹھایا۔

اور پھر ہمارے بیشتر ائمہ طاہرین، ہادیان برحق نے اسی سرزمین پر آنکھیں کھولیں۔ یہاں تک کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے تقریباً ڈھائی سو برس بعد متوکل عباسی جیسے لعین کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر ہمارے دسویں امام حضرت علی نقی علیہ السلام کو سامرا منتقل ہونا پڑا، تو خاصانِ خدا کا مرکز وہ شہر قرار پایا اور پھر وہیں سے ہمارے بارھویں آقا نے پردہ غیبت کی طرف سفر اختیار کیا۔

''عرفانِ مدینہ'' ہمارے برادر مکرم، گرامی مرتبت و عالیقدر، علامہ سید محمد عون نقوی دام مجدہ کی طرف سے حجاج و زائرین اور عاشقان حرم نبوی کے لیے ایک گرانقدر تحفہ ہے، جو عظیم مطالب پر مشتمل ہے۔

اس قابل قدر کتاب میں ابتدائی طور پر مدینہ منورہ کے ''۴۷'' امتیازات کا تذکرہ ہے۔

اس کے بعد تاریخ مدینہ کے عنوان سے مدینہ کے اسماء، اس شہر کا جغرافیہ، اس سرزمین پر بہنے والے چشموں، یہاں کے موسم، یہاں کے اراضی اور یہاں کے مکانات کا تذکرہ ہے۔ پھر مدینہ منورہ کے فضائل پر گفتگو ہے۔

اس ضمن میں، مدینہ میں آباد یہودی قبائل کے تذکرہ کے ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح خداوند عالم نے اُن کے شر سے اہل ایمان کو محفوظ رکھا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔

پھر مختلف خلافتوں کے تذکرہ کے بعد مدینہ منورہ کے علمی وثقافتی حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ اور تاریخی ادوار کو طے کرتے ہوئے ایک مستقل باب: ''آج کا مدینہ منورہ'' کے نام سے قائم کیا گیا ہے جس میں مدینہ منورہ کی تعمیر و ترقی و تزئین، وہاں کی شاہراہوں، قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس اور مدینہ یونیورسٹی پر نظر ڈالی گئی ہے۔

جس کے بعد ایک مستقل باب: ''مسجد نبوی'' کا قائم کرکے، اس مسجد کے فضائل، اس مسجد میں درس و تدریس کی فضا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک اس مسجد میں ہونے والی توسیعات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

اور موجودہ توسیع کی تفصیل بیان کرتے ہوئے دروازوں کی تعداد، متحرک

گنبد، گنبدوں کی تحریک کا نظام، خدمات عامہ، خدمات خاصہ، حجرہ شریفہ کے نوادر، محراب نبوی، محراب تہجد، محراب فاطمہ، اصحاب صفہ کی مخصوص جگہ، نیز ریاض الجنۃ اور منبر شریف کا تذکرہ کرتے ہوئے منبر کی تاریخی حیثیت بھی واضح کی گئی ہے۔ ستون حنانہ، ستون ابولبابہ، ستون سریر، ستون حرس، ستون وفود اور دیگر ستونوں کے بارے میں تاریخی معلومات پیش کی گئی ہیں۔

نیز باب جبریل، باب النساء، باب الرحمت، باب السلام کے ذکر کے ساتھ مسجد نبوی کے میناروں اور مؤذنوں کے چبوترے کی تاریخی بھی بیان کی گئی ہے۔

اس کے بعد ایک اہم باب: ''آسودگان خاک مدینہ'' کا قائم کیا گیا ہے جس کے تحت سرکار دو عالم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتون جنت جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔ سردار جوانان جناں حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام۔ حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے تذکرہ کے علاوہ:

حضرت عبداللہ (والد پیغمبر اکرم)، حضرت حمزہ (عم پیغمبر) ابراہیم (فرزند پیغمبر اکرم) جناب عقیل، جناب عبداللہ بن جعفر، جناب اسماعیل فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام۔

نیز جناب فاطمہ بنت اسد (مادر امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ) جناب اُم البنین (مادر حضرت عباس علمدارؑ) جناب اُم سلمہ، جناب زینب بنت جحش، جناب ماریہ قبطیہ اور دیگر ازواج پیغمبر کے ساتھ ساتھ جناب اُم الفضل، جناب اُم ایمن، جناب اُم ہانی، جناب اُم سلمیٰ اور عہدِ پیغمبر کی دوسری مشہور شخصیتوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

ایک باب: ''زیارت قبر اطہر'' کا بھی قائم کیا گیا ہے، جس کے تحت زیارت کی شرعی حیثیت پر نہایت شرح وبسط سے گفتگو کی گئی ہے اور جھوٹے من گھڑت فتووں کی تردید کی گئی ہے۔

ایک عنوان: ''حیات پیغمبرؐ'' سے متعلق بھی قائم کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں مختلف شواہد پیش کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے کے سامنے کھڑے ہونے کا طریقہ بھی سمجھایا گیا ہے۔

''خصائص مدینہ'' کے عنوان کے تحت، اس شہر کی ۲۴ خصوصیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اور اس مقدس شہر میں واقع مساجد کا ایک اجمالی خاکہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

عنان قلم کو روکتے ہوئے میں برادر مکرم فاضل شخصیت جناب علامہ سید محمد عون نقوی صاحب دام مجدہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے ''عرفان مدینہ'' کے نام سے قوم کو وہ تحفہ پیش کیا ہے، جو عظیم الشان دینی، مذہبی، ثقافتی اور تاریخی مطالب پر مشتمل ہے۔

میری دعا ہے کہ آپ کی یہ کاوش مقبول عام ہو، اور پاک پروردگار آپ کی تمام خدمات کا آپ کو بہترین اجر وثواب عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

سید رضی جعفر نقوی

عرفانِ مدینہ......عمدہ کتاب

حجۃ الاسلام مولانا آغا سید محمد مظہر عباس نقوی

یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ عرفانِ مدینہ کے نام سے کتاب معروف عالم دین، میڈیا کے حوالے سے منفرد المقام، ملت کا سرمایہ، ہمارے بھتیجے ثقۃ الاسلام مولانا سید محمد عون نقوی (ایم اے عربک) فاضل سربراہ ادارہ تبلیغ تعلیمات اسلامی پاکستان نے تالیف کر کے عمدہ کتاب کا اضافہ فرمایا ہے۔

دراصل خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ خداوندا ہمارے دلوں میں مدینے کی محبت اس طرح جاگزین فرما جس طرح مکے کی محبت ہے اور مدینے کو ہماری بھلائی کا ذریعہ قرار دے۔ پھر ہم ہر اذان کے بعد مستحب عمل کے طور پر دعائیہ کلمات سے اظہار عقیدت کرتے ہیں کہ "اے خدا میرے دل کو نیکی کرنے والا اور میرے عمل کو خوش کرنے والا بنا، میری زندگی کو خوشی میں بسر فرما، میرا رزق زیادہ فرما، میری اولاد کو نیک بنا اور میری جائے قیام کو اپنے نبی اکرمؐ کے قبر کے نزدیک قرار دے، اپنی رحمت سے اے سب پر رحم کرنے والوں میں زیادہ رحم کرنے والے۔

اس دعا میں قبر رسول اکرمؐ کے نزدیک جائے پناہ مانگنے والا مومن یقیناً معرفت مدینہ کا خواہاں ہوتا ہے اور عرفان مدینہ میں مولانا موصوف نے مدینہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب اردو پڑھنے والوں میں بہترین علمی ذخیرہ کا اضافہ ہے۔ دعا ہے کہ خداوند متعال مولانا موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور انہیں زیادہ سے زیادہ تبلیغ وترویج مذہب حقہ کی ہمت وصلاحیت عطا فرمائے اور انہیں حجاج اور زائرین مدینہ کی رہبری ورہنمائی کرتے رہنے کی مزید توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

سید محمد مظہر عباس نقوی (خیر پور میرس)

ہر مومن کی تمنا...... مدینہ

حجۃ الاسلام مولانا سید شہنشاہ حسین نقوی
خطیب باب العلم کراچی

فکر کی بالیدگی اور روح کی پاکیزگی اور بیداری کے ساتھ فریضہ حج سرانجام دینے والے ہر حاجی کی دوسری تمنا روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بعض حجاج یہ شرف حج سے پہلے اور بعض بعد از حج یہ سعادت حاصل کرتے ہیں اور عمرہ کرنے والے مسلمان جانتے ہیں کہ خانہ خدا کی زیارت قبول نہیں ہوتی جب تک مدینہ منورہ کی زیارات سے مشرف نہ ہوا جائے۔ حج اور عمرے کی معرفت اور پہچان کی راہ بھی ہمیں درخشاں صورت میں نبی اکرمؐ نے ہی دکھلائی ہے۔

برادر بزرگ حضرت مولانا سید محمد عون نقوی دام ظلہ نے عرفان حج جیسی منفرد اور عرفانِ قرآن جیسی عظیم کتاب کے بعد عرفانِ مدینہ پر قلم اٹھایا اور شیعہ سنی روایات کی مدد سے ایک دستاویز ترتیب دی۔ بلاشبہ یہ کتاب جس میں عرفان مدینہ حاصل کرنے کا ڈھنگ معرفت صاحبانِ مدینہ کے اصول اور ادوارِ مدینہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اُن اختلافی مسائل پر سیر حاصل علمی گفتگو کی ہے جس پر موجودہ دور میں قلم کم اٹھایا جاتا ہے۔ مثلاً قبور ہائے مقدسہ کی زیارت کے حوالے سے وہاں سادہ لوح مسلمانوں کو ملازمین کے ذریعے علماء کے لباس میں گمراہ کیا جاتا ہے کہ سب

مر گئے، چودہ سو سال ہو گئے، قبر کی زیارت حرام ہے۔ سب مٹی میں مل گئے۔ کسی کا نہیں پتہ یہ کن کی قبریں ہیں۔ پوجا مت کریں۔ بدعت ہے، شرک ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ کتاب شرح الشفاء میں قاضی عیاض نے اور دیگر کتب شیعہ سنی میں روایات ہیں مثلاً ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:من زار قبری او زارنی کنت له شهداء او شفیعا (جو شخص میری قبر کی یا میری زیارت کرے میں اُس کا گواہ اور شفیع بنوں گا۔

کنز العمال میں ہے کہ جو شخص مدینہ میں اخلاص کے ساتھ میری زیارت کرے میں اس کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ (حدیث)

ایک مقام پر فرمایا کہ جو شخص میری رحلت کے بعد میری زیارت کرے گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی، جو میری قبر تک پہنچا میں اس کا گواہ بنوں گا۔

(حافظ ابو عبداللہ، بیہقی، ابن جوزی، ابن عساکر وغیرہ)

ایک اور جگہ فرمایا کہ جو میری قبر کی زیارت نہ کرے اُس نے مجھ پر جفا کی (حج یا عمرہ کرنے والا یا مدینہ جانے والا)۔

دراصل سرکار دو عالمؐ اور باقی معصومینؑ کے جسد اقدس ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں، ورنہ وہ حاضر و موجود ہیں۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ابن بریدہ سے فرمایا کہ میں نے پہلے تمھیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا لیکن اب تم لوگ ان کی (قبروں) کی زیارت کرو۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ رات کے آخری حصے میں جنت البقیع جا کر "السلام علیکم" فرمایا کرتے تھے (صحیح مسلم، ج ۲)

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہے کہ سعودی عرب میں مخصوص نظریات فکر کو عام کرنے کے لیے لاکھوں ڈالر خرچ کیے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو دین اور شعائر اسلامی سے دور کیا جا رہا ہے۔ مولانا سید محمد عون نقوی صاحب نے زیارات کے حوالے سے تفصیلی مدلل دلائل دیئے ہیں اور مدینے کی تاریخ مختلف جہتوں سے بیان کر کے بڑا علمی کام کیا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''زیارت مدینہ'' جو الحرمین کے نوازش رضا صاحب نے شائع کرائی میں تفصیل سے ذکر مدینہ کیا ہے۔ عرفان مدینہ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اُن موضوعات کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ جن کی طرف عام طور پر لکھنے والے توجہ نہیں دیتے ہیں۔ مثلاً مکانات، باغات، ادوار بنوامیہ و بنوعباس وغیرہ وغیرہ۔ یہ کتاب ہر گھر کی زینت ہونی چاہیے۔ دعا ہے کہ خداوند متعال برادر بزرگ کو مزید توفیق عنایت فرمائے اور یہ کتاب شفاعت کا ذریعہ بن جائے۔ آمین۔

مخلص

سید شہنشاہ حسین نقوی عاصی
خطیب باب العلم کراچی
صدر جعفریہ ایجوکیشنل سوسائٹی
سلطان المدارس، خیر پور سندھ

عرفان مدینہ: ایک نادر تاریخی تصنیف

ڈاکٹر پروفیسر سید منظر حسین کاظمی

تہذیب وشائستگی کا دوسرا نام مولانا سید محمد عون نقوی ہے۔ محبت ومروت کے سانچے میں ڈھلی اس شخصیت کے نتائج قلم میں بھی تاریخی بصیرت ہے۔ ''عرفان قرآن'' پڑھ چکا ہوں۔ اب ''عرفانِ مدینہ'' سامنے ہے۔ زبان کی سلاست اور بیان کی سادگی میں ''عرفان مدینہ'' اس انداز کی کتاب ہے جو اپنے قاری سے گفتگو کرتی نظر آتی ہے اور اہلِ علم ودانش کی تحسین کی مستحق ہے۔ خشک مضمون کو تر وتازگی عطا کرنا مولانا کا کمال ہے۔ مدینہ کی تاریخ واوصاف اس خوبی سے بیان کیے ہیں کہ صرف وہی ایک کامیاب وکامران زندگی بسر کرنے کا مرکزی مقام نظر آتا ہے، اور کیوں نہ ہو کہ وہ جگہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل شخصیہ، فضائل دینیہ اور عرفان خداوندی سے وابستہ ہے۔ اس لیے وہاں قیام کی لگن فزوں تر ہونے لگتی ہے۔

تاریخ لکھنے والے کے سامنے تاریخ کا وجود خلقت انسانی سے بھی قدیم نظر آتا ہے، جب اللہ کے حکم پر ملائکہ نے آدمؑ کو سجدہ کیا اور ابلیس اپنی نافرمانی پر جنت سے نکالا گیا۔ پھر آدمؑ وحوّا کے ساتھ تاریخ نے دنیا میں قدم رکھا، جہاں پر وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ دنیا میں نوع انسانی کی تاریخ کب اور کس مقام سے شروع ہوئی اور اس وقت کا رہن سہن اور عادات واطوار کیسے تھے۔ ''تاریخ فرشتہ''، جلد اول، صفحہ ۳، از

فرشتہ مطبع منشی نولکشور لکھنو ۱۹۳۳ء کے حوالے سے جب ایک شخص نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا کہ "یا امیرالمومنینؑ! آدمؑ سے تین ہزار پیشتر کون تھا، فرمایا کہ آدمؑ جب یہ معنی تین مرتبہ تکرار پائے تو وہ سائل سر بہ گریبان اور ساکن ہوا۔ اس وقت حضرت شاہ ولایت پناہ نے ارشاد کیا کہ اگر تو مجھ سے تیس ہزار مرتبہ پوچھتا کہ آدم سے پیشتر کون تھا تو میں یہی کہتا کہ آدم۔"

اس طرح مولائے کائنات کا جواب جواب کہتا ہے کہ دنیا لاکھوں سال قدیم ہے۔ اب یہ پتہ کرنا کہ اس میں بسنے والے کہاں کہاں آباد تھے اور اس مقام کی تاریخ کیا ہے، مشکل کام ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ایک بار انسان کی نافرمانیوں کے باعث ساری دنیا طوفان میں غرق ہوگئی اور کشتی نوحؑ سرزمین جزیرہ میں جبل جودی پر ٹھہری۔ نوحؑ آدمِ ثانی کہلائے۔ اب وہاں کی بود و باش کیسی تھی کچھ پتہ نہیں۔ بات یہ بھی مسلّم ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر خدا آئے۔ چند پیغمبروں کے سوا تمام ادوار کے پیغمبروں اور انسانوں کی رہائش گاہوں اور ان کی تعلیمات پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔

بہرطور ماضی بعید کے افق پر تاریخ عالم جس طرح بھی کروٹیں بدلتے بدلتے بڑھی رہی ہو اس کا تفصیلی بیان ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ قبیلہ در قبیلہ طرز رہائش تبدیل ہونے لگی اور نسلی وارث ایک دوسرے سے معرکہ آرام رہے جس میں طلوع اسلام سب سے اہم واقعہ ہے۔ پوری انسانیت نے امن و سکون اور فلاحی انتظامات کی ضرورت محسوس کی اور یہ ضرورت عرب کے ریگستانوں سے پوری ہوئی جس نے تمام دنیا کو روشن و منور کر دیا۔ لوگ بہتر سے بہتر زندگی بسر

کرنے کے انداز اپنانے لگے۔ بانیِ اسلام رسول مکرم، افضل الانبیاء، خاتم النبین حضرت احمد مجتبیٰؐ ۵۷۱ عیسوی میں مکہ میں قریش کے معتبر و محترم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد اور والدہ دونوں کا انتقال ہوا اور چچا حضرت ابوطالب نے پرورش کی۔ آغاز جوانی ہی میں کفار مکہ سے صادق اور الامین کی سند حاصل کی، پچیس سال کی عمر میں تقریباً ۶۱۰ء آپؐ پر وحی کا نزول ہوا۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کی تبلیغ شروع کی تو مکہ کے فرسودہ اور ظالمانہ نظام کے صنم پرستوں نے مخالفتوں کا طوفان کھڑا کر کے مصائب و آلام کے شکنجوں میں جکڑنا شروع کر دیا۔ چچا ابوطالب کا انتقال ہو تو بحکم خدا ہجرت کر کے مدینہ میں پناہ لی۔ یہ ہجرت بظاہر کفار قریش کے مظالم کا نتیجہ تھی لیکن مرضی رب کی شمولیت سے اشاعت اسلام کے لیے پرسکون ماحول کی فراہمی تھی۔ کفار نے یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا تو بقائے حق کے لیے مختصر جمعیت کے ساتھ جہاد کیا اور کفار پر غلبہ حاصل کر کے انھیں دعوت اسلام دی۔ صرف تیس برس کے عرصے میں بت پرستوں اور شوریدہ سروں کا سر جو اللہ کے آگے نہ جھکا تھا، اپنے قدموں پر جھکا دیا۔ تاریخ عرب سمٹ کر نئی راہ پر گامزن ہوئی اور پوری انسانیت ایک ضابطۂ حیات سے منسلک ہوگئی۔ اللہ کی کتاب ''قرآن'' قانونِ الٰہی قرار پایا۔ اس طرح حضورؐ نے پوری زندگی مدینہ میں رہ کر اسلام کی نورانی کرنوں سے دنیا کو جگمگا دیا اور اس تبلیغ و ترویج دین کا سلسلہ قائم کر کے مدینہ ہی میں رحلت فرمائی۔

تاریخ نے رسالتمآبؐ کا ایک بیان محفوظ کیا ہے جو ''خطوط البلاغ'' میں صفحہ ۳۷ پر اس طرح ہے کہ:

''ہمیں خداوند عالم نے خلق فرمایا جبکہ نہ شامیانۂ فلک تھا، نہ فرشِ زمین تھا، نہ

جنت تھی نہ دوزخ، ہم تسبیح کرتے تھے جبکہ تسبیح کا وجود نہ تھا۔ ہم تقدیس کرتے تھے جبکہ تقدیس کا وجود نہ تھا۔ جب خداوند عالم نے صفت کا افتتاح کیا تو میرے نور کی شعاع سے عرش کو خلق کیا۔ وہ میرے نور کی شعاع ہے اور میرا نور خدا کی شعاع ہے میں عرش سے افضل ہوں۔"

جب عرش سے افضل شخصیت نے مدینہ میں دفن ہو کر مدینہ کی عزت و آبرو کی زینت بخشی تو مدینہ کی عظمت کا کیا کہنا۔

مولانا سید محمد عون نقوی نے غالباً اسی عظمت کے پیش نظر "عرفانِ نبوت" اور "عرفانِ امامت" سے قبل کتاب "عرفان مدینہ" تحریر کرنا بہتر سمجھا۔ ۵۵۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سرکار دو عالم سے ان کے عشق و عقیدت کا نچوڑ ہے۔ اس میں مدینہ کا معرض وجود میں آنا، اس کی ۲۷ خصوصیات کا بیان، اس کی زیارت کے فضائل و فوائد، گلی کوچوں میں آباد قبائل کے حسن اخلاق و عادات کے ساتھ آنحضرت سے ان کی محبت، مسجد نبوی اور مطہرات کے حجروں کی تعمیر، اسلام کی تمام عبادات کے اوقات کے دامن میں سمیٹنے کے لیے اذان کی ابتدا، مہاجرین مکہ کی آبادی، مدینہ کی قدیم و عہد اسلام کی تاریخ، مسجد نبوی کی متعدد بار تعمیر، توسیع و تزئین کے معقول انتظامات، مدینہ منورہ کے علمی و ثقافتی حالات، عہد رسالت و خلافت راشدہ کے ساتھ خلافت بنی امیہ، خلافت بنی عباس، آج کے مدینہ میں تعمیر، ترقی و تزئین، شاہراہیں، مدینہ یونیورسٹی (جامعہ امامیہ)، مسجد نبوی کی بنیاد، مختلف ادوار میں توسیع و رنگ و روغن، باب مسجد میں درسگاہیں، منفرد ایئر کنڈیشنڈ نظام، مسجد کے اندر محراب، مقام صفہ و اہل صفہ، ریاضۃ الجنت کے ستونوں کی تفصیل، منبر رسولؐ اور دیگر تمام جزیات پر روشنی ڈالی ہے۔

بڑی عرق ریزی کے ساتھ آسودگان خاک مدینہ میں سرکار دو عالم، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، مقام خدیجۃ الکبریٰ، امام حسنؑ مجتبیٰ، امام علیؑ ابن الحسینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت فاطمہ بنت اسد، حضرت ام البنین (والد حضرت عباس)، سرکار دو عالمؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب، ابراہیم بن حضرت محمدؐ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، زوجۂ رسولؐ ام سلمہ اور بیشمار نامی گرامی شخصیات کا ذکر معہ ان کے تاریخی صفحات درج کیے ہیں۔ اس بیان سے جہاں فاتحہ پڑھنے والوں کو اس مقام تک پہنچنے میں سہولت ہوگی وہیں تاریخ اعتبار سے ریسرچ کرنے والوں کے لیے یہ تحریری خزانہ ہے۔

مکہ جہاں خانہ کعبہ کے وجود سے واجب الاحترام ہے مدینہ اسی طرح خدا کے محبوب رسولؐ اکرم کے روضہ اور مسجد کی وجہ سے وہ اہمیت رکھتا ہے کہ آپ کا حج ہی مکمل نہیں جب تک آپ مدینہ میں بھی قیام نہ کریں۔

مجھے شاعری چھوڑے زمانہ گزر گیا لیکن مولانا عون صاحب کی تحریر نے یہ اثر کیا کہ خاصی تعداد میں اشعار دل کی آواز بن کر صفحہ قرطاس پر بکھر گئے۔ طوالت سے بچتے ہوئے چند اشعار حاضر ہیں:

مانئے آپ میری بات مدینہ چلیئے ــــ چھوڑیئے سارے خرافات مدینہ چلیئے
آنکھیں بے نور ہوئیں ہجر میں روتے روتے ــــ ختم ہوا آنکھوں کی برسات مدینہ چلیئے
عمر بھر رہتے ہیں زر اور زمیں کے جھگڑے ــــ کیجئے دفن فسادات مدینہ چلیئے
بگڑی بن جائے گی اپنی جو نبیؐ خوش ہوں گے ــــ لے کے ایمان کی سوغات مدینہ چلیئے
مفلسی، بیکسی، لاوارثیؔ، فکروں کا ہجوم ــــ ہوں گے حل سارے سوالات مدینہ چلیئے

مدینہ کی بے شمار خصوصیات کے بیان میں مولانا سید محمد عون نقوی نے حکومت وقت کی تنگ نظری کا بھی گلہ کیا ہے کہ مدینہ و مکہ میں بعض ایسے مقامات مقدسہ کا وجود ہی ختم کر دیا گیا جنہیں قائم رکھنا ضروری تھا کہ ان کا تعلق کسی نہ کسی طور رسولؐ خدا سے تھا۔ مثلاً روضۂ فاطمہ زہراؑ جسے ۱۳۴۴ء میں مسمار کر دیا گیا۔ مسجد فاطمہ یوں بھی خستہ حالت میں تھی۔ اب نماز کے لیے بھی بند کر دی گئی، جناب سلمان فارسی کو یہودی کی قید سے نجات دلوانے کے لیے یہودی کی شرائط پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر رات بھر میں پھل دیتے خرمہ کے چالیس درخت لگائے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں وہ درخت کٹے ہوئے پڑے تھے، جو میں نے خود دیکھے۔ یہودی نے جناب سلمان کو نہ صرف آزاد کیا بلکہ وہ باغ بھی انہیں کے نام کر دیا۔ دوبارہ حج پر گیا تو وہ باغ ہی سرے سے غائب تھا، مکہ میں جناب خدیجہ کا وسیع و عریض مکان تھا۔ ۱۹۸۱ء میں میں نے خود اس پھاٹک پر حاضری دی۔ اسے بلڈوز کر کے سرے سے غائب ہی کر دیا گیا۔ ایسے بیشمار مقامات مقدسہ تھے جنہیں برکت اور زیارت کے لیے قائم رکھنا ضروری تھا، جس کی تفصیل میری کتاب ''مقامات مقدسہ'' میں درج ہے۔

مختصر یہ کہ ''تاریخ مدینہ'' میں تاریخی حقائق پڑھیں تو مولانا عون نقوی کے بیانیہ انداز میں الفاظ کے دریا کا بہاؤ ایک خوشگوار احساس پیدا کرتا ہے۔ ان کی روانی طبع ایک بلند پایہ تخلیق کار کی نظر آتی ہے۔ نہ اس میں ناہمواری ہے نہ تسلسل میں رکاوٹ۔ ان کے مشاہدوں کے ساتھ ان کے بصیرت افروز اشارے قاری کے بیحد متاثر کرنے والے ہیں ورنہ خشک موضوع میں ادبی رنگ بھرنا خاصہ دشوار کام ہے۔ کتاب میں جس فکری اور منطقی ربط کو قائم رکھا گیا ہے، وہ کم ہی کتابوں میں ملے گا اس

لیے یہ کتاب ایک نادر دستاویزی حیثیت اختیار کرگئی ہے۔ امید ہے "عرفان مدینہ" ہر گھر اور ہر لائبریری کی زینت بنے گی اور قاری استاد قمر جلالوی کے انداز میں سوچیں گے کہ

مدینے پہ قربان جن و ملک ہیں
علیؑ کا مکاں ہے پیمبر کا گھر ہے
قمر اس مدینے میں جا کر رہیں گے
جہاں کا ہر اک ذرہ شمس و قمر ہے

دعا گو

پروفیسر ڈاکٹر سید منظر حسین کاظمی

کراچی

''عرفانِ مدینہ'' میں ہے عرفانِ مدینہ

آصف رضا رضوی

مہکی ہوئی خوشبوئے گلستانِ مدینہ
تا حشر رہے گا یونہی فیضانِ مدینہ

دعویٰ ہے اگر عشقِ رسولؐ عربی کا
لازم ہے ہر اک دل میں ہو عرفانِ مدینہ

لکھی ہے کتاب حضرتِ عونِ نقوی(۱) نے
حاصل انھیں کس درجہ ہے ''عرفانِ(۲) مدینہ''

علامہ کی تحریر کا ہر رُخ ہے نمایاں
ضو ریز ہے یوں شمعِ شبستانِ مدینہ

قرطاس پہ بکھری ہوئی تحریر کی ندرت
ہر لفظ میں ہے نکہتِ ایقانِ مدینہ

قبلہ کی بصیرت نے تراشے ہیں وہ گوہر
تُلتا ہے جسے برسرِ میزانِ مدینہ

مسجد ہو، حرم ہو، کہ بقیعہ کے مزارات
اک خُلدِ بریں ہے سرِ میدانِ مدینہ

ہر رُخ سے لیا جائزہ اس شہرِ نبیؐ کا
''عرفانِ مدینہ'' میں ہے عرفانِ مدینہ
اس بات پہ تاریخ کے اوراق ہیں شاہد
سرکارؐ کی نسبت سے بڑھی شانِ مدینہ
رفعت میں فزوں کیوں نہ ہو یہ خُلدِ بریں سے
آسودۂ خاک اِس میں ہوا جانِ مدینہ
ان تنگ خیالوں کو کہاں اس کا ہو ادراک
پھیلا ہوا کس درجہ ہے میدانِ مدینہ
تفصیل سے لکھی گئی ہر عہد کی تاریخ
ہر دورِ خلافت میں تھی کیا شانِ مدینہ
ہے سب کی رضاؔ اب تو یہی خواہشِ پیہم
وہ لفظ لکھیں جو کہ ہو شایانِ مدینہ

(۱) حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد عون نقوی
(۲) کتاب کا نام

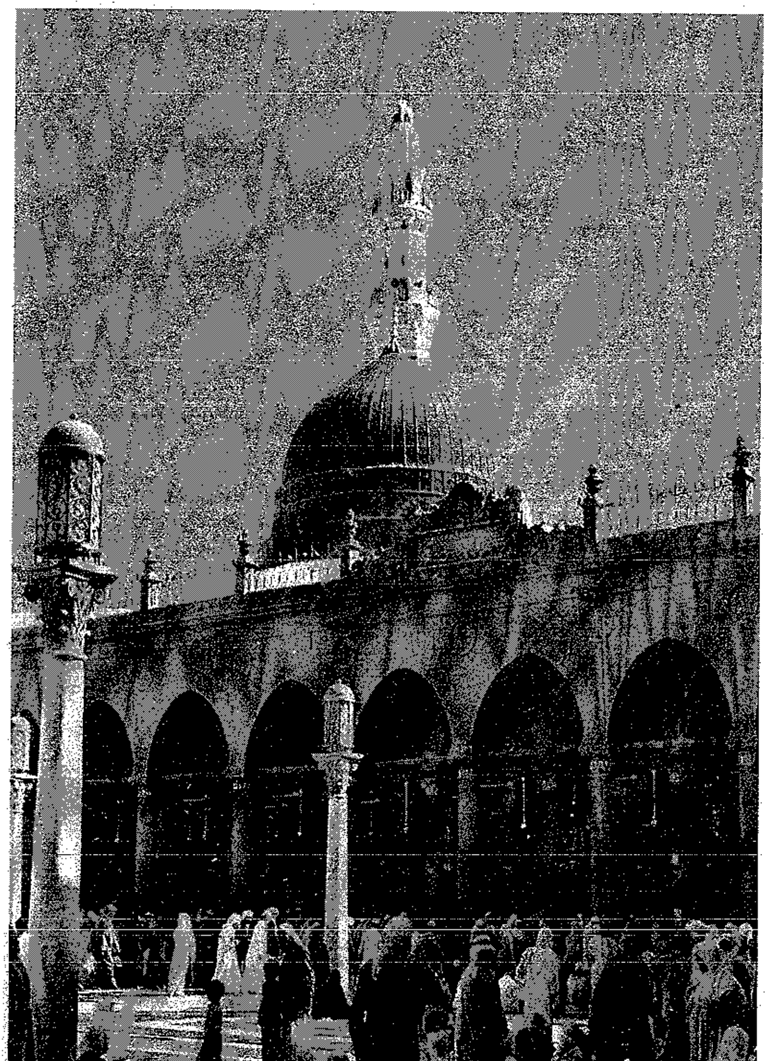
ضروری وضاحت واعتراف

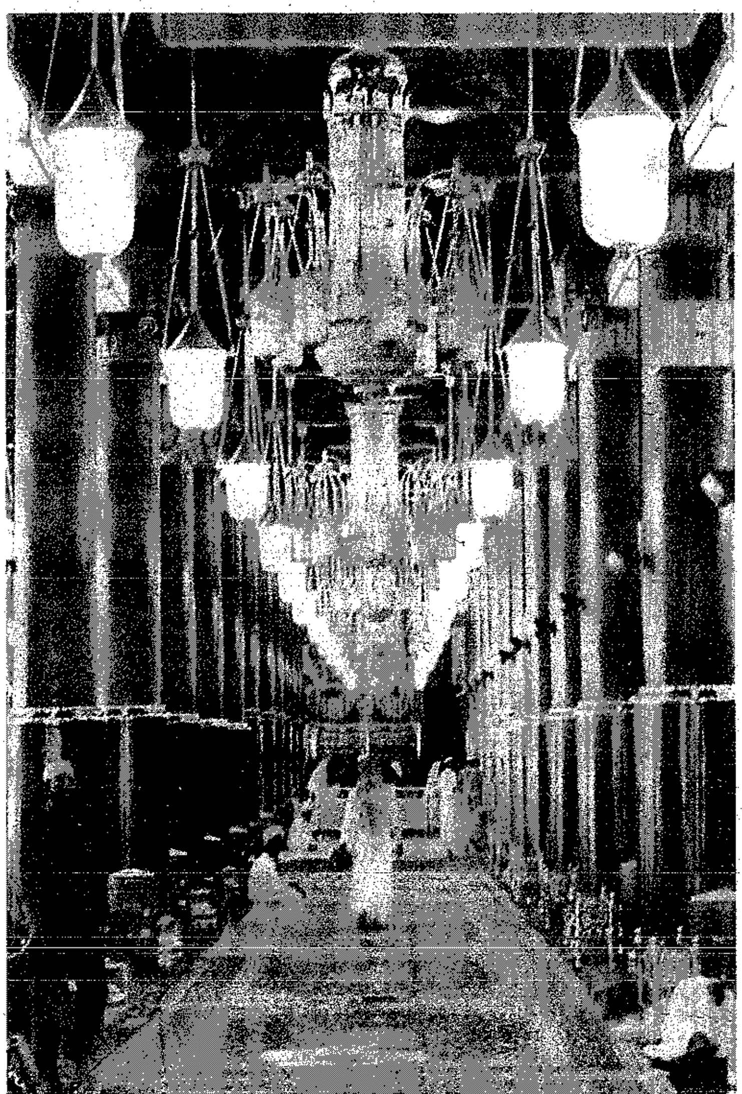
مدینہ منورہ کا عرفان خدا اور اہلبیتؑ کے علاوہ کوئی حاصل نہیں کر سکتا البتہ معرفت کے درجات کا حصول ہر مکلّف کی ذمہ داری ہے۔ "عرفان مدینہ" کتاب میں نہ صرف شیعہ اور سنی بلکہ غیر مسلم مورخین کی کتب سے بھی مدد لی گئی ہے۔ لہذا سیر وسلوک، معرفت اور عقیدے کے روحانی افراد راقم الحروف کی کم علمی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان روایات کو جو مسلک جعفریہ سے متضاد ہوں معلومات کے لیے مطالعہ فرمائیں۔ مؤلف کے نظریات نہ سمجھیں اور کتابت کی اغلاط کو بھی معاف فرمایئے اور اگر ہو سکے تو نشاندہی فرمائیں۔ شکریہ

خادمِ شریعت

سید محمد عون نقوی

مؤلف





ترکی عہد کی مسجد نبوی کی یہ تعمیر اب بھی برقرار ہے۔

ادارہ تبلیغ تعلیمات اسلامی پاکستان

کے عظیم پروجیکٹ (زیر تعمیر)

- سائبان سکینہ (بچیوں کا یتیم خانہ جس کے لیے پلاٹ حاصل کرلیا گیا ہے)
- باب الحوائج مسجد
- باب الحوائج امام بارگاہ
- مدرسہ مہدیہ (تعلیم القرآن، عراق، ایران، شام کے نصاب کے مطابق)
- کمپیوٹر درسگاہ (جدید تبلیغ سے آراستہ)
- ہاسٹل (علیحدہ نظام رہائش طلبہ وطالبات)
- ماہانہ عالمی امامیہ میگزین (پانچ سال سے باقاعدہ جاری ہے)

سات مجتہدین کے اجازے موجود ہیں۔ صاحبان خیر بھرپور تعاون فرمائیں۔

مجلس ادارت و منتظمین

مولانا سید محمد عون نقوی، مولانا غلام علی عارفی قمی، مولانا اکبر علی ناصری
علامہ سجاد شبیر رضوی، نوازش رضا رضوی، آغا نادر رضوی، سید آصف شاہ حسینی
مبشر زیدی، سید ہادی رضوی، ساغر نقوی، فخر شاہ اور اکرم شاہ

اکاؤنٹ نمبر: 1422، بینک الحبیب، رضویہ سوسائٹی، کراچی

پتہ: کمرہ نمبر ۵، رضویہ امام بارگاہ، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی

فون: 36621410, 36621221

0300-8267261 & 0300-2639430

کتاب

عرفانِ مدینہ

از مؤلف کتاب

عرفان مدینہ

''عرفان مدینہ'' زندگی کا حاصل اور شوق کی منزل ہے اسے معرض تحریر لانا میری آرزو بھی اور میری عقیدت کا عملی مظاہرہ بھی ''عرفان حج اور عرفان قرآن'' کے بعد عرفان امامت یا عرفان نبوت پیش فکر تھی۔ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ پہلے عرفان نبوت تحریر کروں یا عرفان امامت پھر نہ جانے یہ خیال کیسے دل میں آیا کہ پہلے عرفان مدینہ پر قلم اٹھایا جائے لہٰذا عرفان مدینہ زیر قلم ہے۔ لفظ مدینہ کی مٹھاس اور حلاوت وہی محسوس کر سکتا ہے جس کے دل میں عشق مدینہ کی شمع فروزاں ہو اور مدینہ سے عشق کی نمایت عشق سرکار مدینہ کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ مدینہ عشق کا حاصل ہی نہیں عشاق کی راہ بھی ہے منزل بھی ہے یہ وہ تنہا سفر ہے جس کا راہرو یہ چاہتا ہے کہ یہ سفر کبھی ختم نہ ہو کوئی کہتا ہے کہ میں اگر مدینہ جاؤں تو نہ لوٹ کر واپس نہ آؤں، جانے کیوں جا کے مسلمان چلے آتے ہیں جلی امروہوی صاحب فرماتے ہیں۔

آپ کا حسن تصور لطف فرماتا رہا
میں مدینے کی طرف آتا رہا جاتا رہا

مدینہ مرکز اہلِ عرفان ہے، قبلہ گاہ اہلِ طریقت ہے۔ مرکز محبت ہے، سرچشمۂ عقیدت بے زر کیلئے دولت ہے کہ یہ شہر ابوذرؓ ہے، یہ فردوس مکاں ہے کہ یہ سجدہ گاہ مسلمان ہے، یہ شہر علم ہے کہ جس کا در ناطق قرآن فخر ابوذر و سلمان حضرت علیؑ علیہ السلام ہیں۔ یہ وہ شہر ہے جہاں روز و شب ملائکہ مقربین بہر سلام آتے ہیں، یہ وہ شہر ہے جہاں انبیاء و مرسلین شمع عقیدت جلائے احترام سے کھڑے رہتے ہیں، یہ وہ مرکز ہے جہاں جن و انس جبین محبت

جھکائے فخر سے آسمان کی طرف تک رہے ہیں۔ دنیا کے گوش و کنار سے رسالتؐ کے پروانے شمع مدینہ کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں، ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے، راستے کی صعوبتوں کو جھیل کر تمام دشواریوں کو نظر انداز کر کے تمام رکاوٹوں کو ٹھکرا کر کھنچا چلا آ رہا ہے۔ ہر ایک دل میں ایک ہی شمع جل رہی ہے محبت سرکار رسالتؐ کی شمع۔ تمام علاقائی، ملکی، قبائلی، لسانی اور مسلکی اختلاف کو چھوڑ کر بلکہ قدموں تلے روند کر سرکار دو عالمؐ کا زائر بننے میں فخر محسوس کر رہا ہے۔ اگر کوئی حسرت ہے تو بس یہ ہے کہ اس کا بھی سرکار کے نذر گذاروں میں، اور آقا کے زائروں میں نام ہو جائے آپ کے ہر امتی ایک ہی خواب دیکھتا ہے کہ آنکھیں ہوں بند اور مدینہ دکھائی دے۔ اس کی حسرت، اس کا خواب، اس کی امید، اس کی آرزو، اس کی خواہش یہی ہے کہ مالک دو جہاں کرم فرمائے اور وہ کسی طرح مدینہ پہنچ جائے۔ ہر شخص اپنی اپنی ذہنی حالت اور دل کی کیفیت کے مطابق وہ نذرانہ پیش کر رہا ہے، کوئی کلام کے ذریعہ، کوئی سلام کے ذریعے، کوئی اشکوں کے ذریعے نذرانہ پیش کر رہا ہے، کچھ خاصان خدا اس بارگاہ میں حاضری کے ساتھ ساتھ حضوری کی منزل بھی پالیتے ہیں، کچھ لوگ سرکارؐ سے توسل فرما کر اہلِ عرفان ہو جاتے ہیں۔ جادہ معرفت کے یہ مسافر برسہا برس سے مسافرت میں ہیں دیکھئے کب کس کو حضوری نصیب ہوتی ہے، جس کا توسل سچا ہوگا وہ منزل پائے گا۔ جو منزل پائے گا وہ امر ہو جائے، جو امر ہو جائے گا، اس کی جانب قدسی بھی رشک سے دیکھیں گے، عرفان مدینہ آسان نہیں یہ راہ طریقت اور منزل سیر و سلوک ہے اس کے ہر مسافر کو با آسانی منزل نہیں ملتی، کسی زنگ آلود دل کے شیشے میں سرکار کی معرفت آ ہی نہیں سکتی۔ دل کو مدتوں مجلّا و مصفا کرنا پڑتا ہے، برسہا برس صیقل کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر مادیت کی کثافت دور ہوتی ہے۔ ہر کس و ناکس کو سرکارؐ کا ادراک نہیں ہو سکتا، ہر مسلمان منزل معرفت پر نہیں پہنچ سکتا۔ جو خدا کے رسولؐ کے مرتبے سے ناواقف ہو وہ کیا جانے کہ سرکارؐ کا مرتبہ کیا ہے، سرکار کا مقام کیا

ہے، سرکار کی منزل کیا ہے قاب قوسین نے اگر حد نہ کھینچ رکھی ہوتی تو رسالتؐ و وحدانیت کا فرق مشکل ہو جاتا۔ شب معراج منزل عشق ہے، جب محبوب خدا، خدا سے ملاقات کیلئے عرش بریں پر تشریف لے گئے اور سدرۃ المنتہا آپ کی منزل قرار پائی۔

وہ لوگ جو سرکار دوؐ عالم کو اپنا سا بشر سمجھتے ہیں، انہیں ایک پیغام رساں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت نہیں رکھتے ان کے اس نظریات و کیفیات وصورت حال وعقیدہ کے پیچھے ایک طویل کہانی ہے ابن تیمائی فکر کو انگریزوں نے عبدالوہاب نجدی کے ذریعہ پروان چڑھایا یہ وہ دور تھا جب انگریز مسلمان کی مذہبی یکجہتی ختم کر کے، انتشار کو ہوا دیتے اور مسلم امر میں دراڑ ڈالنے کیلئے اسلام میں مختلف نظریات و مسالک ایجاد کر رہے تھے لہٰذا جب ہم تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو معلوم یہ ہوگا کہ محمد بن عبدالوہاب جس نے 1972ء میں وفات پائی یہ نجدی اور وہابی فرقے کا بانی تھا، محمد علی باب جو بہائی فرقے کا بانی تھا اس کا زمانہ 1830ء تھا اور غلام احمد قادیانی کا دور بھی تقریباً تقریباً یہی تھا اس نے 1908ء میں وفات پائی، یہ تینوں مذہب تقریباً ایک ہی صدی میں منظر عام پر آئے۔ ان تینوں مذاہب کے شعوری مطالعہ سے پتہ چلے گا کہ یہ فرقے علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن ان کا منشور سب کا ایک ہی ہے ان تینوں کا مقصد علمی دہشت گردی کے ذریعہ صرف اور صرف حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وحیثیت کو گھٹانا تھا۔ اسلام دشمن قوتیں خوب جانتی ہیں کہ جب تک مسلمانوں کے دل میں محبت اہلبیتؑ کی شمع جل رہی ہے مسلمانوں کو مٹانا آسان نہیں ہوگا لہٰذا وہ اس امر کے لیے کوشاں ہیں کہ مسلمانوں کو ورغلایا اور بہکایا جائے، لہٰذا محمد بن عبدالوہاب نے خالص توحید کے نام پر مسلمانوں کو بیوقوف بنایا کہ صرف اللہ ہے اور باقی کچھ نہیں رسولؐ خدا صرف Mesenger تھے (معاذ اللہ) جبکہ رسولؐ اسلام نے توحید کے ساتھ ساتھ ہمیں دین

اسلام بنایا، قرآن و شریعت کی تعلیم دی، اور ایک مذہبی سیاسی، معاشرتی، سماجی، نظریاتی اور ثقافتی نظام دیا۔ اور ایک خدا کے دین کی حفاظت کے لیے اپنے بعد آئمہ الطاہرینؑ کا ایک سلسلہ چھوڑ گئے تو قیامت تک دین کی رہبری اور رہنمائی فرماتے رہیں گے اور قیامت کے قریب ان کے آخری وارث اور ہادی برحق امت مسلم کا ظہور ہوگا، آپ نے واضح الفاظ میں فرما دیا میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک قرآن اور دوسرے میری عترت میرے اہل بیت۔ عترت و اہلبیتؑ کہہ کے آپ نے اپنے اور غیر یعنی زبردستی اہل بیتؑ میں داخل ہونے والوں کے خلاف حد کھینچ دی۔

اور یہ فرما دیا کہ اگر تم ان سے تمسک رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور اس امر کی وضاحت بھی فرما دی کہ قرآن و اہلِ بیتؑ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوں گے اور جو بھی ان دونوں چیزوں سے سے تمسک رکھے گا کبھی گمراہ نہیں ہوگا کس ایک چیز سے نہیں یہ نہیں کہ ایک کہے کہ میرے لیے کتاب کافی ہے اور دوسرا کہے کہ میرے لیے اہلِ بیتؑ کافی ہیں، دونوں سے تمسک رکھنا ہے۔ اگر مسلمان ان دونوں چیزوں سے تمسک رکھے گا تو کبھی گمراہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ حوض کوثر پر سرکار ختمی مرتبتؐ کے طرف وارد ہوگا۔ جو صرف قرآن سے محبت رکھے گا اس کی سمجھ میں بھی اسلام نہیں آ سکتا اور جو اہل بیتؑ تک محدود رہے گا وہ شاید اس لیے گمراہ نہ ہو کہ اہل بیتؑ اور قرآن ایک ہیں ہم پلہ ہیں، ایک قرآن ثامت ہے ایک قرآن ناطق ہے اور پھر قرآن ناطق کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ کہ یہ "راسخون فی العلم" کی منزل پر فائز ہیں۔ اہل بیتؑ ہی وہ ہیں جنہیں مباہلہ میں سچے ہونے کی سند آئیہ مباہلہ کے توسط سے عطا کی گی۔ "یہی کونو مع الصادقین" کے مصداق ہیں۔ ایک طرف مسلمانوں کے دل سے محبت اہلِ بیتؑ ختم کی جارہی، محدثوں، مفتیوں، مورخوں اور ملاوں کے ذریعے، جب اس میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہیں حاصل ہوئی تو دہشت گردی کا راستہ اختیار

کیا گیا محمد وآل محمد علیہم السلام کے ماننے اور چاہنے والوں کو شہید کرنے کے نہ ختم ہونے والے سلسلے کا آغاز کر دیا ہے یہ سلسلہ جاری ہے اور شاید قیامت جاری ہے ہر دور میں حق و باطل اور خیر و شر کی جنگ ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب سرکارؐ مدینہ ہی کا عرفان نہ ہو تو مدینہ کا عرفان کیا ہوگا مدینہ کی تمام عظمت، وقار، شرف، عزت قدر، وقعت اور شہرت والی مدینہ کی نسبت کی وجہ سے ہے یہ شہر اس لیے مرجع خلائق ہے کہ یہاں مزار اقدس شہنشاہ دو جہاںؐ ہے، اس شہر پر رحمت للعالمینؐ کا سایہ ہے، کرم ہے وہ مرسل اعظمؐ جس کا سایہ تھا لیکن وہ شہر مدینہ اور زائرین مدینہ پر سایہ فگن ہیں یہ وہ شہر ہے جہاں سرکار کے اہل بیتؑ محو خواب ہیں جہاں سرکار کے احباب ابدی نیند سو رہے ہیں۔ یہ وہ شہر ہے جہاں شہدائے احد محو خواب ہیں۔ سرکار نے اپنی زندگی کے بیش قیمت و پرسکون دن یہاں گزارے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں مکہ میں روز شب اذیت سے دوچار تھے۔ ہر مسلمان کو ہر کلمہ گو کو، ہر اس شخص کو جو شافع محشر سے شفاعت کا امیدوار و طلب گار ہے وہ جو دین اسلام سے متعلق ہے اس پر لازم ہے کہ وہ پہلے حق مودت ادا کرے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حاصل کرے اور ان کی معرفت حاصل کرنے کے بعد قرآن کی معرفت حاصل کرے جو تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور پھر معرفت اہل بیتؑ حاصل کرے جو قرآن کے عالم و شارح ہیں، ہادی برحق ہیں اور رہنما ہیں اور پھر مدینہ کا عرفان حاصل کریں۔ کیونکہ عرفان مدینہ سے سرکار مدینہ اور شہر سرکار کا اوراک وعرفان ہوگا، دین اسلام اس وقت تک سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک عرفان مدینہ نہ ہو مدینہ اسلام کی تاریخ ہے۔

مدینہ............ مہبط جبرئیلؑ امین ہے۔

مدینہ............ وہ جگہ ہے جہاں رسول اسلام احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محوآرام ہیں۔

مدینہ............ جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح اور شام نازل ہو کر محمد وآل محمد پر درود بھیجتے ہیں۔

مدینہ............ جہاں ایک رکعت نماز کا اجر وثواب پچاس ہزار رکعت کے برابر ہے۔

مدینہ............ جہاں رحمت اللعالمینؐ کے مبارک قدم پڑے ہیں۔

مدینہ............ جہاں کی خاک میں شفاء ہے۔

مدینہ............ جہاں ایک نیکی پچاس ہزار نیکی کا درجہ رکھتی ہے۔

مدینہ............ جہاں سو فیصد میں نوے فیصد رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ باقی ساری دنیا میں دس فیصد۔

مدینہ............ جہاں کے باشندے قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھائے جائیں اور کربلا والوں کے بعد سب سے پہلے ان کی شفاعت ہوگی۔

مدینہ............ جہاں شفیع المذنبین، خاتم النبین، رحمتہ العالمین کا دربار فیض آثار ہے۔

مدینہ............ جہاں آنے والوں کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

مدینہ............ جہاں مکہ معظّمہ کی نسبت دگنی برکتوں کے لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی تھی۔

مدینہ............ جہاں سرکار کی اکلوتی بیٹی، انسیہ، حورا، بتول، العذراء، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر مطہر ہے۔

مدینہ............ جہاں حاضر ہونے والوں اور سرکار کی بارگاہ میں جبیں رسائی کرنے والوں کو سب سے پہلے سرکار شفیع المذنبین کی شفاعت نصیب ہوگی۔

مدینہ............ جہاں سید الشہداء اسد اللہ واسد رسول حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا

مزار مقدس ہے۔

مدینہ............ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس ابن عبدالمطلب اور رسول کی پھوپھیاں جناب صفیہ اور جناب عاتکہ آسودۂ خاک ہیں۔

مدینہ............ جہاں محسن اسلام و رسالت حضرت ابوطالب علیہ السلام کی شریکِ حیات حضرت فاطمہ بنت اسد والدۂ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام محوِ آرام ہیں۔

مدینہ............ جہاں چار آئمہ الطاہرین حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کے مقدس مزارات ہیں۔

مدینہ............ جہاں ازواج رسولؐ کے مزارات ہیں۔

مدینہ............ جہاں سرکار وفا علمدار کربلاؑ کی والدۂ ماجدہ حضرت ام البنینؑ کی قبر اقدس ہے۔

مدینہ............ جہاں شہدائے بدر کی قبریں ہیں۔

مدینہ............ جہاں بہشت کے باغوں میں ایک باغ ہے۔

مدینہ............ جہاں حاضر ہونے سے حدیث لاتشد الرجال الا الی ثلاثۃ المساجد کی تعمیل ہوتی ہے۔

مدینہ............ جہاں حاضر ہو کر سلام کرنے سے سرکارِ ختمی مرتب بذات خود جواب سلام دیتے ہیں۔

مدینہ............ جہاں آ کر انسان کو تمام غم و رنج سے دوری مل جاتی ہے اور انسان غم فردا اور فکر امروز سے آزاد ہو جاتا ہے۔

مدینہ............... جہاں مسجد نبوی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محراب و منبر ہے، جہاں ریاض الجنہ ہے، جہاں اصحاب صفہ کا چبوترہ ہے۔

مدینہ............... جہاں گنبد خضریٰ ہے جو عشاق کی منزل ہے۔

مدینہ............... جہاں استوانہ حرس ہے استوانہ توبہ ہے، استوانہ وفود ہے، استوانہ سریر ہے، استوانہ مہاجرین ہے اور استوانہ خانہ ہے جو حضور سے جدائی کے غم میں رویا کرتا تھا۔

مدینہ............... جہاں جنت البقیع ہے جہاں حلیمہ سعدیہ کی قبر ہے۔

مدینہ............... جہاں ام رباب زوجہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر ہے۔(بقول)

مدینہ............... جہاں اسماعیل فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی قبر ہے۔

مدینہ............... جہاں حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب سرکار دو عالمؐ کے والد ماجد کی قبر اقدس ہے۔

مدینہ............... جہاں حضرت عقیلؑ ابن عبدالمطلب کی قبر ہے۔

مدینہ............... جہاں حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار کی قبر ہے۔

مدینہ............... جہاں سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر ہے۔

مدینہ............... جہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے۔

مدینہ............... جہاں شیخ القراء امام نافع کی قبر ہے۔

مدینہ............... جہاں جناب عثمان ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر ہے۔

مدینہ............... جہاں امام شافعی علیہ الرحمہ کا مزار ہے۔

مدینہ............... وہ شہر ہے کہ اس کے برابر برکت روئے زمین پر کسی جگہ نہیں ہے۔

مدینہ .... جہاں اطراف واکناف ارضی سے زائرین آتے ہیں

مدینہ............... جہاں شوکت اسلام نظر آتی ہے۔

مدینہ............... جہاں عربی، عجمی، ترکی ہندی، جاوی، ملاوی، نجاری، افریقی اور یورپی سرکار کی بارگاہ میں شمع عقیدت جلائے کھڑے رہتے ہیں۔

مدینہ............... جہاں شہنشاہ وگدا، امیر وغریب، راعی ورعایا، آجر واجیر، گناہ گار وپرہیزگار سب دربار نبویؐ میں مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔

مدینہ............... جہاں شراب سازی وشراب خوری نہیں ہوتی۔

مدینہ............... جہاں جسم فروشی اور لہولعب نہیں ہوتا۔

مدینہ............... جہاں قمار بازی نہیں ہوتی۔

مدینہ............... جہاں ہر قسم کے میوہ جات، فواکہات، سبزی وترکاری موجود ہے۔

مدینہ............... جہاں کی کھجوریں ساری دنیا سے زیادہ لذیز اور شیریں ہیں۔

مدینہ............... جہاں ایک جگہ ہے جو بیت اللہ بلکہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔

مدینہ............... وہ مقدس شہر جہاں سوائے کلمہ گو کے کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔

مدینہ............... وہ جگہ ہے جہاں جا کر واپس آنے کو دل نہیں چاہتا۔

مدینہ............... وہ شہر جس کا دنیا کی ہر زبان میں تذکرہ موجود ہے۔ دنیا کے ادب میں جتنا اس شہر کا ذکر ہوا ہے، جتنے اشعار اس شہر پر کہے گئے ہیں دنیا کے کسی ادب میں اتنے شعر کسی شہر پر نہیں کہے گئے ہیں۔ جہاں شاعر یہ کہتے نظر آتے ہیں۔

یا محمدؐ تیرا در چھوڑ کر کہاں جائیں غریب
بادشاہی سے تو بہتر ہے گدائی تیری

مدینہ............... جہاں قیامت تک علم رہے گا۔

مدینہ............ جہاں تا قام قیامت عالم رہیں گے۔

مدینہ............ جہاں دجال ،متعدی امراض اور دابتہ الارض وغیرہ قیامت تک داخل نہ ہونے پائیں گے۔ اس وقت اس شہر کی حفاظت کے لیے فرشتے کھڑے ہو جائیں گے۔

مدینہ............ جہاں ایک قبرستان ہے جہاں کے کچھ مدفونوں کے لیے جنت کی بشارت آ چکی ہے۔

مدینہ............ میں حاضر ہو کر اگر انسان یہ قسم کھالے کہ میں بہشت میں ہوں تو وہ اپنے قسم میں سچا ہوتا ہے۔

مدینہ............ میں ایک نورانی گنبد ہے جسے اہلِ دل اور اہلِ نظر گنبد خضریٰ کے نام سے جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔ ان کے اشتیاق دیدے میں نہ جانے کتنے جاں سے گزر گئے اور کتنے اس کی حسرت زیارت میں جی رہے ہیں۔ سبز گنبد شعراء کا خاص موضوع ہے:

گنبد سبز پہ رحمت کی گھٹا چھائی ہے

پینے والو چلو طیبہ میں بہار آئی ہے

مدینہ............ بارگاہِ رسالتؐ کی خدمت گزاری، حاضری، زیارت اور جاروب کشی کو سلطان جہاں باعث فخر و سعادت سمجھتے ہیں۔

مدینہ............ کی حاضری سے اس خدائی حکم کی تعمیل ہوئی جو قرآن حکیم میں "ولو انھو اذظلموا انفسھم جاؤک الی آخر سے ظاہر ہوتا ہے۔

مدینہ............ جہاں سرکار رحمۃ اللعالمینؐ تشریف فرما ہیں جن پر ایک بار درود پڑھنے سے دس مرتبہ رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔

مدینہ.............. وہ دربار ہے جس کی سخاوت کائنات پر محیط ہے۔

مدینہ.............. وہ چشمہ نور ہے جس کے جلوؤں سے سارا جہان روشن ہے۔

مدینہ.............. وہ مہر نبوت ہے جس کی کرنوں سے دنیا کے ظلمت کدے منور ہوئے۔

مدینہ.............. وہ آستانہ محبوب خدا جو دلوں کو سرور اور نگاہوں کو کیفیت حضوری بخشتا ہے۔

مدینہ.............. وہ در ہے جہاں بے زر ابوذر بن جاتے ہیں۔ جہاں فقیروں اور دریوزہ گروں کی جھولیاں بھر جاتی ہیں۔ سائلوں اور منگتوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

مدینہ.............. ہی وہ محترم شہر اور مقدس مقام ہے جو سرکارِ دو عالمؐ کے جد اطہر سے مشرف ہے۔

مدینہ.............. وہ جگہ ہے جو عرش و فرش سے افضل ہے۔

مدینہ.............. میں وہ مسجد ہے جس کی شان مبارک میں اسس علی التقویٰ نازل ہوا تھا۔

مدینہ.............. ہی میں وہ مسجد ہے جس کی زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہفتہ میں ایک بار ضرور فرمایا کرتے تھے۔

مدینہ.............. میں مقام مباہلہ ہے جہاں پنجتنؑ نے عیسائیت کو شکست دی تھی۔

غرض یہ کہ مدینہ وہ شہر ہے جس کا عرفان ادراک قرآن کے برابر ہے۔ مالک دو جہاں ہر مسلمان کو مدینہ واہلِ مدینہ اور قرآنِ حکیم کی معرفت عطا فرمائے۔

میرے والدین میرے لیے مشعل ہدایت اور دعا کا محل ہیں ہر لمحہ اُن کا ممنون احسان ہوں اس موقع پر اپنی اس کاوش کو قلمی مربی محسن اور بزرگ مرحوم سید آل محمد رزمی کے نام کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے درجات میں بلندی کے لیے دعا گو ہوں اور تقاریظ عنایت فرمانے پر

شفقت اور محبت کرنے پر حضرت مولانا سید رضی جعفر نقوی، حضرت مولانا مظہر عباس نقوی، حضرت مولانا شہنشاہ حسین نقوی، حضرت ڈاکٹر منظر حسین کاظمی کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جبکہ حضرت علامہ عباس کمیلی، علامہ مرزا یوسف حسین، حضرت علامہ سید حسن ظفر نقوی، ڈاکٹر ریحان اعظمی، پروفیسر علی امام رضوی، زوار حسین نقوی، مولانا اکرام حسین ترمذی، مولانا غلام علی عارفی، مولانا اکبر ناصری، مولانا عابد قنبری، سید نوازش رضا، علامہ سجاد شبیر رضوی، مولانا ڈھنی بخش سولنگی، علامہ وزیر حسین ترابی، مشتاق حسن شبر، سلمان مجتبیٰ، غضنفر حسین چاند، ماجد حسین رضوی، مبشر زیدی، آصف شاہ حسینی، حسن ریاض شمو، نصیر علی (لانڈھی)، انوار علی جعفری، محمد ہاشم بابر بھائی، میر عابد کاتب، نصرت زیدی، ندیم حسین، سعید عالم زیدی، نایاب جھامرہ، علی جاوید شیخ، عالم شاہ جی، پروفیسر آصف پاشا، نوید پاشا و دیگر بھائی، ملک اظہار، عباس علی اجمیری، راجہ نصیر اسد، شوکت خوجہ، سید وجاہت نقوی، اظہر جعفری (باب العلم)، حاجی انور، راجو بھائی، عباس علی شاہ، عادل بھانجی، ہادی رضوی، سردار نقوی، متقی میرزا، زوار حسین نقوی، اقبال حسین، غلام اکبر بھائی، حکیم محمد احمد زیدی، جناب عسکری و حیدر ماموں، وقار شاہ، سرور شاہ، وقار حیدر زیدی، صفدر نقوی، کینیڈا، آصف رضا، قاسم خوجہ اور اُن کی والدہ صاحبہ، عمار و دانش، اختر حسنین کاظمی، باقر کاظمی، زوار حسین حاجی انچولی اور آفتاب حاجی، منظر مہدی اور ساجد حسین بادشاہ کا ہمیشہ قدردان اور ممنون ہوں جن کی رہنمائی و سرپرستی شامل حال رہتی ہے۔ علاوہ ازیں آغا نادر رضوی، آصف شاہ زیدی، صداقت گیلانی، معظم شیخ، دلدار علی شیخ، ریاض حیدر صحافی اور فدا حسین اور ہر سال کے حجاج کرام و زائرین کی محبتوں کا قرضہ اتار نہیں سکتا۔ اس کتاب کو چار چاند جناب آصف رضا رضوی کی نظم نے لگائے۔ ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ خداوند متعال اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

مخلص

سید محمد عون نقوی
aounmnaqvi@gmail.com

۸۶ء

۹۲۔۱۱۰

جنات، کانہ دجال یا مقناطیس

امسال سعادت حج کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو کاروان سالار نوازش رضا رضوی صاحب نے زور دیا کہ ایک عظیم اور عجیب منظر دیکھنے چلیں۔ اشتیاق پیدا ہوا اور ملک اظہار، علی امام، امتیاز، انیس طالب، کاظم علی، جاثم عباس، ممتاز اور نوازش رضا عازم سفر ہوئے۔ ۳۵ کلومیٹر عراق کی جانب مدینے کی پہاڑی وادی میں سفر کیا تو آگے پہاڑوں نے راستہ بند کیا ہوا تھا اور عجیب وغریب انداز کے پہاڑوں کی بند گلی سے جب واپس ہوئے تو گاڑیاں بند کر دی گئیں۔ انجن بند تھے اور گاڑیاں آہستہ آہستہ خود بخود چلنے لگیں اور ایک سو چالیس کی رفتار سے دوڑ رہی تھیں جبکہ راستہ ناہموار، اوپر نیچے ہوتا رہا لیکن گاڑیاں اونچائی کی طرف تیز اور نیچائی کی طرف آہستہ چلتی رہیں۔ اُتر کر سڑک پر پانی ڈالا گیا تو پانی اوپر کی طرف راستہ بنا رہا تھا۔ نہایت حیرت ہوئی۔ لوگ اندازے لگا رہے تھے کہ یہاں سے کانہ دجال ظاہر ہوگا، یہاں جنات کا کوئی اثر ہے یا مقناطیسی پہاڑ ہیں یا زمین کے نیچے کشش ثقل کا کوئی خزانہ ہے۔

یہ معمہ حل طلب ہے۔ یہ وادیٔ بیضا کہلاتی ہے جو کہ مدینہ سے ۳۵ کلومیٹر پہاڑی علاقہ ہے۔ آگے راستہ ختم ہے تقریباً سات سے دس کلومیٹر گاڑیاں تیز رفتاری سے بغیر انجن چلائے چلتی ہیں۔ یہ قدرتی شاہکار مدینے کے حوالے سے معروف ہو رہا ہے۔ عرفان مدینہ کے قارئین جب مدینے جائیں تو اس سرزمین کا بھی مطالعہ اور شرف زیارت حاصل فرمائیں۔

تاریخِ مدینہ

مدینہ

مدینہ عربی لفظ ہے جس کے معنی شہر کے ہیں۔ شہر ہسپانیہ کے کئی مقامات کے ناموں کی صورت میں اب تک محفوظ چلا آتا ہے۔ ان میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں Medina delas orres جو بطلیوس Badaloz کے صوبے میں ہے۔ Medina de Rioseco اور Campo_Medina delas جو والا دولت (Valladolid) کے صوبے میں ہے۔ Medina de Pomer جو برغوش (Burgos) کے صوبے میں ہے۔ Medinaceli سوریہ کے صوبہ اور مدینہ شدونہ Medina Sidonia قادس ((Cadiz کے صوبہ میں ہے۔ مقامات کے عربی نام مدینہ الولید اور مدینہ الفرج علی الترتیب وہی مقام ہیں جو Valladolid اور Guadel Jara ہیں۔ اس شہر کے دوسرے عربی نام وادی الحجارہ سے ماخوذ ہیں۔ اس شہر کا نام ایک مشہور شخص کے نام سے منسوب تھا۔ مالک بن عبدالرحمٰن ابن الفرج۔

علاوہ ازیں ہسپانیہ کے کئی اور شہر ہیں جیسے مدینہ ابن السلیم، مدینہ البیضا، مدینہ التراب المدینہ الزہرا، مدینہ الزاہرہ، مدینہ عتیقہ، مدینہ غلیسہ، مدینۃ المائدہ۔

(حوالہ محمد عنایت اللہ: (۱) اندلس کا تاریخی جغرافیہ (۲) Muslim CAPITALS P.K. Hutti (۳) E.LEVI PROVENCAL)

المدینۃ المنورہ

جزیرہ نمائے عرب کے صوبہ حجاز کا مقدس شہر اس کا پہلا نام یثرب تھا۔ بطلیموس کے جغرافیہ میں یثرب کا نام یثربہ (Jathrcpa) آیا ہے۔ (جواد علی تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۴، صفحہ ۱۳۰، طبع بیروت ۱۹۷۰)

رسول اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے کا طیبۃ یا طابہ رکھا۔ قرآن مجید میں یثرب اور مدینہ دونوں نام آئے ہیں۔ یاقوت نے معجم البلدان میں مدینہ کے ۲۹ نام کا تذکرہ کیا ہے۔ مدینہ کے ممتاز مورخ السمہو ی نے چورانوے نام لکھے ہیں

مدینے کے نام

مدینہ، یثرب، طیبہ، طابہ، جابرہ، مجوبہ، مدینۃ النبی، مدینۃ الرسول، دار الہجرہ العاصمہ، بیت الرسول الہ، المسلمۃ، المحیہ، دار الفتح، حرم رسول اللہ، ذات المنخل، سیدۃ البلدان، البارہ، قتبہ الاسلام، قلب الایمان، المختار، دار الابرار، المومنۃ، دار السنۃ، دار الاخیار، الدرع، الحصینۃ، ذات الحرارۃ، المبارکۃ، شہر آرزو، ارض جمال۔ ("دھنگو رجہ سے حجاز تک": آل محمد رزمی)

مدینہ منورہ کا جغرافیہ

مدینہ منورہ ۳۹ درجے، ۵۰ دقیقے طول بلد مشرق اور ۲۴ درجے، ۳۲ درجے دقیقے عرض بلد شمال میں خط استواء کے شمال میں واقع ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے تین سو میل اور ینبع سے

ایک سوتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور سطح سمندر سے چھ سو میٹر بلند ہے۔ اس کے شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل عیر ہیں اور یہ دونوں مدینہ سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔

شہر کے مغرب و مشرق میں حرۃ الوبرۃ اور حرۃ الواقم واقع ہیں۔ یہ سیاہ پتھروں کے علاقے ہیں، جن کو آتشیں سیال مادہ نے ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے اور جو سخت نوکیلے اور آڑے ترچھے ہیں اور میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ شہر کے اردگرد کئی وادیاں ہیں جن میں وادی العقیق اور وادی رانونا قابل ذکر ہیں اور یہ اہل مدینہ منورہ کی سیرگاہیں ہیں۔

یہاں ہم جو معلومات فراہم کررہے ہیں وہ مستند کتابوں سے معہ ان کے حوالوں کے پیش کررہے ہیں۔ عملی شکل میں وہ مقامات اور وہ یادگاریں موجود ہیں یا نہیں کوئی وثوق سے نہیں بتا سکتا۔ میں نے اپنے آٹھ حج کے درمیان بہت کچھ بنتے اور بگڑتے دیکھا ہے۔ تاریخی مقامات مٹانے میں سعودی حکومت کو کمال حاصل ہے۔ دنیا اپنے آثار کو محفوظ رکھتی ہے سعودی حکومت میں یہ آثار قطعی غیر محفوظ ہیں۔ سعودی عرب میں کچھ آثار کو محفوظ ہیں اور محفوظ رہیں گے ان کا تعلق دیگر انبیاء کی تاریخ سے ہے۔ لہٰذا آپ کو دیگر انبیاء کے کچھ آثار ضرور مل جائیں گے کیونکہ مسلمانوں کا ان سے کوئی جذباتی تعلق نہیں رسمی تعلق ہے۔ جن آثار و مقامات کی سعودی عرب میں کوئی گنجائش نہیں۔ وہ بانی اسلام ابو طالب علیہ السلام اور ان کے اہلبیتؑ کے آثار ہیں لہٰذا مکہ میں بیت حضرت ابو طالب علیہ السلام، بیت امہات المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا، بیت سید الشہداء حضرت امیر حمزہ، بیت ام ہانی اور دار ارقم وغیرہ کو بلڈوز کردیا گیا۔ خود ولادت گاہ سرکار رسالت کو لائبریری میں تبدیل کردیا گیا ہے اور وہاں خوں خوار اور بدمزاج ملازمین تعینات کیے گئے ہیں تا کہ کوئی اس ولادت گاہ سے اپنی عقیدت کا اظہار نہ کرنے پائے۔ اسی طرح مدینۂ منورہ میں اہلبیت واصحاب کے مکانات تو ایک طرف مسجد ردشمس، مسجد فضیخ اور ادھر سبع مساجد میں مسجد علی علیہ السلام،

مسجد فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ختم کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے مسجد فتح اور مسجد سلمان فارسی جن کے پچھلے سال تک آثار باقی تھے اب باقی رہتے ہیں یا نہیں۔ اس تمہید کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ لوگ جنھیں پروردگار عالم نے مدینہ منورہ میں حاضری کا شرف بخشا ہے۔ اگر ان مقامات کو نہ پائیں جن کا میں تذکرہ کر رہا ہوں تو مجھے الزام نہ دیں اور مجھ پر شک نہ کریں بلکہ ان تاریخ سیر و کتب اور مصادر و مآخذ کو ملاحظہ فرمائیں جن کا میں حوالہ دے رہا ہوں۔ اس تمہید کے بعد میں دوبارہ اپنے موضوع کی طرف واپس آتا ہوں۔

مدینہ کے چشمے

مدینہ منورہ میں چوبیس سے زیادہ پانی کے چشمے ہیں جن میں اہم ترین العین الزرقاء ہے۔ مدینہ کا پانی ہلکا، سرد اور شریں ہے۔

مدینہ کا موسم

مدینہ کا موسم گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت سرد ہوتا ہے۔

مدینہ کی اراضی

مدینہ منورہ کی اراضی دو قسم کی ہے۔ پہلی قسم سفید رنگ کی ریتیلی زمین پر مشتمل ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے مشرقی جانب ہے اور اس میں کھجور، انگور اور انار بکثرت ہوتے ہیں۔ دوسری قسم سیاہ رنگ کی ہے جس میں گندم، جو، انار، نارنگی، رنگ برنگ کے پھول اور قسم قسم کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اراضی مدینہ کے جنوب میں قباء عوالی اور عتیق میں واقع ہے۔

(حوالہ: عمر رضا کحالہ ''جغرافیہ شبہ جزیرہ العرب''، ص ۱۳۷ تا ۱۴۷، دمشق ۱۹۴۴ء البتونی

(الرحلة الحجازیہ، ص۲۵۲ تا ۲۶۱ مطبوعہ قاہرہ مصر)

مدینہ کے مکانات

مدینہ منورہ کے مکانات پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور دو دو تین تین منزلہ ہوتے ہیں۔ کچھ مکانات کچی مٹی کے بھی ہیں۔ گلیاں اور بازار تنگ ہیں لیکن اب مدینہ منورہ میں کثیر المنزلہ عمارات ہیں جس میں جدید ترین آرائش، مغربی طرز تعمیر، خودکار لفٹ، کشادہ سڑکیں، شاپنگ سینٹرز جو غیر ملکی مصنوعات سے بھرا پڑا ہے۔ دنیا کا ہر پھل اور ہر سبزی یہاں موجود ہے۔ حج کے زمانے میں یہاں بے پناہ ہجوم ہوتا ہے اور خرید و فروخت کی گہما گہمی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اب مدینہ میں ماضی کی ثقافت کا کہیں وجود نہیں ہے۔

معارف اسلامی انسائیکلو پیڈیا (پنجاب یونیورسٹی) میں تحریر ہے کہ مدینہ کے باشندے، حلیم، خلیق اور شریں گفتار ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بات صحیح ہو لیکن بازاروں اور دکانوں پر عموماً بنگالی، ہندوستانی، پاکستانی اور دیگر ممالک کے لوگ عربی بہروپ دھارے ہوئے ملتے ہیں جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ مدینہ کے اصل باشندے کون ہیں۔ نہ پردیس سے آئے ہوئے لوگوں کو یہ پتہ چل سکتا ہے کہ مدینہ کے لوگوں کا اخلاق کیا ہے۔

مدینہ منورہ کے فضائل

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ یا اللہ آپ کے محبوب ترین شہر سے نکلا ہوں اب مجھے اپنے سب سے پسندیدہ شہر لے چلیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اپنے فضل وکرم سے آپ کو مدینہ منورہ لے آئے۔ پس مدینہ منورہ اللہ تعالیٰ کا سب سے پسندیدہ شہر ٹھہرا۔ اسی وجہ سے فتح مکہ کے بعد بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی باقی زندگی مدینہ منورہ میں ہی گزارنا پسند فرمائی۔ یاد رہے کہ سب شہر تلوار کے زور سے فتح ہوئے لیکن مدینہ منورہ ایک ایسا شہر ہے جو قرآن پاک کی تعلیمات سے سر ہوا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر سے واپس مدینہ آتے تو شہر کے قریب پہنچتے ہی مدینہ کے اشتیاق کی وجہ سے سواری کو تیز کر دیتے اور اپنے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھا دیتے تاکہ مدینہ منورہ کی ہوا سے لطف اندوز ہو سکیں۔ اگر راستے میں گرد وغبار بھی ہو تو چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھاتے کیونکہ مدینہ کی خاک میں بھی شفا کی تاثیر ہے۔ اسی وجہ سے اس شہر کو مدینۃ الشفاء بھی کہتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہنے والوں کو تلقین فرمائی کہ مدینہ منورہ میں ہی موت کی دعا کیا کریں۔ آپ نے فرمایا جس کو مدینہ منورہ میں موت آئے گی میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔

بزرگ علماء کا کہنا ہے کہ جو فرمانبردار ہوں گے آپ ان کی گواہی دیں گے اور گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ امام مالکؒ صرف ایک بار حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔ باقی سب زندگی اس آس پر مدینہ منورہ میں گزاری کہ یہاں ہی موت نصیب ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی یا اللہ ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے تیرے دوست اور تیرے نبی تھے۔انھوں نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی۔ میں بھی تیرا بندہ اور رسول ہوں۔ میں وہی دعا مدینہ منورہ کے لیے کرتا ہوں۔اے اللہ مدینہ والوں کو مکہ والوں کی نسبت دوگنی برکت عطا فرما اور ان کے مدوصاع (ناپ وتول کے پیمانے) میں بھی برکت عطا فرما۔(بخاری)

مدینہ منورہ ہر شخص کو اس کے گناہوں کو دور کرنے یں ایسے ہی مدد دیتا ہے جیسے بھٹی چاندی کو صاف وشفاف کرتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ناشتے میں مدینہ منورہ کی سات عدد عجوہ کھجوریں کھائے تو اس پر اُس دن کسی زہر یا جادو کا اثر نہیں ہوتا۔(یہ روایت ضعیف ہے)

مسجد نبوی شریف اور مسجد قبا جن کی بنیاد خالصتاً تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی پر ہے مدینہ منورہ میں ہی ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منبر قیامت کے دن جنت میں داخلے کے لیے سیڑھی ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر اور آپ کے روضہ مبارک کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔دجال مدینہ منورہ کے حرم کی حدود میں داخل نہیں ہوسکے گا۔(بخاری)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ والوں کی عزت کرو کیونکہ میں نے نہ صرف مدینہ منورہ کے لیے ہجرت کی بلکہ میری قبر بھی مدینہ منورہ میں ہوگی اور میں قیامت کے دن مدینہ منورہ سے ہی اٹھوں گا۔پس اہل مدینہ کے حقوق کا خاص خیال رکھو کیو کہ وہ میرے پڑوسی ہیں۔تم پر واجب ہے کہ میرے پڑوسیوں کی غلطیوں اور لغزشوں کو نظر انداز کرو۔اگر کوئی شخص میرے پڑوسیوں کو عزت کی نظر سے دیکھے گا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مدینہ منورہ میں رکھے اور قبولیت کے ساتھ یہاں سے ہی اپنے پاس بلا لے۔آمین۔

مدینہ منورہ کے قدیم یہودی قبائل

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور وہ تورات سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور قرآنی ہدایت کے بارے میں واضح طور پر جانتے تھے۔ یہاں تک کہ وقت اور مقام کا تعین بھی کر دیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے یہودی قبیلے شام سے نقل مکانی کر کے مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں آباد ہو گئے تھے۔

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخر الزمان اور قرآن) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے"۔

(سورۂ البقرہ، آیت ۱۴۶)

ان قبائل کی دلی خواہش تھی کہ وہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد سے اپنے سب دشمنوں کو زیر کر لیں گے۔ یہ بات فخریہ طور پر علی الاعلان کہتے تھے۔

"اور جب خدا کے ہاں سے اُن کے پاس کتاب آئی جو اُن کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب اُن کے پاس آ پہنچی تو اُس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر خدا کی لعنت"۔ (سورۂ البقرہ، آیت ۸۹)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کی تو یہودی قبائل

نے جاننے پہچاننے کے باوجود آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اس کی ایک دلیل یہ پیش کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جبکہ یہودیوں کے سب نبی اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدمزگی پیدا کرنے کے بجائے ان قبائل سے ایک باہمی سمجھوتہ کر لیا تا کہ سب گروہ سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بہت بڑی دور اندیشی تھی۔ Live and let live والی پالیسی تھی۔ یعنی خود سکون سے زندگی بسر کریں اور دوسروں کو بھی سکون سے زندگی بسر کرنے دیں۔ اس سمجھوتے کی چند شرائط مندرجہ ذیل تھیں:

۱۔ یہودی مسلمانوں کے خلاف نہ لڑیں گے۔

۲۔ اگر کوئی مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو یہودی اس کی مدد نہ کریں گے۔

۳۔ اگر کوئی گروپ یہودیوں پر حملہ کرے گا تو مسلمان یہودیوں کی مدد کریں گے۔

مدینہ منورہ کی ننھی منھی اسلامی ریاست کا یہ پہلا اور بہت اہم تاریخی سمجھوتہ تھا۔

مذکورہ بالا یہودی قبائل مدینہ منورہ سے تقریباً ڈھائی میل جنوب کی طرف آباد تھے۔ یہ بہت امیر تھے اور ان کے بڑے بڑے باغات تھے۔ ان کے نہ صرف رہائش کے لیے عالی شان مکان ہوتے تھے بلکہ انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے نہایت مضبوط قلعے بھی تعمیر کیے ہوئے تھے۔ اُن کے محلات وقلعوں کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔

کھنڈرات تک پہنچنے کا راستہ

آپ مسجد نبوی سے قربان روڈ (جو کہ امیر عبدالمحسن روڈ بھی کہلاتی ہے) پر جنوب کی طرف جائیے۔ پہلی ٹریفک لائٹ کی دائیں طرف جمعہ مسجد ہے۔ قربان روڈ پر آگے

بڑھیئے۔ دوسری ٹریفک لائٹ پر الہجرہ روڈ ہے جو کہ مسجد قباء کی طرف لے جاتی ہے۔ آپ اس لائٹ پر بھی آگے بڑھ جایئے حتیٰ کہ قربان روڈ پر تیسری ٹریفک لائٹ آ جائے۔ یہ مدینہ منورہ کی وسطی دوری روڈ ہے۔ اگر آپ اس ٹریفک لائٹ پر دائیں کو مڑیں گے تو آپ کے گردونواح میں یہودی قبیلہ بنونضیر کے کھنڈرات نظر آئیں گے۔

اگر آپ تیسرے ٹریفک لائٹ پر اور آگے بڑھیں یعنی قربان روڈ پر اور جنوب میں جائیں تو آپ مدینہ منورہ کی دوسری دوری روڈ پر پہنچ جائیں گے۔ آپ دوسری روڈ کے باہر کی طرف نظر دوڑائیں تو ایک سیاہ پہاڑ نظر آئے گا اس کا نام بنوقریظہ پہاڑ ہے۔ یہیں پر یہودی قبیلہ بنوقریظہ آباد تھا۔ دراصل مستشفیٰ وطنی اور بنوقریظہ پہاڑ کے درمیانی حصہ میں اس قبیلہ کے باغات اور بستیاں تھیں اور قلعہ اس پہاڑ کے قریب تھا۔ اب میں ان دو قبیلوں کے حالات باری باری لکھوں گا۔

بنونضیر

بنونضیر کا سردار کعب بن اشرف تھا۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں کیخلاف مشرکوں کو اکسانے اور ان کی مدد کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ مثلاً ایک بار کعب بن اشرف چالیس افراد کے ہمراہ ایک وفد کی صورت میں مشرکین مکہ کے پاس پہنچا اور ان کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ مشرکین نے کعب بن اشرف سے پوچھا کہ اس کی نظر میں ہمارا مذہب اچھا ہے یا کہ مسلمانوں کا مذہب۔ کعب بن اشرف گو اہل کتاب تھا لیکن دنیاوی مفاد کے پیش نظر مذہب کو بھی بیچ دیا۔ اس نے مشرکوں سے کہا کہ یقیناً ان کا مذہب مسلمانوں سے بہتر ہے۔

"بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ
بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ

مومنوں کی نسبت سیدھے رستے پر ہیں"۔ (سورۃ النساء، آیت ۵۱)

ایسی بات چیت کے بعد دونوں فریقوں میں یہ معاہدہ طے ہوا کہ وہ مل کر مسلمانوں سے لڑائی کریں گے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس معاہدے سے مطلع فرمایا۔ کعب بن اشرف کی خیانت آشکار ہوگئی۔ یہ مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی معاہدہ کی سراسر خلاف ورزی تھی۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ کعب بن اشرف کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے یہ کام سرانجام دیا۔

بنونضیر کی دوسری حرکت اس سے بھی زیادہ معیوب اور غیر مہذب تھی۔ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنونضیر کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس قبیلے نے آپ کو قتل کرنے کا یہ سنہری موقع سمجھا۔ پس آپ کو ایک دیوار کے سائے میں بٹھایا اور ان کی سازش کے مطابق دیوار سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپ کو ہلاک کرنا مقصود تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس ذلیل سازش سے مطلع فرمایا۔ آپ فی الفور اُٹھ کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنونضیر کو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ تم نے باہمی سمجھوتے کی کھلی خلاف ورزی کی ہے۔ پس میں تم کو دس دن کی مہلت دیتا ہوں کہ اس علاقہ سے نکل کر کہیں اور چلے جاؤ۔

منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے بنونضیر کو تھپکی دی اور کہا تم اپنے گھروں میں لوٹ جاؤ اور کسی دوسری جگہ کوچ کرنے کا ارادہ ترک کر دو۔ میں اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ تمھاری مدد کروں گا۔ یہ سنتے ہی بنونضیر نے نقل مکانی کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے مضبوط قلعے میں بیٹھ گئے۔ مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ بنونضیر نے قلعے کے اندر

سے مسلمانوں پر خوب تیر برسائے۔
مسلمانوں نے ان کے قیمتی باغات کے درختوں کو کاٹنا اور جلانا شروع کر دیا۔
منافقین کا ایک شخص بھی بنونضیر کی مدد کو نہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کا رویہ بیان فرمایا ہے:

"(منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں۔ مجھ کو تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے"۔ (الحشر ۱۶)

اللہ کی مدد

اس دوران اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور وہ شہر بدر ہونے کو تیار ہو گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی اُن سے یہ رعایت کی کہ جو کچھ ساتھ لے جا سکتے ہو لے جاؤ۔ کوئی روک ٹوک نہ ہو گی۔ بنونضیر ہر طرح کا گھریلو سامان اور دروازے اور کھڑکیاں تک ساتھ لے گئے تاکہ اُن کی دنیاوی حرص پوری ہو۔ بنو نضیر کی بربادی کا نقشہ سورۂ حشر میں دیا ہے:

"وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو حشرِ اول کے وقت اُن کے گھروں سے نکال دیا۔ تمھارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اُن کے قلعے اُن کو خدا (کے عذاب) سے بچا لیں گے۔ مگر خدا نے اُن کو وہاں سے آلیا جہاں سے اُن کو گمان بھی نہ تھا اور اُن کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اُجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو عبرت پکڑو"۔

(سورۂ الحشر، آیت ۲)

ضروری نکات

۱۔ جب بنونضیر نے بار بار باہمی سمجھوتہ کی خلاف ورزی کی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سب کو قتل کرنے کا حکم صادر نہ فرمایا۔ بلکہ صرف دوسرے علاقے میں نقل مکانی کا حکم دیا تاکہ انکی روزمرہ کی شرارتوں سے نجات حاصل کرسکیں۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو دس دن کی مہلت دی تاکہ وہ بخوبی اس سفر کی تیاری کرسکیں۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے یہ بھی رعایت کی کہ اپنے ساتھ ہر طرح کا سازوسامان لے جاسکتے ہیں۔ کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہوگی۔

۴۔ مسلمانوں نے بنونضیر کو تنگ کرنے کے لیے چند درخت کاٹے اور چند ہی جلائے تاکہ بنونضیر مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیں۔ البتہ مسلمانوں نے قلعے کو آگ نہ لگائی۔ بخلاف اس کے آج کل کی مہذب قومیں قلعوں اور گھروں کو آگ لگا دیتی ہیں یا بھاری مشنری سے مسمار کرتی ہیں جس سے جانی نقصان بھی ہوتا ہے۔

ان نکات سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہو جاتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانی حقوق کا کیسے اور کتنا خیال کرتے تھے۔ ظاہر ہے یہ آج کل کی مہذب قوموں کے حقوق انسانی کے تحفظ سے بالکل مختلف ہے۔

بنوقریظہ

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ بنونضیر کے سردار کعب بن اشرف نے مکہ مکرمہ کے مشرکوں سے مسلمانوں کے خلاف سازش کی۔ پھر بنونضیر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بڑے پتھر سے ہلاک کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی سمجھوتہ کی کھلی خلاف ورزیاں کیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر انھیں شہر بدر ہونا پڑا۔ کچھ

شام چلے گئے اور کچھ خیبر میں منتقل ہو گئے لیکن اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے۔

مثلاً بنو نضیر کا اک وفد پہلے مکہ پہنچا اور قریش مکہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ پھر بنو غطفان کو ساتھ ملایا اور اس کے بعد یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ احزاب میں مدد کرنے کی حامی بھر لی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا بہت صدمہ ہوا کیونکہ عین ممکن تھا کہ بنو قریظہ مسلمان عورتوں اور بچوں پر حملہ کر دیں جبکہ مسلمان مرد باہر جنگ میں مشغول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ جب دشمن تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے تم پر وارد ہو گئے۔ اوپر سے مراد بنو قریظہ اور نیچے سے مراد باقی احزاب ہیں۔

"جب وہ تمھارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اِن مشکل حالات میں بھی اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور مسلمان فتح یاب ہوئے"۔

غزوہ بنو قریظہ

جیسا کہ بخاری شریف میں درج ہے عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ احزاب کے بعد ابھی گھر پہنچے ہی تھے اور غسل سے فارغ ہوئے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا آپ نے جنگی لباس اتار دیا ہے جبکہ ہم (یعنی فرشتے) ابھی تک جنگی لباس میں ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ آیئے تا کہ ہم بنو قریظہ کو ان کی خیانت کی سزا دیں۔

شاید یہ بات قابل ذکر ہو کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کی جگہ مسجد نبوی کی مشرقی دیوار میں ایک کھڑکی ہے جس پر مندرجہ ذیل آیت لکھی ہے:

(ترجمہ) "خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو تم بھی اُن

پر درود و سلام بھیجا کرو"۔ (سورۂ الاحزاب، آیت ۵۶)

یاد رہے کہ مسجد نبوی کی مختلف توسیعات کے ساتھ مشرقی دیوار اور یہ کھڑکی قدرے مشرق کی جانب بڑھا دی گئی ہیں۔

بہر حال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ سب مسلمان عصر کی نماز سے قبل بنو قریظہ کے علاقہ میں پہنچ جائیں۔ تھکے ماندے صحابہ نے لبیک کہتے ہوئے بنو قریظہ کے قلعے کا محاصرہ کرلیا جو کہ پچیس دن جاری رہا۔

سردار کی تقریر

بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے اپنے قبیلے کو مندرجہ ذیل تین تجاویز پیش کیں۔ اس نے کہا کہ سب سے اول بات یہ ہے کہ اگر تم ٹھنڈے دل سے سوچو تو تمھارے دل اس بات کی تصدیق کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراطِ مستقیم پر ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ تورات میں مذکور ہے۔ اگر تم یہ بات مان لو تو تمھاری جانیں اور مال بچ جائیں گے اور تم دنیا اور آخرت میں فلاح پاؤ گے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تم خود ہی اپنے بیوی بچوں کو قتل کرو اور پھر پورے زور سے مسلمانوں کا مقابلہ کرو۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر بروز ہفتہ (یوم السبت) حملہ کر دو۔ کیونکہ مسلمانوں کے خیال کے مطابق ہم بروز ہفتہ لڑائی نہیں کرتے اس طرح اچانک حملہ سے مسلمانوں کو شکست دینے کی کوشش کرو۔

یہودیوں نے اپنے سردار سے کہا کہ پہلی تجویز نامنظور ہے کیونکہ ہم توریت کے علاوہ کسی اور کتاب کی اتباع کرنے کے لیے راضی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے بیوی بچوں کا کیا قصور ہے ہم اُن کو ناحق کیوں قتل کریں۔ اس لیے دوسری تجویز بھی رد کرتے ہیں۔ تیسری تجویز ہمارے مذہب اور توریت کے خلاف ہے اس لیے بھی یہ منظور نہیں۔

اللہ کی مدد

اس دوران اللہ تعالیٰ نے اس مغرور قبیلہ کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا:

"اور اہلِ کتاب میں سے جنھوں نے اُن کی مدد کی تھی اُن کو اُن کے قلعوں سے اُتار دیا۔ اور اُن کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو کتنوں کو تم قتل کر دیتے تھے اور کتنوں کو قید کر لیتے تھے اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے مال کا اور اُس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہیں رکھا تھا تم کو وارث بنا دیا"۔ (سورۃ الاحزاب، آیت ۲۶۔۲۷)

اس ڈر کے زیرِ اثر انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ غور فرمائیے کہ اُوپر کی دو آیات میں نہ صرف اللہ نے اپنی مدد کی یاد دہانی کرائی بلکہ مسلمانوں کو آئندہ فتوحات کی خوشخبری بھی دے دی۔ (سبحان اللہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کو بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کی اجازت دی۔ یہود ہمیشہ بہت چالاک ہوتے ہیں۔ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ کی جگہ حضرت ابولبابہؓ کو مقرر فرما دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منظوری دے دی۔ یہودیوں کو حضرت ابوالبابہؓ سے زیادہ ہمدردی کی توقع تھی کیونکہ حضرت ابوالبابہ کی کچھ جائیدادان کے علاقے میں تھی۔

جب حضرت ابوالبابہؓ بنو قریظہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے حضرت ابوالبابہؓ سے یہ سوال کیا کہ اگر ہم قلعہ سے باہر آ جائیں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ حضرت ابوالبابہؓ نے اپنی انگلی اپنی گردن پر رکھی یعنی کہ وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ اس عمل کے فوراً بعد حضرت ابوالبابہؓ کو احساس ہوا کہ یہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز تھا جو میں نے فاش کر دیا۔ اس شرمندگی کے باعث حضرت ابوالبابہؓ مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور یہ عہد کے تا کہ جب تک میری توبہ قبول نہیں ہوتی اسی حالت میں رہوں گا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ اگر پہلے ہی سیدھا میرے پاس آ جاتا تو میں

اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتا۔ اب پورا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت ابولبابہؓ اس طرح سات دن اور سات رات بندھے رہے۔ سوائے نماز اور رفع حاجت کے لیے عارضی طور پر ستون سے علیحدہ ہوتے۔ سات دن کے بعد آپ کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ ستون ابھی بھی مسجد نبوی میں موجود ہے۔ اس پر استوانہ ابولبابہ لکھا ہوا ہے۔ یہ واقعہ الانفال میں درج ہے:

"اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو اور جان رکھو کہ تمھارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ خدا کے پاس (نیکیوں) کا بڑا ثواب ہے"۔ (سورۂ الانفال، آیت ۲۷-۲۸)

بالآخر حضرت سعد بن معاذؓ نے بنو قریظہ کے بارے میں اپنا فیصلہ دیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔

بنو قریظہ اپنی عہد شکنیوں اور خیانت کے باعث اس کے مستحق تھے کیونکہ وہ ہر وقت مسلمانوں کے دشمنوں سے ریشہ دوانیاں کرتے اور اُن کی ہر طرح مدد کرتے تھے۔

اس غزوہ سے مسلمانوں کو بہت قیمتی مال غنیمت ہاتھ آیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مال غنیمت غزوہ کے شرکاء میں تقسیم کر دیا۔

مدینہ منورہ کے گرد و جوار میں اور بھی یہودی قبیلے تھے۔ جن کا چال چلن ان قبیلوں سے مختلف نہ تھا لیکن مثال کے طور پر صرف دو کا ذکر کافی ہے۔

تاریخ مدینہ اور علامہ شبلی نعمانی

مدینہ مدتوں سے آباد ہے۔ بہت قدیم زمانہ میں یہودی یہاں آ کر آباد ہوئے۔ ان کی نسلیں کثرت سے پھیلیں اور مدینہ کے اطراف ان کے قبضے میں آ گئے۔ انھوں نے مدینہ اور اس کے اردگرد میں چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے تھے اور ان میں سکونت رکھتے تھے۔

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو 'سیل عرم' کہتے ہیں یہ لوگ یمن سے نقل مکانی کر کے مدینہ میں آ کر آباد ہوئے۔ یہ دو بھائی تھے۔ اوس اور خزرج تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہیں۔ یہ خاندان جب یثرب میں آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ آس پاس کے مقامات ان کے قبضے میں تھے۔ اور دولت سے مالا مال تھے۔ چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے اس لیے دور دور تک بستیاں بسالی تھیں۔ انصار کچھ زمانہ تک ان سے الگ رہے لیکن ان کا زور اور اثر دیکھ کر بالآخر ان کے حلیف بن گئے۔ ایک مدت تک یہ حالت قائم رہی لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا تھا اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا۔ یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ لیا۔

یہودیوں میں ایک رئیس ''فطیون'' پیدا ہوا جو نہایت عیاش و بدکار تھا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے پہلے اس کے شبستان عیش میں آئے۔ یہود نے اس کو گوارا کر لیا تھا لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انھوں نے سرتابی کی۔ اس زمانے میں انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن

گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک بن عجلان کو غیرت آئی اٹھ کر گھر میں آیا اور بہن کو سخت ملامت کی۔ اس نے کہا ہاں لیکن کل جو ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ دوسرے دن جب حسبِ دستور مالک کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانہ کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کر کے شام کی طرف بھاگ گیا۔ یہاں غشانیوں کی حکومت تھی اور ابو جبلہ حکمران تھا۔ اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوج گراں لے کر آیا اور اوس وخزرج کے روساء کو بلا کر ان کو خلعت اور صلے دیئے۔ پھر روسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے بلا کر قتل کر دیا۔ یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی۔

انصار نے مدینہ اور حوالی مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے اوس اور حزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں۔ اور سخت خونریز لڑایاں ہوئیں۔ سب سے آخری لڑائی جس کو بعاف کہتے ہیں بڑے زور کا معرکہ ہوا کہ دونوں خاندان کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے۔ انصار اب اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ انھوں نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنا لیجیے لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا۔ انصار گرچہ بت پرست تھے لیکن یہود سے میل جول رکھتے تھے اس لیے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے۔ یہود سے گو انصار ایک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن ان کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ یہود نے مدینہ میں جو علمی مدارس قائم کیے تھے جن کو بیت المدارس کہا جاتا تھا۔ (حوالہ ''صحیح بخاری'' جلد۲، ص۱۰۲۷، ''کتاب لا اکراہ باقی بیع المکرہ ونحوہ فی الحق)

ان میں تورات کی تعلیم ہوتی تھی۔ انصار جاہل تھے اس لیے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خوامخواہ اثر پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ انصار یں سے جس کے اولاد زندہ نہیں رہتی تھی وہ

منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنا دیا جائے گا۔ یہودی عموماً یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی اور آنے والا ہے۔ اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موعود کے نام سے آشنا تھے۔

انصار میں ایک شخص ''سوید بن صامت'' جو شاعری اور جنگ آوری میں ممتاز تھا اس کو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آ گیا تھا۔ جس کو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا۔ وہ ایک دفعہ حج کو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حالات سنے۔ اس نے امثال لقمان پڑھ کر سنایا۔ سرکار دو عالم نے فرمایا میرے پاس اس سے بھی زیادہ بہتر چیز موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قرآن پڑھ کر سنایا۔ سوید نے تحسین کی۔ (حوالہ: البدایہ و النہایہ، ابن کثیر، اصابہ وغیرہ)

اگرچہ وہ واپس مدینہ آ کر جنگ بعاث میں مارا گیا لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا لہٰذا اس کے مشرف بہ اسلام ہونے کا گہرا اثر انصار پر پڑ چکا تھا۔

شبلی نعمانی، سیرت النبی جلد اول میں فرماتے ہیں:

''سوید شجاعت اور شاعری دونوں میں کمال رکھتا تھا۔ ایسے شخص کو اہلِ عرب کامل کہتے تھے اور اسی بنا پر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا۔ سوید کے میلانِ اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا۔ اوس اور خزرج کے معرکوں میں اوس کو جب شکست ہوئی تو اوس کے عمائد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ میں اُن کو حلیف بنائیں۔ اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن لوگوں کا آنا معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ ایاس نے ساتھیوں سے کہا کہ خدا کی قسم تم جس غرض کے لیے آئے ہو یہ کام

اس سے بھی بہتر ہے لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالحسیس نے کنکریاں اٹھا کر اُن کے منہ پر ماریں اور کہا کہ ہم اس کام کے لیے نہیں آئے۔ اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آ گیا اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں روسائے قبائل کے پاس جا کر تبلیغِ اسلام فرماتے تھے۔ اس سال (رجب ۱۰ نبوی) میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد العقبہ ہے خزرج کے چند اشخاص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نام ونسب پوچھا۔ انھوں نے کہا خزرج۔ آپ نے دعوتِ اسلام دی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا، ''دیکھو یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں'' یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ یہ چھ شخص تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابوالہیثمؓ بن تیہان

۲۔ ابوامامہ اسعدؓ بن زرارہ

(صحابہ میں سب سے پہلے ان ہی نے ۱ ہجری میں وفات پائی)

۳۔ عوف بن حارثؓ (بدر میں شہادت پائی)

۴۔ رافع بن مالک بن عجلانؓ (اس وقت تک جس قدر قرآن اتر چکا تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو عنایت فرمایا۔ جنگ اُحد میں شہید ہوئے)

۵۔ قطبہ بنؓ عامر بن حدیدہ (تینوں عقبات میں شریک رہے)

۶۔ جابر بن عبداللہؓ بن ریاب (یہ مشہور صحابی حضرت جابر بنؓ عبداللہ ابن عمرو کے علاوہ تھے۔ بدر وغیرہ میں شریک تھے۔

دوسرے سال بارہ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی۔ اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکامِ اسلام کے سکھانے کے لیے کوئی معلم ان کے ساتھ کردیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ مصعبؓ ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور یقینِ اسلام میں سے تھے۔ غزوۂ بدر میں لشکرِ اسلام کی علم برداری کا منصب انھی کو ملا تھا۔ وہ مدینہ میں آکر اسعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کا نہایت معزز رئیس تھے۔ روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے۔ روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔ رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ صرف خطمۃ دائل واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے۔ ابن سعد نے طبقات میں یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔

قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ تھے۔ قبیلہ پر ان کا یہ اثر تھا کہ ہر کام میں اُن کے اشاروں پر چلتے تھے۔ مصعبؓ نے جب اُن کے پاس جاکر اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے پہلے نفرت ظاہر کی لیکن جب مصعبؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں تو پھر موم تھا۔ ان کا اسلام لانا تمام قبیلۂ اوس کا

اسلام قبول کر لیناتھا۔

اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانہ میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے (جو بت پرست تھے) چھپ کر بہ مقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ بھی جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انھوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا اگر وہ خزرج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں دشمنوں کے مقابلے میں ہم ہمیشہ اُن کے سینہ سپر رہے۔ اب وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک اُن کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ حضرت براءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثمؓ نے بات کاٹ کر کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے اور یہود سے تعلقات ہیں بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا "نہیں تمھارا خون میرا خون ہے، تم میرے اور میں تمھارا ہوں"۔ آپ نے اس گروہ میں سے بارہ شخص نقیب انتخاب کیے جن کے نام خود انصار نے پیش کیے تھے۔ ان میں نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے۔ ان کے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسید بنؓ حضیر (جنگِ بعاث میں انہی کے باپ دس کے سردار تھے)

۲۔ ابوالہیثم بنؓ تمیان

۳۔ سعدؓ خیثمہ (جنگ بدر میں شہید ہوئے)

۴۔ اسعد بنؓ زرارہ (ان کا ذکر اوپر گزر چکا ہے یہ امامِ نماز تھے)

۵۔ سعد بنؓ الربیع (جنگِ اُحد میں شہید ہوئے)

۶۔ عبداللہ بنؓ رواہ (مشہور شاعر تھے، جنگِ موتہ میں شہید ہوئے)

۷۔ سعد بنؓ عبادۃ (معزز اور مشہور صحابی تھے، سقیفہ بنی ساعدہ میں ان ہی نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا)

۸۔ منذر بنؓ عمرو (بیر معونہ میں شہید ہوئے)

۹۔ براء بنؓ معرور (بیعتِ عقبہ میں انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے)

۱۰۔ عبداللہ بنؓ عمرو (جنگ اُحد میں شہید ہوئے)

۱۱۔ عبادہ بنؓ الصامت (مشہور صحابی تھے، ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں)

۱۲۔ رافع بنؓ مالک (جنگ احد میں شہید ہوئے)

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں: شرک چوری، زنا، قتلِ اولاد اور افتراء کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے جو اچھی بات کہیں گے اس سے سرتابی کریں گے۔

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعدؓ بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا ’بھائیو! یہ بھی خبر ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم اور جن وانس سے اعلانِ جنگ ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔

بارہ شخص جو نقیب انتخاب کیے گئے رئیس القبائل تھے۔ ان کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا۔ صبح کو اس بیعت کی اڑتی سی خبر پھیلی۔ قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی۔ انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے اُن کو اس بیعت کی خبر نہ تھی۔ انھوں نے تکذیب کی کہ ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا۔

مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اکثر اصحابؓ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؑ رہ گئے جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے۔ یہ آیت اسی کی شان میں ہے:

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا

"کمزور مرد، عورتیں اور بچے جو یہ کہتے ہیں کہ اے خدا ہم کو اس شہر سے نکال کہ یہاں کے لوگ ظالم ہیں"۔ (نساء۱۰)

سلہ ھ
ہجرت

اس وقت جبکہ دعوتِ حق کے جواب میں ہر طرف سے تلوار کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں۔ حافظِ عالم نے مسلمانوں کو دار الامان مدینہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا لیکن خود وجودِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ان ستم

گاروں کا حقیقی ہدف تھا اپنے لیے حکم خدا کا منتظر تھا۔ مکہ کے باہر اطراف میں جو صاحبِ اثر مسلمان ہو چکے تھے وہ جان نثارانہ آپ کی حفاظت کے لیے تیار تھے۔ قبیلۂ اوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا اس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں ہجرت کر آئیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا۔ اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی بعد کو اس نے کہا کہ وہ اپنے اہلِ قبیلہ کو مطلع کر کے آئندہ سال آئے گا لیکن کارساز قضا وقدر نے یہ شرف صرف انصار کے لیے مخصوص کیا تھا۔ چنانچہ قبل ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ دارالجرۃ ایک پر باغ وبہار مقام ہے خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شمر ہو گا لیکن وہ شمر مدینہ نکلا۔

نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحیِ الٰہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ یہ داستان نہایت پر اثر ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے اور حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو اس وقت سات آٹھ برس کی تھیں لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ انہی سے سن کر کہا ہو گا اور ابتدائے واقعہ میں وہ خود بھی موجود تھیں۔

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انھوں نے دارالندوہ میں جو دار الشوریٰ تھا اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے روسا یعنی عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم،

نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعۃ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوجہل، منبیہ، ومنبہ، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب شریک تھے لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا محمد کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے، دوسرے نے کہا جلاوطن کر دینا کافی ہے، ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے اُن کا خاتمہ کر دے۔ اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس اخیر رائے پر اتفاق ہو گیا اور جھٹ پٹے سے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ عرب زنانہ کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی تاہم آپؐ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بسترِ خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتحِ خیبر کے لیے قتل گاہ فرشِ گل تھا۔

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے۔ دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔ بولے کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ (اس وقت حضرت عائشہ سے شادی ہو چکی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا میرا باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہو کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟ ارشاد ہوا ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند فرمائیں۔ محسنِ عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ ارشاد ہوا "اچھا مگر بہ قیمت۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت کمسن تھیں۔ اُن کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ نے جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ماں تھیں سفر کا سامان کیا۔ دو تین دن کا کھانا، ناشتہ دان میں رکھا۔ نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک اُن کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے اُن کو بے خبر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اُن کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا مکہ تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے'۔ حضر ابو بکرؓ سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے جبلِ ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہِ خلائق ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے سب کو غار میں ساتھ سوتے صبح منہ اندھیرا شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے۔ حضرت ابو بکرؓ کا غلام رات گئے بکریاں چرا کر لاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اُن کا دودھ پی لیتے تھے۔ تین دن تک صرف یہی غذا تھی لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماء گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں۔ اسی طرح تین راتیں غار میں گزریں۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے حضرت علیؑ تھے۔ ظالموں نے آپؑ کو پکڑ کر اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے وہاں تک گئے۔ آہٹ پا کر حضرت ابو بکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اب دشمن اس قدر قریب آ گئے کہ اگر اپنے قدم پر اُن کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ آپ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ)

"گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے"

مشہور ہے کہ جب کفار غار کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا دفعتاً ببول کا درخت اُگا اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھپا لیا۔ ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلا بنا کر انڈے دیئے۔ حرم کے کبوتر انھی کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ اس روایت کو مواہب لدینہ میں تفصیل سے نقل کیا ہے اور زرقانی نے نراز وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہیں لیکن یہ تمام روایتیں غلط ہیں۔ اس روایت کا اصلی راوی عون بن عمرو ہے۔ اس کی نسبت امامِ فن رجال یحییٰ بن معین کا قول ہے لا شئی یعنی ہیچ ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے۔ اس روایت کا ایک اور راوی ابو مصعبؔ کی ہے اور مجہول الحال ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں عون بن عمرو کے حال میں یہ تمام اقوال نقل کیے ہیں اور خود اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

بحر حال چوتھے دن آپ غار سے نکلے۔ عبداللہ بن اریقطہ ایک کافر جس پر اعتماد تھا رہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کر لیا گیا۔ وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک رات دن برابر چلے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ میں آرام فرمالیں۔ چاروں طرف نظر ڈالی، ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اتر کر زمین جھاڑی پھر اپنی چادر بچھادی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آرام فرمایا تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا اس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد وغبار سے صاف کر دے۔ پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا۔ برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے۔ دودھ لے کر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا۔ آپ نے پی کر فرمایا کہ کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟ آفتاب اب ڈھل چکا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے۔

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک خونبہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا۔ سُراقہ بن جعشم نے سنا تو انعام کی امید میں نکلا۔ عین اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہو رہے تھے۔ اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آ گیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ جواب میں نہیں نکلا لیکن سو اونٹوں کا گرانبہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا۔ اب کی گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر فال دیکھی۔ اب بھی وہی جواب تھا لیکن مکرر تجربہ نے اس کی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ دیا۔

حسنِ اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں چند بیش قیمت کپڑے پیش کیے جو اس بے سروسامانی میں غنیمت تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں اس مقدس سفر کی تمام منزلیں گنائی ہیں۔ اگرچہ

عرب کے نقشوں میں آج ان کا نشان نہیں ملتا تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذت یاب ہو سکتے ہیں۔خرار، ثنیۃ المرۃ، لقف، مدلجہ، مرجح، حدائد، اذاخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستے میں آتا ہے ہے۔ یہاں آپ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذاسلم، عثانیۃ قاصہ، عرج، جدوات، رکوتبہ، عقیق، ججاثۃ۔

تشریف آوری کی خبر مدینہ میں پہلے پہنچ چکی تھی۔تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار میں تھا) معصوم بچے فخر اور جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرہے ہیں۔لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے جاتے۔ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ اہل عرب لوتم جس کا انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا۔تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔انصار ہتھیار سج سج کر بیتابانہ گھروں سے نکل آئے۔

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے۔اس کو عالیہ اور قباء کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا اور کلثومؓ بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں پہنچے تو تمام خاندان نے جوش مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ یہ فخر ان کی قسمت میں تھا کہ میزبان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی کی مہمانی قبول کی۔انصار ہر طرف سے جوق جوق آتے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے۔

اکثر اکابر صحابہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے مدینہ میں آ چکے تھے وہ بھی ان ہی کے گھر میں اترے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ،

مقدادؓ، جنابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبداللہؓ، ابن مخرمہؓ، وہبؓ بن سعد، معمر بن ابی سرحؓ، عمیرؓ بن عوف، ابتک انہی کے مہمان تھے۔

جناب امیرؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے وہ بھی آ گئے اور یہیں ٹھہرے۔ تمام مورخین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں صرف چار دن قیام فرمایا لیکن صحیح بخاری میں چودہ دن ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔

یہاں اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا۔ حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ یہیں دستِ مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی، یہی مسجد ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبہ ۱۳)

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور خدا صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی کام کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا۔ عقیدت مند آتے اور عرض کرتے ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوں آپ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے۔ آپ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھالیتے۔

حضرت عبداللہ بنؓ رواحہ شاعر تھے۔ وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک

تھے اور جس طرف مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

افلح من یعالج المساجدًا

و یقرء القرآن قائما و قاعدا

ولا یبیت اللیل عنہ راقدا

"وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے

قرآن پڑھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔

قُباء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داخلہ اسلام کے دور خاص کی ابتداء ہے۔ اس لیے مورخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ آٹھ ربیع الاول ۱۳ نبوی مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء تھی (محمد بن) موسیٰ خوارمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ اور رومی ماہ ایلول ۹۳۳ اسکندری کی دسویں تاریخ تھی۔

مورخین یعقوبی نے ہیئت دانوں سے یہ زائچہ نقل کیا ہے:

آفتاب	برج سرطان میں	۲۳ درجہ ۶ دقیقہ پر
زحل	برج اسد میں	۲ درجہ
مشتری	برج حوت میں	۶ درجہ
زہرہ	برج اسد میں	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد میں	۱۵ درجہ

چودہ دن کے بعد (جمعہ کو) آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ دراہ بنی

سالم کے محلّہ میں نماز کا وقت آ گیا۔ جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی نمازِ جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا۔ لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوشِ مسرت سے پیش قدمی کے لیے دوڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ننھیالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر آئے۔ قبا سے مدینہ تک دورویہ جان نثاروں کی صفیں تھیں۔ راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا حضور! یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آ گیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونیں چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں:

طَلَعَ البدر علینا وَجَبَ الشکر علیْنا

من ثنیاتِ الوداعِ ما دعیٰ للہ واعِ

''چاند نکل آیا ہے، کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمداً من جار

''ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا اچھا ہمسایہ ہے''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟ بولیں ہاں۔ فرمایا کہ میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔

جہاں اب مسجد نبویؐ ہے اس سے متصل حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا گو

کہ نبویؐ یہاں پہنچا۔ سخت کشمکش تھی کہ آپ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوبؓ کے حصہ میں آئی۔

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دومنزلہ تھا انھوں نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زائرین کی آسانی کے لیے نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔ ابوایوبؓ دووقت آپ کی خدمت میں کھانا بھیجتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو چھوڑ دیتے ابوایوبؓ اوران کی زوجہ کے حصہ میں آتا۔ کھانے میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا۔ ابوایوبؓ بھی تبرکاً وہیں انگلیاں ڈالتے۔

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل میں پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ اندیشہ ہوا کہ پانی بہ کر نیچے جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہو۔ گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا حضرت ابوایوبؓ نے اس کو ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات مہینہ تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثنا میں جب مسجد نبویؐ اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نقل مکان فرمایا۔ تفصیل آگے آئی ہے۔

مدینہ میں آکر آپ نے حضرت زیدؓ (اور اپنے غلام ابورافع) کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر بھیجا کہ مکہ جا کر صاحبزادیوں اور حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھا کہ وہ بھی اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر چلے آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش میں تھیں۔

حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا۔ زیدؓ صرف حضرت فاطمہ زہراؑ (اور حضرت ام کلثومؓ) اور حضرت سودہ (زوجۂ محترم نبوی) کو لیکر آئے۔ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ آئیں۔

مسجد نبویؐ اور ازواج مطہراتؓ کے حجروں کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں (یا جہاں موقع ملتا تھا) آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ دولت کدہ کے قریب خاندانِ نجارا کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں تھیں۔ کچھ کھجور کے درخت تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا 'میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں'۔ وہ بولے کہ 'ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ خدا سے'۔ چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی۔ آپ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپ نے گوارا نہیں کیا۔ حضرت ابوایوبؓ نے قیمت ادا کی۔ قبریں اکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر مزدوروں کے لباس میں تھے۔ صحابہؓ پتھر اٹھالاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے:

اَللّٰهُمَّ لَاخُیرُ الأ ٰخِرة فاغفر فاغفرا لا نصار والمهاجرة

''اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے، اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے''

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی یعنی کچی اینٹوں کی دیواریں، برگِ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ فرش چونکہ بالکل خام تھا، بارش میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ صحابہ نماز کے لیے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشستگاہ پر بچھا لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔

مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقّف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا۔ یہ اُن لوگوں کے لیے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

مسجد نبویؐ جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہراتؓ کے لیے مکان بنوائے۔ اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ عقد نکاح میں آ چکی تھیں اس لیے دو ہی حجرے بنے۔ جب اور ازواج آتی گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ جو حجرے اینٹوں کے تھے ان کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں۔ یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواجِ مطہراتؓ گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں۔

یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چھوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے ان میں حضرت سعدؓ بن عبادہ، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت عمارۃؓ بن حزم اور حضرت ابوایوبؓ رئیس اور دولت مند تھے۔ یہ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسر فرماتے تھے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے انتظام کر لیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جس میں کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ کی ماں حضرت ام انسؓ نے اپنی جائداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرما کر اپنی دایہ حضرت ام ایمنؓ کو دے دیا اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا۔

اذان کی ابتداء

اسلام کے تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت و اجتماع ہے۔ اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نمازِ جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ (وقت کا اندازہ کر کے آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں لیکن اس میں زحمت تھی۔ صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا، لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ کسی

نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں اعلانِ نماز کے جو طریقے ہیں وہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کیے گئے لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوتِ اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

صحاحِ ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زیدؓ نے پیش کی تھی جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب میں وارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی اور روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں۔

مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے گو ان میں دولت مند اور خوشحال بھی تھے لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے۔ اس لیے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے۔ اگرچہ مہاجرین کے لے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے تاہم چونکہ بالکل نگھرے تھے اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور اُن میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے۔ جب مسجد کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپ نے انصار کو طلب فرمایا۔ حضرت انسؓ بن مالک کے مکان میں لوگ جمع ہوئے۔ مہاجرینؓ کی تعداد پینتالیس تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا 'یہ تمھارے بھائی ہیں۔ پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی ہو اور اب وہ درحقیقت بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ سعد بن الربیع جو عبدالرحمٰن بن عوف کے بھائی قرار پائے ان کی دو بیویاں تھیں۔ عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجیے۔ لیکن انھوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کیا۔

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے۔ روپے پیسے تو اس زمانہ میں تھے نہیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیے جائیں۔ مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے انکار کیا۔ انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لیں گے جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا۔ مہاجرین نے اس کو منظور کیا۔

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا کوئی انصار مرتا تھا تو اس کی جائیداد اور مال مہاجرین کو ملتا تھا اور بھائی بند محروم رہتے۔ یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ هَاجَرُوۡا وَ جَاهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ

اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَدْا وَّنَصرُ وَاُولٰئکَ بَعْضُھُمْ اَولِیٓاءُ بَعْضٍ (انفال ۱۰)

''جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں''۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اتری:

وَاُولُوا لاَرْحَامِ بُعْضُھُمْ اَوْلیٰ بِبَعْضٍ (انفال ۱۰)

''اربابِ قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں''۔

اس وقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا۔ چنانچہ کتب تفسیر و حدیث میں بہ تصریح مذکور ہے۔ بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے اور ان کی زمین اور نخلستان قبضہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین نادار ہیں اگر تمھاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا ان کو دیئے جائیں اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔ انصار نے عرض کی کہ نہیں ہمارے نخلستان بھائیوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیجیے اور نئے بھی انھی کو عنایت فرمائیے۔

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا۔ حضرت سعدؓ بن الربیع نے جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انھوں نے کہا خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے۔ انھوں نے قنیقاع کا جو مشہور بازار تھا جا کر راستہ بتا دیا۔ انھوں نے کچھ گھی، کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود اُن کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے۔ ان کا اسبابِ تجارت سات سات اونٹوں پر لد کر

آتا تھا اور جس دن مدینہ میں پہنچتا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔

بعض صحابہؓ نے دوکانیں کھول لیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ مقام سخ میں تھا جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ بنوقینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید وفروخت کرتے تھے۔ حضرت عمر بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی اور صحابہؓ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی۔ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر لوگوں نے جب کثرتِ روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ اور صحابہ تو اس قدر روایت نہیں کرتے تو انھوں نے کہا اس میں میرا کیا قصور ہے اور لوگ بازار میں تجارت کرتے تھے اور میں رات دن بارگاہ نبوت میں حاضر رہتا تھا۔

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کر دیے۔ صحیح مسلم باب الجہاد میں ہے:

اِنَّ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لما فرغ من قتال اھل خیبر دانصرف الی المدینۃ رد المھاجرون لی الا نصار منائحھم التی کانوا منحوھم من ثماد ھم

''آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت میں تھے واپس کر دیئے''۔

مہاجرین کے لیے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جو افتادہ زمینیں تھیں ان کو دے دیں اور جن کے پاس زمین نہ تھی

انھوں نے اپنے مکانات دے دیئے۔ سب سے پہلے حضرت حارثہؓ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی۔ بنوزہرہ مسجد نبویؐ کے عقب میں آباد ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے یہاں ایک قلعہ (جس کو گڑھی کہنا زیادہ موزوں ہوگا) بنوایا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عبیدؓ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دیں۔

مواخات کے رشتہ سے جو لوگ آپس میں بھائی بھائی بنے ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں:

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکرؓ	حضرت خارجہؓ بن زید انصاری
حضرت عمرؓ	حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری
حضرت عثمان	حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری
حضرت ابوعبیدہ جراحؓ	حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری
حضرت زبیرؓ بن العوام	حضرت سلامہؓ بن وقش
حضرت مصعبؓ بن عمیر	حضرت ابوایوبؓ انصاری
حضرت عمار بن یاسرؓ	حضرت حذیفہؓ بن یمان
حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت منذرؓ بن عمرو
حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت ابودرداؓ
حضرت بلالؓ	حضرت ابودیحہؓ
حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	حضرت عیاد بن بشرؓ
حضرت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل	حضرت ابی بن کعبؓ

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراضِ اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔

اسلام تہذیبِ اخلاق و تکمیلِ فضائل کی شہنشاہی ہے۔ اس سلطنت الٰہی کے لیے وزراء ارباب تدبیر، سپہ سالارانِ لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں۔ شرفِ صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا اور ان میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درسگاہ تربیت سے اور اربابِ استعداد بھی تربیت پا کر نکلیں۔ اس بنا پر جن لوگوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد و مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لے ضروری ہے۔ تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شانِ نبوت کی خصوصیت میں سے ہے۔

حضرت سعیدؓ بن زید عشرۂ مبشرہ میں ہیں۔ ان کے والد زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ملتِ ابراہیمی کے پیرو ہو چکے تھے اور گویا اسلام کے مقدمۃ الجیش تھے۔ حضرت سعیدؓ نے ان ہی کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی اس لیے اسلام کا نام سننے کے ساتھ انھوں نے لبیک کہا۔ ان کی ماں بھی ان کے ساتھ یا ان سے پہلے اسلام لائیں۔ حضرت عمرؓ اسی کے گھر میں اور ان ہی کی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے۔ علم و فضل کے

لحاظ سے فضلائے صحابہ میں تھے۔ ان کی اخوت حضرت ابیؓ بن کعب سے قائم کی گئی جنھوں نے یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمرؓ ان کو سید المسلمین کہتے تھے۔ بارگاہِ نبوت میں منصبِ انشاء پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوئے۔ فن قرات کے وہ امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔

حضرت ابوحذیفہؓ عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے جو قریش کا رئیسِ اعظم تھا۔ اس مناسبت سے ان کو حضرت عبادؓ بن بشر کا بھائی بنایا گیا جو قبیلہ اشہل کے سردار تھے۔

حضرت ابوعبیدہؓ جراح جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امین الامۃ کا خطاب دیا تھا۔ ایک طرف تو فاتحِ شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے دوسری طرف اسلام کے مقابلہ میں پدری اور فرزندی کے جذبات ان پر کچھ اثر نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں جب اُن کے باپ اُن کے مقابلہ میں آئے تو انھوں نے پہلے حقوقِ العباد کی مراعات کی لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو نثار کر دینا پڑا۔ ان کی تربیت میں حضرت سعدؓ بن معاذ دیئے گئے جو قبیلۂ اوس کے رئیسِ اعظم تھے۔ اُن میں بھی ایثار کا یہ وصف نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بنوقریظہ ان کے حلیف تھے اور عرب میں حلیف کا رشتہ اخوت اور ابوت کے برابر تھا تاہم غزوہ بنی سریظہ میں جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا تو انھوں نے اپنے چار سو حلیفوں کو اسلام پر نثار کر دیا۔

حضرت بلالؓ اور حضرت ابرد یحہؓ، حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو ایوبؓ میں وہ وحدت موجود تھی جس کی بدولت نہ صرف شاگرد بلکہ استاد بھی شاگرد سے اثر پذیر ہو سکتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف مدینہ میں آئے تو پنیر سر پر رکھ کر بیچتے تھے۔ حضرت سعدؓ بن الربیع کی صحبت میں جو امیر الامراء

تھے دولت اور امارت کے جس درجہ پر پہنچے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں۔ انھوں نے عرض کی کہ پہلے ہمارے بھائی مہاجروں کو اتنی ہی زمین عنایت فرمالیجیے تب ہم لینا منظور کریں گے۔

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے گھر میں دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ صرف پانی۔ آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کوئی ہے جو ان کو آج اپنا مہمان بنا دے؟ حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کی میں حاضر ہوں۔ غرض وہ اپنے گھر لے گئے لیکن وہاں بھی برکت تھی۔ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ انھوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لا کر رکھ دو۔ تینوں ساتھ کھانے بیٹھے۔ میاں بیوی بھوکے بیٹھے رہے اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیت اتری ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَة" (حشر ۱)

"اور گو ان کو خود تنگی ہوتا ہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں"۔

صفہ اور اصحاب صفہ

اصحابِ صفہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے۔ گو اس کی حقیقت سے

لوگ اچھی طرح واقف نہیں۔

صفہ سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا۔ صحابہ میں سے اکثر تو مشاغلِ دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی۔ ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے۔ ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لیے کچھ کھانا مہیا کرتی۔

یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اُسی چبوترہ (صفہ) پر رہتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔ کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں یہ اٹھا کر کھا لیتے۔ کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے یہ لوگ آکر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعیف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے۔ باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کومہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دودو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے۔ وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت فاطمہؑ زہرا نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور صفہ والے بھوکے رہیں۔ راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے۔ ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا۔ اس کے پاس جا کر پڑھتے۔ اسی بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے۔ دعوتِ اسلام کے لیے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے۔ غزوۂ معونہ میں انہی میں سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

ان کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ کل مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچتی تھی لیکن کبھی ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی۔ نہ صفہ میں اس قدر گنجائش تھی ان لوگوں کا مفصل حال ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ۳۰۴ (جو ابن مندہ کے استاد تھے) نے ایک الگ تصنیف میں لکھا ہے۔ سلمٰی نین بھی ان کے حالات میں ایک الگ کتاب لکھی ہے۔

مدینہ کے یہودی اور ان سے معاہدہ

مورخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے اور اس

تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو عمالقہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا لیکن تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہود گوتمام دنیا میں پھیلے لیکن انھوں نے اپنے نام کہیں نہیں بدلے۔ آج بھی وہ جہاں ہیں اسرائیلی نام رکھتے ہیں۔ بخلاف اس کے عرب کے یہودیوں کے نام نضیر، قنیقاع، مرحب حارث وغیرہ ہوتے تھے جو خالص عربی نام ہیں ۔ یہودی عموماً بزدل ہوتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے لڑنے کے لیے کہا تو بولے۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتلا اِنَّا هٰهُنَا قاعِدونَ (مائدہ ۴)

''تم مع اپنے خدا کے جاؤ اور لڑو ہم یاں بیٹھے رہیں گے''۔

بخلاف اس کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے۔

ان قرائنِ عقلی کے علاوہ ایک بڑے مورخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظ اور نضیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے۔

ثم کانت وقعة بنی نضیر وهم فخذ من جذام الا انهم تهودوا .... وکذلک قریظة

''پھر بنو نضیر کا معرکہ ہوا۔ یہ قبیلہ جذام کا ایک خاندان تھا لیکن یہودی ہو گیا تھا اور اسی طرح قریظہ بھی''۔

مورخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف کے والتنبیہ میں ایک روایت لکھی ہے کہ یہ جذام کے قبیلہ سے تھے۔ کسی زمانہ میں عمائقہ سے اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز چلے آئے۔

یہ تین قبیلے تھے: بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریضہ۔ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے اور مضبوط برج اور قلع بنا لیے تھے۔

انصار کے جو دو قبیلے تھے یعنی اوس اور خزرج ان میں باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث) اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائیں۔

انھی اسباب کی بنا پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور مضبوط ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار اور یہود کو بلا کر حسبِ ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے مضبوط کیا۔ یہ معاہدہ ابن ہشام میں پورا مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہے:

۱۔ خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلتا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔

۲۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریکِ یکدگر ہوں گے۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریکِ صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

واقعات متفرقہ

اس سال انصار میں سے دو نہایت معزز شخصوں نے جو مقربین خاص میں تھے وفات پائی۔ حضرت کلثومؓ بن ہدم اور حضرت اسعدؓ بن زراہ کلثومؓ وہ شخص ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قبا میں تشریف لائے تو انہی کے مکان میں ٹھہرے۔ اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی ان ہی کے گھر اترے تھے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ اُن چھ شخصوں میں ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ابن سعد کی روایت کے موافق ان چھ شخصوں میں جس نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا یہی اسعدؓ تھے۔ یہ فخر بھی انہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہی نے مدینہ میں آ کر جمعہ کی نماز قائم کی۔

چونکہ یہ قبیلۂ بنی نجار کے نقیب تھے اس لیے ان کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اُن کے بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے۔ چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہو گا تو اوروں کو رشک ہو گا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں خود تمھارا نقیب ہوں۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہال اسی قبیلہ میں تھی اس لیے اور قبائل کو رشک اور مناسبت کا موقع نہ تھا۔

حضرت اسعدؓ کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہایت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہودی نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر پیغمبر ہوتے تو اُن کو یہ صدمہ کیوں پہنچتا۔ آپ نے سنا تو فرمایا:

لا املک نفسی ولا لصاحی من اللہ شیئا (طبری ص ۱۲۶۱)

''میں اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا''۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیسانِ کفر نے بھی وفات پائی۔ یعنی ولید بن المغیرہ جو حضرت خالدؓ کا باپ تھا اور عاص بن وائل سہمی جس کے بیٹے حضرت عمرو بن عاص ہیں جو فاتحِ مصر اور حضرت امیر معاویہ کے وزیر اعظم تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔ ان کے والد حضرت زبیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے اور ان کی والدہ (حضرت اسماءؓ) حضرت ابوبکرؓ کی صاجزادی اور حضرت عائشہؓ کی لے پالک بہن تھیں۔ اب تک مہاجرین میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی تھی اس لیے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو مہاجرین نے خوشی کا نعرہ مارا۔

اب تک نمازوں میں صرف دو رکعتیں تھیں۔ اب ظہر وعصر وعشاء میں چار چار ہو گئیں لیکن سفر کے لیے اب بھی دو رکعتیں قائم رہیں''۔

(سیرت النبی: علامہ شبلی نعمانی، جلد اول ص ۲۶۱-۲۹۸)

مولانا شبلی نعمانی کے حوالے کے بعد ہم مختلف سرو کتب سے مدینہ کا احوال پیش کر رہے ہیں۔ ان میں بہت سی باتیں ہمارے عقائد کے منافی ہیں تاہم ہم حوالہ میں کسی قسم کی آراء ونقد ونظر کے قائل نہیں۔

قدیم تاریخ

یاقوت نے یثرب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ:

''یہ یثرب بن قافیہ نے آباد کیا تھا جو حضرت نوحؑ کی اولاد میں ان کی ساتویں پشت میں تھا''۔(حوالہ:(۱)معجم البلدان،۴،ص۱۰۱۰،(۲)(Laidpzig 1869)

جب حجاز میں عمالقہ کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا تو حضرت موسیٰ نے ان کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی (۵۰۰قبل مسیح) عمالقہ کو شکست ہوئی اوران کا بادشاہ قتل ہوا۔ جب یہ فوجی شام واپس گئے تو انھوں نے حضرت موسیٰ کے ایک قول کی خلاف ورزی کے الزام میں حجاز واپس کردیا گیا۔ چنانچہ وہ حجاز واپس آ گئے۔ مدینہ منورہ اور حجاز میں یہود نے عارضی طور پر پناہ لی۔(''معجم البلدان''، جلد۴، ص۴۶۱ سے۴۶۲، 1869 "Laipzig"، جواد علی'' تاریخ العرب قبل الاسلام'' جلد۴ص۱۲۹طبع بیروت۱۹۷۰ء)

پہلی صدی عیسوی یعنی ۷۰ء میں روسیوں اور یہودیوں میں زبردست جنگ ہوئی جس سے پورا فلسطین تباہ ہوگیا۔ اس کے نتیجے میں یہود دنیا کے مختلف علاقوں میں منتشر ہوگئے اوران کی کئی جماعتوں نے عارضی پناہ کے لیے بلاد عرب کا رخ کیا۔("Israel and Lufnuson"، تاریخ یہود فی البلاد العرب فی الجاہلیۃ وصدر الاسلام ص۹، طبع قاہرہ۱۹۲۷ء)

مدینہ منورہ میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریضہ۔ ان قبائل کی بہت سی ذیلی جماعتیں تھیں۔ اس لیے السمہودی نے لکھا ہے کہ یہود کے قبیلے بیس

سے زیادہ تھے۔ (حوالہ ''وفاء الوفا''، ص ۱۱۶، طبع قاہرہ مصر)

ان تینوں قبائل کے باہمی تعلقات کشیدہ رہتے تھے۔ بنو قینقاع اور دوسرے یہودیوں میں عداوت چلی آئی تھی کیونکہ بنو قینقاع بنو خزرج کے ساتھ یوم بعاث میں شریک تھے اور بنو نضیر اور بنو قریضہ نے بنو قینقاع کا بڑی بے دردی سے خون بہایا تھا اور ان کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا۔ مدینہ منورہ میں یہود مختلف بستیوں اور محلوں میں رہتے تھے جن میں قلعے اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ قلعہ بند محلے یا گڑھیاں ''اطام'' یا ''اطم'' کہلاتی تھیں جہاں دشمن کے حملے کے وقت قبیلے کے لوگ پناہ لیتے تھے۔ جب مرد لڑنے کے لیے جاتے تھے تو عورتیں، بچے اور معذور لوگ یہاں چلے آتے تھے۔ یہ گڑھیاں گودام کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھیں جس میں غلے اور پھل جمع کیے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ ہتھیار بھی رکھے جاتے تھے۔ ان گڑھیوں کے دروازوں پر بازار بھی لگتا تھا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ان گڑھیوں میں یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مدارس (یہودی مدارس) بھی ہوتے تھے۔ وہاں دینی کتابیں بھی رہتی تھیں اور وہاں یہودی سردار صلاح و مشورہ کے لیے بھی جمع ہوتے تھے۔ (حوالہ الیہود فی بلاد العرب، ص ۱۱۶۔ ۱۱۷، طبع قاہرہ (مصر) ۱۹۲۷ء)

یہود تجارت، زراعت اور مالی معاملات میں سارے عرب پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کے بیشتر مالی معاملات رہن اور سود پر قائم تھے۔ وہ لوگوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی عورتیں اور بچے بھی رہن رکھ لیتے تھے۔ مدینہ کے یہودی سود خواری میں مشرکین عرب سے بھی بازی لے گئے تھے۔ ان کی حرص و طمع کا یہ عالم تھا کہ وہ کنوؤں کا پانی ڈولوں کے حساب سے بیچا کرتے تھے۔ (حوالہ: جواد علی: ''تاریخ العرب قبل الاسلام'' ج ۴، ص ۱۳۱، طبع بیروت ۱۹۷۰ء)

مدینہ منورہ کی اقتصادیات پر یہود کے تسلط کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ منڈیوں میں من مانی کرنے لگے۔ اپنی مصلحت و منفعت کے مطابق مصنوعی قلت پیدا کر کے چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کرنے لگے۔ اس لیے مدینہ کی اکثریت ان کی دھاندلی، حد سے زیادہ سود خوری اور نفع اندوزی کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے لگی تھی۔ (حوالہ: طنطاوی: "بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ" ص ۷۹)

یہودی اپنے مخصوص دینی قوانین پر عمل کرتے تھے۔ وہ اپنی عبادت گاہوں میں اپنی عبادات اور دینی شعائر انجام دیتے تھے۔ وہ اپنی عیدیں بھی مناتے تھے اور کچھ خاص دنوں جیسے یوم عاشورہ میں روزے رکھتے تھے۔

یہود کی مادری زبان عبرانی تھی مگر حجاز آ کر ان کی زبان رفتہ رفتہ عربی ہو گئی تھی اور وہ اسی زبان میں روزمرہ کام کرتے تھے۔ عبرانی ان کی مذہبی اور تعلیمی زبان تھی۔

یہود کے علاوہ مدینہ میں عیسائی بھی موجود تھے۔ اوس و خزرج (مدینہ کے عرب باشندے) سد مارب کے انہدام کے بعد یمن سے مدینہ منورہ آئے تھے۔ اوس کے قبائل مدینہ منورہ کے جنوب و مشرق میں اور خزرج کے قبائل وسطی اور شمالی علاقے میں آباد ہوئے تھے۔ (رک بہ الانصار، اوس خزرج) یہود ان دونوں قبیلوں کو لڑاتے رہتے تھے تاکہ مدینہ منورہ پر ان کا اقتصادی تسلط برقرار رہے اور وہ ان کا استحصال کرتے رہیں۔ اوس و خزرج کے درمیان آخری جنگ "بعاث" تھی جو ہجرت سے پانچ سال قبل ہوئی تھی۔

مدینہ میں کئی بازار تھے جن میں سب سے اہم "سوق بنی قینقاع تھا جو سونے اور چاندی کے زیورات و مصنوعات اور کپڑے والوں کا اصل بازار تھا۔ مدینہ میں سوتی اور ریشمی کپڑے، رنگین غالیچے اور منقش پردے عام طور پر موجود تھے۔ عطر فروش، مختلف قسم کے عطر اور مشک فروخت کرتے تھے۔ (حوالہ عبدالحیٔ الکتانی: التراتیب الاداریہ، جلد اول، ص

۹۷، مطبوعہ بیروت)

مدینہ کے بعض گھروں کے ساتھ باغ بھی تھے۔ بیٹھنے کے لیے کرسی کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ شیشے اور پتھر کے پیالے اور آبخورے مستعمل تھے اور مختلف قسم کے چراغ استعمال ہوتے تھے۔ قسم قسم کے زیورات بھی پہنے جاتے تھے۔ جیسے کنگن، بازوبند، پازیب کان کے بندے، اور بالیاں، انگوٹھیاں اور سونے یا یمنی دانوں کے ہار وغیرہ۔

عورتوں میں بننے، کاتنے اور کاڑھنے کا عام رواج تھا۔ سلائی رنگائی معماری، کاشی کاری، حشت سازی اور سنگ تراشی جیسی صنعتیں ہجرت سے بہت پہلے مدینہ میں رواج پا چکی تھی۔ یہ تھے مدینہ کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حالات۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظّمہ میں مبعوث ہوئے (عبدالحی الکتانی: التراتیب الاداریہ، ا: ۲۰۴، مطبوعہ بیروت)

عہدِ اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظّمہ میں حج کے زمانے میں باہر سے آنے والوں میں اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اوس وخزرج کے چند آدمی عقبہ کے پاس آپ کو ملے۔ آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ یہ لوگ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے پڑوس میں رہا کرتے تھے اور یہود کو نبوت اور انبیاءؑ کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے اور توات کی تلاوت کرتے ہوئے برابر دیکھتے اور سنتے تھے۔ وہ ان سے سنتے رہتے تھے کہ قریبی زمانے میں کوئی نبی آنے والا ہے۔

The Cambridge History of در،Muhamad: Montgomery Watt) Islam،۱:۴۰،کیمبرج ۱۹۷۰ء)

حج کے موسم میں انھوں نے جن کی تعداد چھ تھی (۱) ابوالہیثم بن تیہان (۲) ابو امام اسعد بن زرارہ (۳) عوف بن حارث (۴) رافع بن مالک ۵) قطبہ بن عامر بن حدیدہ (۶) جابر بن عبداللہ بن ریاب اسلام قبول کرلیا اور مدینۂ منورہ جاکر اسلام کی خوب اشاعت کی۔ دوسرے سال حج کے موسم میں انصار (اوس خزرج) کے بارہ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقبہ اولیٰ میں ملے اور آپ کے دست مبارک پر چوری، زنا اور قتل اولاد سے بچنے، اچھی باتوں میں اطاعت کرنے اور توحید پر بیعت کی۔ جب انھوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست پر مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ روانہ کردیا تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں اور قرآن پڑھائیں۔ انھوں

نے مدینۂ منورہ آنے کے بعد گھر گھر جا کر اسلام کی دعوت دی۔ ان کی کوششوں سے مدینۂ منورہ میں اسلام پھیل گیا۔ (ابن ہشام: السیرۃ، ص ۴۲۸ تا ۴۳۴ باختصار "نیز رک بہ (۲) الانصار")

دوسرے سال مصعب بن عمیرؓ مکہ مکرمہ آئے تو ان کے ساتھ انصار کی ایک جماعت تھی۔ حج سے فراغت کے بعد وہ عقبہ کے نزدیک رات کو ایک گھاٹی میں جمع ہوئے۔ ان کی تعداد تہتر (۷۳) تھی جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) کے ہمراہ تشریف لائے۔ ان لوگوں سے گفتگو کی پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت اپنے اہل و عیال کی طرح کرو گے۔ انھوں نے آپؐ سے بیعت کی اور آپؐ سے یہ عہد لیا کہ آپؐ انھیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے اور نہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوں گے (ابن ہشام: السیرۃ، ص ۴۴۱ تا ۴۴۳)

اب آفتاب اسلام کی ضیا پاشوں سے مدینۂ منورہ کے در و دیوار منور ہو رہے تھے لیکن رؤسائے مکہ کی مخالفت اسلام کی عمومی اشاعت میں سنگ گراں بنی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو اب تیرہ سال ہو چکے تھے۔ اس تیرہ سال کی مدت میں طرح طرح کی اذیتوں کو برداشت کرنے کے باوجود بھی جو اہل مکہ اسلام پر پختہ تھے ان کو بھی ہر وقت اپنی جان کا خطرہ لگا رہتا تھا۔

ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور اپنے دین کی نصرت و حمایت کے لیے اوس و خزرج کو کھڑا کر دیا۔ یہ یثرب کے دو بڑے اور اہم قبیلے تھے جو بعد میں انصار مدینہ کے معزز لقب سے مشرف ہوئے۔ ان کے مورث اعلیٰ سد مأرب (یمن) کی تباہی و بربادی کے بعد (۳۰۰ قبل از مسیح) حجاز منتقل ہوئے تھے پھر مدینہ کو انھوں نے اپنا مسکن بنا

لیا۔(ابن ہشام:السیرۃ،ص۸،گوٹنگن۱۸۵۸ء)

اوس وخزرج کے یہ قبائل قریش مکہ کے برخلاف نرم مزاج، نرم دل اور تشدد، تکبر اور انکار حق جیسے اخلاق رزیلہ سے پاک تھے اور یہودیوں کے ساتھ رہنے بسنے کی وجہ سے دینی حقائق و اصطلاحات (نبوت و رسالت وحی والہام، حشر ونشر وآخرت)، انبیائے کرام کے ناموں اور ان کے جستہ جستہ حالات اور ہدایات کے آسمانی نظام سے واقف تھے۔ مدینۂ منورہ کے دارالہجرت اور مرکز دعوت اسلام کی حیثیت سے انتخاب کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ مدینۂ منورہ کو جنگی اور جغرافیائی نقطۂ نظر سے ایک مستحکم قلعہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے مشرق ومغرب میں حرات تھے اور دوسری طرف دشوار گزار کھجور کے گھنے باغات تھے (مجد الدین الفیروز آبادی: المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ص ۱۰۸،۱۱۴، عمر رضا کحالہ: جغرافیۃ شبہ جزیرۃ العرب، ص۱۴۰، مطبوعۂ بیروت)

ان تمام عوامل و اسباب اور جغرافیائی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے یثرب اس کا مستحق تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کے دارالہجرۃ اور اسلامی دعوت کا مستقر و مرکز بنایا جائے تاکہ آئندہ چل کر اسلام کو پوری قوت و استحکام حاصل ہو۔

جب انصار (اوس وخزرج) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرلی اور عرب وعجم اور جن وانس کے مقابلے یں آپؐ اور آپؐ کے ماننے والوں کی حمایت و نصرت کا وعدہ کرلیا (ابن ہشام: السیرۃ، ص۲۹۶، ۲۹۷، گوٹنگن ۱۸۵۸ء) تو آپؐ نے صحابہ کو مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ قریش کو خبر ہوئی تو انھوں نے روک ٹوک شروع کردی لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؑ اور وہ صحابہ جو ناداری کی وجہ سے ہجرت نہیں

کر سکتے تھے باقی رہ گئے۔ جب قریش نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں اس قدر حامی و مددگار پیدا ہو گئے ہیں اور وہاں ان کا زور نہیں چلتا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے بہت خطرہ محسوس کیا اور انھوں نے سوچا کہ اگر آپ تشریف لے گئے تو پھر آپؐ پر کوئی بس نہیں چلے گا۔ انھوں نے مشورہ کیا کہ ہر قبیلے سے ایک عالی ہمت اور اعلیٰ خاندان والے جنگجو جوان کا انتخاب کیا جائے اور وہ یکبارگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہوں تاکہ کسی ایک پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سازش سے آگاہ کر دیا اور آپ حضرت علیؑ کو امانتیں سپرد کر کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مدینۂ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں تین دن غار ثور میں قیام کرتے ہوئے ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو قباء پہنچ گئے جو مدینہ کے مضافات میں ہے۔ اسی تاریخ سے اسلامی کیلنڈر اور اسلامی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ (History of the Arabs: P.K. Hitti، ص ۱۲۶، لندن ۱۹۵۱ء)

آپؐ نے قباء میں چار روز قیام فرمایا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔

انصار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ سے روانگی کی اطلاع مل چکی تھی چنانچہ آپؐ کے ورود مسعود پر اہل مدینہ نے جس محبت و عقیدت کا مظاہرہ کیا وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ لوگ راستوں اور گزرگاہوں پر اور مکانوں کی چھتوں، کھڑکیوں اور دروازوں پر جمع ہو گئے تھے اور اللہ اکبر اور رسول اللہ تشریف لے آئے کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ (بخاری: صحیح و مسلم: صحیح، حدیث ہجرت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں فروکش ہوئے اور سات ماہ قیام فرمایا۔ جب مسجد نبویؐ جس کی تعمیر میں آپؐ خود شریک تھے اور رہائشی مکانات تعمیر ہو گئے تو آپؐ وہاں منتقل ہو گئے۔

مکہ مکرمہ کے غریب الوطن مہاجر نہایت بے سروسامانی کی حالت میں مدینۂ منورہ میں آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے مہاجرین وانصار میں باہمی ہمدردی اورغم خواری اور ایک دوسرے کی امداد واعانت کے لیے بھائی چارے اور مواخات کا ایک معاہدہ کرا دیا (ابن ہشام: السیرۃ، ص۳۴۴ تا ۳۴۶، گوٹنگن ۱۸۵۸ء، البخاری: الجامع الصحیح، باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین المہاجرین والانصار، ص: ۵، لائیڈن ۱۸۶۸ء)۔ اسی زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود اور دیگر اقوام مدینۂ منورہ سے امن وامان کا معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ منورہ (رک باں) کہلاتا ہے۔ اس کی اہم دفعات یہ تھیں کہ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے چلا آتا ہے وہ قائم رہے گا۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور وہ مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ جنگ کی صورت میں فریقین ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہوں گے اور جب کوئی بیرونی طاقت مدینے پر حملہ آور ہوگی تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے (ابن ہشام السیرۃ، ص۳۴۲ تا ۳۴۴، گوٹنگن ۲۸۵۸ء، شبلی: سیرۃ النبی، ۲۹۶:۱، مطبوعۂ اعظم گڑھ) مدینہ آنے پر نماز جماعت کا اہتمام اور اذان کا حکم ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگرچہ یہود سے صلح وامن کا معاہدہ کرلیا تھا مگر ان کے دل غصے اور حسد سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ اوس وخزرج کے مابین نفرت و عداوت پیدا کرتے رہتے تھے۔ مزید براں قرآن مجید نے ان کی قبیح عادات، باطل عقائد، انبیائے کرام کی مخالفت، تورات میں تحریف اور اس کی من مانی تاویلات، حرام خوری، حرص وطمع اور مال ودولت سے عشق کا برملا ذکر کیا تھا۔ اسلام کی روزافزوں اشاعت سے یہود کو نظر آیا کہ اب ان کا جابرانہ اور خودغرضانہ اقتدار قائم نہیں رہ سکتا۔ تحویل قبلہ کے بعد وہ علانیہ مسلمانوں کے خلاف ہو گئے (Montgomery Muhammad: Watt، در The Cembridge History of Islam، ۴۴:۱، کیمبرج ۱۹۷۰ء) اہل مکہ

بھی اسلام کی وسعت اومقبولیت سے خائف تھے۔قریش نے اپنی سیادت کوخطرے میں دیکھتے ہوئے نہ صرف مدینہ پر حملے کی دھمکی دی بلکہ جنگ کی تیاریاں بھی شروع کردیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کوقتال کی اجازت دے دی (۳۲''الحج''۳۹)اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف علاقوں میں سرایااور چھاپے بھیجنے کا آغاز فرمایا۔

رمضان ۲ ہجری میں ابوسفیان ایک تجارتی کارواں کے مال تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں کے ہمراہ واپس آرہا تھا راستے میں جب وہ مدینہ کے برابر پہنچا تو اسے مسلمانوں کی طرف سے حملے کا اندیشہ ہوا۔اس نے فوراً اپنا قاصد مکے بھیجا کہ اہل مکہ اپنے تجارتی سامان کو بچانے کے لیے اس کی مدد کریں۔قریش نے تیزی کے ساتھ ایک لشکر جس میں ایک ہزار پیدل سپاہ اور ایک سو سوار تھے عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں روانہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان ۲ ہجری ،۶۲۴ ء میں تین سو تیرہ مسلمانوں کو لے کر مدینے سے روانہ ہوئے اور بدر کے قریب جو مدینے سے بیس میل جنوب مغرب میں واقع ہے دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ یہ جنگ مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی ذلت آمیز شکست پر ختم ہوئی۔قریش کے نامور سردار مارے گئے اور بہت سے مشاہیر قریش گرفتار ہوئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدیہ لے کر سب کو رہا کردیااور جونادار قیدی تھےاور فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھےلیکن لکھنا جانتے تھےان کے متعلق حکم ہوا کہ اگر وہ دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھادیں تو وہ رہا کردیے جائیں گے(احمد بن حنبل:مسند ا: ۲۴۶،مطبوعہ قاہرہ)۔ جنگ بدر کا یہ نتیجہ نکلا کہ مدینہ اور اس کے اطراف میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوگیااور بہت بڑی تعداد میں اہل مدینہ اسلام لے آئے۔

بدر کی شکست ک بعد قریش نے مسلمانوں کے خلاف ایک نئ جنگ کی تیاری شروع کردی۔ ماہ شوال ۳ ہجری ،۶۲۵ ء میں وہ اپنا لشکر لے کر مکے سے رواہن ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش قدمی کر کے احد پہاڑ کے دامن میں جو مدینے کے شمال میں تین ساڑھے تین میل کے فاصلے پر شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے پڑاؤ ڈالا۔ ابتدا میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کفار و مشرکین بھاگ نکلے لیکن جب مسلمانوں کے لشکر کے تیر اندوزوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور وہ بھی مال غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے تو محاذ خالی ہو گیا۔ حضرت خالد بن الولید نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مشرکین کے میمنہ میں تھے جوابی حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کی یہ فتح وقتی طور پر شکست میں بدل گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوئے اور مسلمانوں نے کمال جان نثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہو آلہ وسلم کی حفاظت کی۔ مسلمان دوبارہ سنبھلے تو قریش کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ واپس چلے گئے۔ غزوۂ احد میں اکثر خواتین اسلام نے شرکت کی۔ حضرت عائشہؓ اور ام سلیم مشکیں بھر بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں (بخاری۔ صحیح، کتاب المغازی، ۳:۸۳ لائیڈن ۱۸۶۸ء)

ماہ شوال ۵ ہجری ۶۲۷ء میں بنی نضیر اور بنی وائل کے کچھ آدمی مکۂ مکرمہ گئے اور اہل مکہ کو مدینۂ منورہ پر پھر چڑائی کی دعوت دی اور تمام یہودیوں کی طرف سے ہر قسم کی امداد کا یقین دلایا۔ باہمی صلاح مشورے کے بعد قریش یہود اور قبیلہ غطفان کا یہ متحدہ لشکر جس کی کل تعداد دس ہزار تھی ابوسفیان کی قیادت میں اس عزم کے ساتھ پھر مدینۂ منورہ پر حملہ آور ہوا کہ اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے مدینۂ منورہ میں قلعہ بند ہو کر مدافعانہ جنگ کو ترجیح دی۔ لشکر اسلام صرف تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ نے مدینے کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ کیا۔ آنحضرتؐ خود بھی خندق کھودنے میں شریک تھے۔ یہ زمانہ سخت سردی کا تھا اور خوراک کی قلت تھی۔ مجاہدین اسلام خالی پیٹ رہ کر اس کام میں لگے رہے۔ ان سرد و یخ بستہ راتوں

میں ایسی تیز ہوا چلی کہ کفار کے خیمے اکھڑ گئے اور ابوسفیان نے واپس جانے ہی میں خیریت سمجھی اور اس کے ساتھ قریش، یہود اور غطفان ناکام ہو کر واپس ہو گئے اور آنحضرتؐ خندق چھوڑ کر مدینۂ منورہ تشریف لے آئے۔ اس طرح مدینۂ منورہ کا مطاع صاف ہو گیا (محمد حمید اللہ عہد نبویؐ کے میدان جنگ، ص ۴۲ تا ۴۳، مطبوعۂ حیدر آباد دکن)

بنی قریظہ نے معاہدے کے خلاف غزوۂ خندق (غزوۂ احزاب) میں شرکت کی تھی اس لیے ان کی تادیب ضروری تھی۔ آنحضرتؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر میں بنی سریظہ نے یہ شرط منظور کر لی کہ سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں گے وہ ہم کو منظور ہو گا۔ حضرت سعدؓ نے تورات کے مطابق یہ فیصلہ دیا کہ تمام لڑنے والے مرد قتل کیے جائیں، عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں اور ان کا مال تقسیم کر لیا جائے۔ مدینے میں یہود کے آخری قلعے کے خاتمے کا یہ نتیجہ ہوا کہ منافقین کی سرگرمیاں سست پڑ گئیں اور ان کے حوصلے پست ہو گئے (اسرائیل ولفنسون: الیہود فی بلاد العرب، ص ۱۵۸، قاہرہ ۱۹۲۷ء)

۶ ہجری، ۶۲۸ء میں آنحضرتؐ عمرہ کی نیت سے مکے روانہ ہوئے۔ قریش کو خبر ہوئی تو انھوں نے مزاحمت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بالآخر حدیبیہ میں مسلمانوں اور قریش میں یہ معاہدہ طے پایا کہ فریقین دس سال تک کشت وخون سے پرہیز کریں گے۔ اگر قریش سے کوئی شخص اپنے ولی یا سرپرست کی اجازت کے بعد آنحضرتؐ کے پاس مدینۂ منورہ آ جائے گا تو وہ اسے واپس کر دیں گے اور اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی مکۂ مکرمہ آ نکلا تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔ یہ شرائط بعض اکابر صحابہ کو گراں گزریں لیکن قرآن مجید نے اسے صاف اور صریح فتح قرار دیا۔ صلح کے بعد اسلام کی اشاعت کا اک نیا دروازہ کھل گیا اور اہل عرب جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ مسلمانوں اور مشرکوں کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع ملا۔ حضرت خالدؓ بن الولید اور حضرت عمروؓ بن العاصؓ،

جنھوں نے بعد میں بڑے بڑے معرکے سر کیے تھے صلح حدیبیہ کے بعد مدینۂ منورہ حاضر ہو کر دولت اسلام سے سرفراز ہوئے۔

صلح ہونے کے بعد رسول اللہؐ نے سلاطین عالم اور امرائے عرب کو خطوط لکھے جن میں قیصر روم ہرقل اول (۶۱۰ء تا ۶۴۱ء)، خسرو پرویز دوم (۵۹۰ء تا ۶۲۸ء) گورنر اسکندریہ مقوقس (۶۲۱ء تا ۶۴۰ء) اور نجاشی حاکم حبشہ جیسے لوگ شامل تھے۔ ہرقل، نجاشی اور مقوقس نے مکاتیب نبویؐ کے ساتھ ادب کا معاملہ کیا اور جواب میں تواضع اور احترام ملحوظ رکھا لیکن کسریٰ پرویز نے نامۂ مبارک چاک کر ڈالا۔ آنحضرتؐ نے سنا تو یہ فرمایا کہ اللہ اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے (البخاری: الصحیح، باب کتاب النبیؐ الی کسریٰ و قیصر)۔ رسول اللہ کی بددعا پوری ہوئی اور ۶۳۷ء میں ایرانی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا۔

۷ ہجری میں غزوہ خیبر پیش آیا۔ یہاں کے یہودی آئے دن شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کے مقابلے میں آنا پڑا۔ مسلمان قلعے پر قلعے فتح کرتے گئے بالآخر یہودیوں نے نصف پیداوار کی ادائی پر صلح کر لی۔ غزوۂ خیبر نے مسلمانوں کے دشمنوں کی کمر ہمت توڑ دی۔ (رمضان ۸ ہجری میں آنحضرتؐ دس ہزار مسلمانوں کو لے کر مدینۂ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور جمعہ کی صبح ۲۱ رمضان کو فاتحانہ مکے میں داخل ہوئے۔ اس فتح سے وہ رکاوٹ دور ہو گئی جو اسلام کی عام اشاعت میں حائل تھی۔ مشرکین مکہ کی ہیبت اور ان کا رعب و جلال ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اب بڑی بڑی جماعتیں اور قبیلے آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ ۹ ہجری ۶۳۰ ـ ۶۳۱ء میں بہت سے وفود عرب کے مختلف علاقوں مثلاً عمان، حضرموت اور یمن سے مدینۂ منورہ میں اس کثرت سے آئے کہ یہ سال وفود کا سال کہلایا۔ عرب جو اس سے پہلے کسی فرد واحد کی متابعت سے ناآشنا چلے آ رہے تھے آنحضرتؐ کے لائے ہوئے دین کے حلقہ بگوش

ہور ہے تھے۔اب جاہلیت کے رسم و رواج کے بجائے اسلام کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی فرمان روائی تھی ۔(History of the Arabs: Hitti،ص ۱۱۹،لندن ، ۱۹۵۱ء)۔اسی سال زکواۃ فرض ہوئی اور رسول اللہؐ نے اپنے امراو عمال کو ان علاقوں میں بھیجا جہاں اسلام پہنچ چکا تھا۔

۲۶ ذی القعدہ ۱۰ ہجری کو آپؐ مدینۂ منورہ سے مکۂ مکرمہ روانہ ہوئے اور عرفات پہنچ کر وہ آخری اور مشہور خطبہ دیا جو تاریخ اسلام میں خطبہ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عنصر ہے اور انسانی حقوق کا منشور ہے۔آپؐ حجۃ الوداع کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز رہنے لگا۔مرض کی شدت ماہ صفر کے آخر میں ہوئی۔اسی مرض میں آپؐ نے انصار مدینہ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی اور فرمایا کہ ان پر جو ذمے داری تھی اس کو انھوں نے پورا کیا۔ان کا جو دوسروں پر حق ہے وہ باقی ہے،اس لیے ان کے اچھے اور صالح لوگوں کی بات قبول کرنا اور ان میں سے جو لوگ قصور وار ہوں ان سے درگزر کرنا (البخاری : الصحیح ،باب فضائل اصحاب النبیؐ) آنحضرتؐ نے ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ جون ۶۳۲ء کو انتقال فرمایا۔

اسلام کا مدنی دور نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا اہم باب ہے۔ مدینۂ منورہ میں اسلام کو شان و شوکت نصیب ہوئی۔ جہاد کا حکم ملا، روزہ، زکواۃ، حج، نکاح وطلاق، غلاموں، اسیروں اور دشمنان دین اور حدود و تعزیرات کے متعلق احکام نازل ہوئے اور دین نقطۂ عروج اور منتہائے کمال پر پہنچ گیا۔ مدینۂ منورہ ہی سے مسلمان ذوق جہاد اور شوق شہادت سے سرشار ہو کر دنیا کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئے۔

مختلف ادوار

مختلف ادوار

حضرت ابوبکرؓ (۱۱ھ/۶۳۲ء تا ۱۳ھ/۶۳۴ء) کا زمانۂ خلافت زیادہ تر مرتد قبائل کے استیصال اور منکرین زکواۃ کی تادیب میں گزرا۔ حضرت عمر فاروقؓ (۱۳ھ/۶۳۴ء تا ۳۵ھ/ ۵۵ء) کا اہم کارنامہ مسجد نبویؐ کی تعمیر وتوسیع ہے۔ انھوں نے ساری عمارت میں منقش پتھر لگوائے اور ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا اور عہد صدیقی کے قرآن مجید کے مدون نسخے کی نقلیں کرا کر مدینۂ منورہ سے تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں۔ حضرت علیؑ (۳۵ھ/ ۶۵۶ء تا ۴۰ھ/ ۶۶۱ء) معاویہ کے مقابلے کے لیے مدینہ منورہ سے بصرہ روانہ ہوئے تو اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابر صحابہ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے۔ انھوں نے حضرت علیؑ کو یہ مشورہ دیا کہ مدینۂ منورہ سے نہ نکلیں اور اگر اس وقت نکلے تو پھر یہاں واپس نہ آسکیں گے اور مرکز حکومت مدینہ منورہ سے نکل جائے گا (الطبری ۶: ۳۰۹۳، مطبوعۂ لائیڈن)۔ چنانچہ ان کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ جنگ جمل کے بعد حضرت علیؑ نے کوفہ واپس آ کر مدینہ کے بجائے اس کو مرکز خلافت قرار دیا۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ نے امیر معاویہ سے مصالحت کر لی اور مرکزی خلافت دمشق منتقل ہوگیا۔ اب مدینۂ منورہ کی حیثیت ایک صوبائی شہر کی رہ گئی۔ اگر چہ اس کی علمی اور دینی مرکزیت اب بھی باقی تھی۔ حضرت امام حسنؑ بھی دستبرداری کے بعد مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ بعض صحابۂ کرامؓ جو سیاسی کشاکش سے علیحدہ رہنا چاہتے تھے مدینۂ منورہ کے قیام کو ترجیح دیتے تھے۔

خلافت بنی امیہ

حاکم شام امیر معاویہ نے اپنے آباؤ اجداد کے طرز پر مکہ و مدینہ کی تعمیر و ترقی کو اہمیت نہ دی بلکہ شام کو پروان چڑھایا اور شہر مدینہ کی تعمیرات، ترقی، خوشحالی اور اہلبیت اطہارؑ اور صحابہ کرامؓ کی معاشرتی ترقی کے بجائے اپنی اور اپنے ناخلف بیٹے کی حکومت کو مضبوط کرنے میں وقت صرف کیا۔ تمام اہل حجاز نے حضرت ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تمام اموی عمال کو مدینے سے نکال دیا۔ ان لوگوں نے مدد کے لیے آدمی شام بھیجے۔ اس انقلاب کی خبر سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ "رک ہاں" کو دس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے بڑی جرأت اور پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر میں شکست کھائی (۲۶ اگست ۶۸۳ء)۔ شامی فوجیں (جس میں شامی عیسائیوں کی بڑی تعداد تھی) تین دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی اور قتل عام کرتی رہیں (A History of the Arabs: Hitti، ص ۱۹۱، لندن ۱۹۵۱ء)۔ مدینہ بالکل تباہ ہو گیا۔ کسی میں مقابلے کی سکت باقی نہ رہ گئی۔ اس لیے باقی ماندہ لوگوں نے یزید کی اطاعت قبول کر لی۔ یزید کی موت کے بعد اہل مدینہ پھر ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے لیکن ان کی شکست کے بعد حجاز پر دوبارہ اموی اقتدار قائم ہو گیا۔ اس سانحہ کے بعد مدینے کے بہت سے اعیان و عمائد ہجرت کر کے دنیائے اسلام کے مشرق و مغرب میں جا کر آباد ہو گئے (ان مدنی مہاجرین کے اسما کے لیے دیکھیے ابن حزم: جمہرۃ انساب العرب، مطبوعۂ قاہرہ)

عبدالملک بن مروان (۶۵ ہجری/ ۶۸۵ء تا ۸۶ ہجری/ ۷۰۵ء) نے خلیفہ بننے سے قبل بیشتر وقت مدینے میں گزارا تھا۔ اس نے مدینے کے ارباب کمال سے استفادہ کیا تھا اور وہ اپنے زمانے کے اکابر علما میں تھا۔ ۷۵ ہجری میں وہ حج کے سلسلے میں مدینۂ منورہ بھی حاضر ہوا تھا۔ اہل مدینہ سے اس کا سلوک ہمدردانہ و فیاضانہ رہا۔ مسجد نبویؐ میں خوشبو کے لیے بخورات اور عود بھیجتا رہتا تھا۔

ولید بن عبدالملک (۸۶ھ/ ۷۰۵ء تا ۹۶ھ/ ۷۱۵ء) کے زمانے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینۂ منورہ کے گورنر تھے۔ ولید نے ان کو لکھا کہ مسجد نبویؐ کی پرانی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا جائے اور مسجد کی توسیع کے لیے مسجد سے متصل جو دوسرے مکانات ہیں انھیں خرید کر مسجد میں شامل کیا جائے۔ اس کے علاوہ ولید نے قیصر روم سے منبت کاری کا سامان اور کاریگر منگوائے۔ تین سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔ دیواروں اور چھت پر طلائی کام اور نہایت عمدہ مینا کاری تھی۔ ولید خود اس کے دیکھنے کے لیے مدینہ گیا (ابن الاثیر الکامل، ۴: ۳۰۴، مطبوعۂ قاہرہ) علاوہ ازیں اس نے پرانی مسجدوں کی توسیع کرائی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے روضۂ نبویؐ کے گرد دوسری دیوار تعمیر کرائی۔

سلیمان بن عبدالملک (۹۶ھ/ ۷۱۵ء تا ۹۹ھ/ ۷۱۷ء) کا برتاؤ اہل مدینہ کے ساتھ ہمدردانہ و فیاضانہ رہا۔ ۹۷ ہجری میں وہ حج کے سلسلے میں مدینۂ منورہ گیا تو اہل مدینہ میں روپیہ تقسیم کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز (۹۹ھ/ ۷۱۷ء تا ۱۰۱ھ/ ۷۲۰ء) نے اپنے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ کی دوبارہ تعمیر، توسیع و تزئین کرائی تھی۔ جب وہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے یہ دیکھ کر کہ حفاظ حدیث اٹھتے جا رہے ہیں قاضی ابوبکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی تلاش کر کے لکھ لی جائیں۔ اہل مدینہ سے ان کا طرزِ عمل پسندیدہ اور عمدہ رہا۔ ان کے

عہد خلافت میں علم دین کی خوب اشاعت ہوئی اور بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔

ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ/۷۲۴ء/ ۱۲۵ھ/۷۴۳ء) کے زمانۂ خلافت میں حضرت امام زین العابدینؑ کے صاحب زادے زید بن علیؓ نے مدینۂ منورہ اور پھر کوفہ سے خروج کیا۔لیکن کوفیوں کی بدعہدی اور غداری سے شہید ہوئے۔ان کی شہادت کے بعد ان کے ماننے والوں کا ایک مستقل فرقہ پیدا ہوگیا جو امام باقرؒ کے بجائے امام زیدؒ کو امام مانتا ہے اور زیدیہ کہلاتا ہے۔اسی زمانے میں امامت کا منصب علویوں سے بنی عباس میں منتقل ہوگیا۔مروان ثانی (۱۲۷ھ/۷۴۴ءتا ۱۳۲ھ/۷۵۰ء) کی شکست اور بعدازاں قتل کے بعد بنوامیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہوگیا اور بنی عباس برسر اقتدار آ گئے۔

خلافت عباسیہ

بنوامیہ کے خاتمے کے بعد ابوالعباس عبداللہ بن محمد المعروف بہ سفاح (۱۳۲ھ/۷۵۰ء تا ۱۳۶ھ/۷۵۴ء) تخت خلافت پر بیٹھا اور اس نے عراق ہی کو پایۂ تخت بنایا۔ سفاح نے اپنے چچا داؤد کو مدینۂ منورہ اور مکۂ مکرمہ کا ولی بنایا۔ سفاح کے بعد اس کا بھائی ابو جعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ منصور (۱۳۶ھ/۷۵۴ء تا ۱۵۸ھ/۷۷۵ء) خلیفہ بنا۔ اس کے خلاف علویوں میں ناراضی اور شورش پیدا ہوئی۔ چنانچہ امام حسنؑ کے پڑوتوں نفس زکیہؒ اور ابراہیمؒ نے عباسی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مدینۂ منورہ میں امام مالک اور کوفہ میں امام ابوحنیفہ نے دونوں بھائیوں کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ منصور نے آل حسن کی طرح کی سختیاں کیں۔ نفس زکیہؒ نے مدینۂ منورہ پر قبضہ کر کے عباسی گورنر کو قید کر دیا۔ منصور نے نفس زکیہؒ کے مقابلے کے لیے ایک لشکر جرار روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے ابتداء میں نفس زکیہ کی حمایت پورا حق ادا کیا لیکن آخر میں بعض لوگ ان کا ساتھ چھوڑ گئے اور نفس زکیہؒ نے میدان جنگ میں شہادت پائی (۶ دسمبر ۷۶۲ء)۔ یہی انجام ابراہیمؒ کا کوفہ میں ہوا (ذوالحجہ ۱۴۵ھ/ ۱۴ فروری ۷۶۳ء، الطبری، ۳: ۲۴۵ تا ۲۶۵ و ۳۱۵ تا ۳۱۶)۔ منصور نے اپنے زمانۂ خلافت میں پانچ حج کیے تھے۔

محمد بن منصور الملقب بہ مہدی ۱۵۸ھ/۷۷۵ء تا ۱۶۹ھ/۷۸۵ء) نے مسجد نبویؐ کی عمارت میں ترمیم و توسیع کرائی اور پوری عمارت کو نقش و نگار سے آراستہ کرایا۔ بغداد، مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے درمیان ڈاک کا سلسلہ قائم کیا اور حرمین کے باشندوں میں کئی

کروڑ نقد تقسیم کیے (الطبری، ۴: ۴۸۳)۔

موسیٰ بن مہدی الملقب بہ ہادی (۱۶۹ھ/۷۸۵ء تا ۱۷۰ھ/۷۸۶ء) کے زمانے میں آل حسن میں سے حسین بن علی نے خروج کیا۔ چنانچہ ایک دن انھوں نے دارالامارۃ کا محاصرہ کر کے قید خانہ توڑ کر قیدی نکال لیے اور ان کے ساتھیوں نے بیت المال کو لوٹ لیا اور مدینہ منورہ میں عام ہنگامہ برپا ہوگیا۔ آخر میں حسین بن علیؑ کو مقام فخ میں شکست ہوئی۔ ان کے ماموں ادریس بن عبداللہ بن حسن بھاگ کر المغرب جا پہنچے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے ادریس نے بعد میں ادریسی سلطنت قائم کر لی (ابن الاثیر: الکامل، ۶: ۳۱، مطبوعۂ قاہرہ)

ہارون الرشید (۱۷۰ھ ۷۸۶ء تا ۱۹۳ھ ۸۰۹ء) نے نو حج کیے اور اہل حرمین کو مالا مال کر دیا (حبیب الرحمٰن اعظمی: اعیان الحجاج، ص ۲۲۱، لکھنؤ ۱۹۵۸ء)

معتصم باللہ (۲۱۸ھ/۸۳۳ء تا ۲۲۷ھ/۸۴۲ء) کے زمانے میں اہل بیت کے ایک خاموش بزرگ محمد بن قاسم تھے جو مسجد نبویؐ میں گوشہ گیر تھے مگر اہل خراسان ان کو میدان سیاست میں کھینچ لائے اور ان کے ارادت مندوں کو خروج کے ارادے سے مدینۂ منورہ سے جوزجان لے گئے لیکن انھیں ناکامی ہوئی۔

واثق باللہ (۲۲۷ھ/۸۴۲ء تا ۲۳۲ھ/۸۴۷ء) نے علویوں کا اعزاز و احترام کیا۔ اس نے حرمین کے باشندوں کی اس فیاضی سے خدمت کی کہ اس کے زمانے میں مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ میں کوئی سائل باقی نہ رہا۔

منتصر باللہ (۲۴۷ ہجری/ ۸۶۱ء تا ۲۴۸ ہجری/ ۸۶۲ء) نے خلیفہ ہوتے ہی علویوں اور اہل بیت نبوی کے ساتھ زیادتیوں کا سلسلہ یک قلم موقوف کر دیا۔ فدک حضرت حسینؓ کی اولاد کو واپس کر دیا اور گورنر مدینہ علی بن حسن کو رخصت کرتے وقت تاکید کی کہ

آل ابی طالب سے عمدہ سلوک کیا جائے۔

دولت اخشیدی (۳۲۳ ہجری/ ۹۳۵ء تا ۳۵۸ ہجری/ ۹۶۹ء) ابوبکر محمد بن طغج ملوک فرغانہ کی نسل سے تھا۔ راضی باللہ نے اس کو مصر کا ولی بنا کر بھیجا تو اس نے امارت پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے استقلال کا اعلان کر دیا اور دو سال بعد اس نے مکۂ مکرمہ و مدینۂ منورہ کو بھی اپنی قلم رو میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک حجاز کی قسمت مصر سے وابستہ رہی۔ اخشید کے مرنے کے بعد اس کے دولڑکے تخت نشین ہوئے لیکن زمام کار کافور کے ہاتھ رہی جو حبشی غلام تھا۔ اس کی عظمت و شان اتنی بڑھ گئی تھی کہ مصر کے علاوہ حجاز میں بھی خطبوں میں اس کا نام خلیفہ کے نام کے ساتھ لے جانے لگا۔ متنبّی نے کافور کی مدح و ہجو میں قصیدے لکھ کر اس کے نام کو عربی ادب میں زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

دولت فاطمیہ (۲۹۷ ہجری/ ۹۱۰ء تا ۵۶۷ ہجری/ ۱۱۷۱ء) بنو فاطمہ اسمٰعیلی شیعہ تھے جن کا مستقر یمن تھا۔ وہ یمن سے اپنے دعاۃ المغرب بھیجا کرتے تھے۔ ان کا اصل مقصد سلطنت عباسیہ کو مٹا کر اسمٰعیلی اقتدار قائم کرنا تھا۔ رفتہ رفتہ انھوں نے قیروان (تونس) فتح کر لیا اور اس کے بعد ان کے جرنیل جوہر الصقلی نے فسطاط فتح کر کے قاہرہ کا شہر بسایا۔ بنو فاطمہ کے پانچویں فرماں روا ابو منصور نزار العزیز باللہ کے عہد حکومت میں فاطمی اقتدار اپنے عروج پر پہنچ گیا اور اس کا نام جمعہ کے خطبوں میں بحر اوقیانوس سے بحیرۂ قلزم کے تمام ممالک حتیٰ کہ شام اور حجاز اور موصل کی مساجد میں لیا جانے لگا (۳۶۶ ہجری)۔ العزیز کے جانشین ابو علی منصور الحاکم (۳۸۶ ہجری/ ۹۹۶ء تا ۴۱۱ ہجری/ ۱۰۲۱ء) نے چاہا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے اجساد مبارک کو مدینۂ منورہ سے قاہرہ منتقل کرائے تا کہ اس کا دار الخلافہ زیارت گاہ خاص و عام بن جائے۔ اس غرض کے لیے اس نے اپنے ایک امیر ابو الفتوح کو مدینۂ منورہ بھیجا۔ وہاں سخت مخالفت ہوئی اور اتفاق سے اس روز سخت آندھی آئی

۔اس سے ابوالفتوح خوفزدہ ہوکر واپس چلا آیا۔اور حاکم کواس کے انجام سے ڈرا کر باز رکھا (المقریزی: الخطط،۱: ۳۳۸،مطبوعہ قاہرہ بحوالۂ حسن ابراہیم حسن: تاریخ الدولۃ الفاطمیہ، ص ۲۲۳، قاہرہ ۱۹۶۴ء)۔اس کے عہد حکومت میں اذان کے الفاظ میں کمی بیشی کی گئی اور رمضان میں نماز تراویح حکماً بند کی گئی۔موسم حج سے فائدہ اٹھا کر باطنی تعلیمات کی اشاعت کی جاتی تھی۔اسمٰعیلی عقائد کی تبلیغ کے لیے فاطمی دعاۃ مصر اور شام سے لے کر یمن بلکہ ہندوستان اور افغانستان تک پھیلے ہوئے تھے (Cambridge History of Islam،۱: ۱۸۶،کیمبرج ۱۹۷۰ء)

جب سلاجقہ نے دیلمیوں کی جگہ لی تو انھوں نے فاطمیوں کا زور توڑنے کی کوشش کی۔اتفاق سے سلجوقیوں کے زمانے میں مصر میں سخت ابتری پھیل گئی تھی۔سلاجقہ کے تسنن کی وجہ سے عام لوگوں کا رجحان ان کی طرف تھا۔چنانچہ ۴۶۲ ہجری میں امیر مکہ نے فاطمیہ سے تعلق منقطع کر کے الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر لی اور حرمین میں اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا (ابن الاثیر: الکامل،۱۰: ۲۱، ۴۳، ۴۴ مطبوعۂ قاہرہ)

ملک شاہ نے مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے راستے میں پانی کے ذخیرے کے لیے تالاب بنائے۔حرمین کے خدام کے لیے وظائف مقرر کیے اور حاجیوں پر ناجائز ٹیکس موقوف کرائے۔

دسویں صدی عیسوی کے وسط میں حجاز میں علوی شرفا کے خاندان کو عروج حاصل ہوا۔یہ خاندان تقریباً ایک ہزار برس تک برسر اقتدار رہا (ان شرفا کے ناموں اور زمانۂ امارت کے لیے دیکھیے عماد الدین اصفہانی: زندگانی پیشوائے اسلام،ص ۴۴۶ تا ۴۵۰، مطبوعۂ تہران)۔ان کے زمانے میں مدینۂ منورہ کے بجائے مکۂ مکرمہ حجاز کا دار الحکومت قرار پایا۔اگرچہ یہ شرفا کبھی یمن کے رسولی خاندان اور کبھی مصری حکومت کی اطاعت کا دم

بھرتے تھے۔ لیکن درحقیقت خودمختار تھے۔ عباسی فاطمی نزاع میں وہ جس فریق کا پلہ بھاری دیکھتے تھے اس کے طرف دار بن جاتے تھے۔ جب سلطان صلاح الدین نے ۱۱۷۱ء میں فاطمی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو ان حجازی شریفوں نے عباسی اور ایوبی سیادت تسلیم کر لی اور زیدی مذہب کو چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کر لیا (Ency. Brtiannica بار پانزدہم بذیل مادہ Arabia)۔

دولت نوریہ وصلاحیہ (۵۶۷ ہجری/۱۱۷۱ء تا ۶۴۸ ہجری/۱۲۵۰ء) پانچویں صدی ہجری کا آخری اور چھٹی صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ صلیبی جنگجو ۴۹۲ ہجری میں بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہے تھے۔ عراق میں قرامطہ نے اودھم مچا رکھا تھا۔ مصر کی فاطمی سلطنت کے اعلیٰ ارکان عیسائی طاقتوں سے ملے ہوئے تھے۔ اسمٰعیلی باطنیوں نے سارے عالم اسلام پر خوف و دہشت اور ذہنی انتشار کے مہیب سائے ڈال رکھے تھے۔ صلیبی جنگجوؤں کے چھاپوں سے حج کا راستہ مخدوش ہو گیا تھا۔ اس نفسانفسی، مایوسی اور شکست خوردگی کے عالم میں سلطان نورالدین زنگی نے اسلام و مسلمانوں کی نصرت وحمایت کے لیے علم جہاد بلند کیا اور عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ اس کا نمایاں کارنامہ روضۂ نبویؐ کے چاروں طرف سیسے کی دیوار تعمیر کرانا ہے جسے خندق الرصاص بھی کہتے ہیں۔ اس نے مدینۂ منورہ کے اردگرد ایک دیوار بھی بنوائی جس پر برج اور پھاٹک بھی تھے (سمہودی: وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ، مطبوعۂ قاہرہ)۔ سلطان نورالدین کی وفات (۵۶۹ ہجری) کے بعد علم جہاد صلاح الدین ایوبی نے تھاما۔ اس نے معرکہ حطین میں عیسائیوں کو شکست فاش دی (۵۸۳ ہجری/۱۱۸۷ء) اور عیسائیوں کی یلغار سے حجاز کو محفوظ کر دیا۔ اس جنگ میں یروشلم کے عیسائی بادشاہ کے ساتھ Regionald (ریجی نالڈ)

بھی گرفتار ہوا جو کرک کا والی تھا اور آنحضرتؐ کے متعلق گستاخانہ گفتگو کیا کرتا تھا۔ وہ مسلمان تاجروں کے کاروانوں اور غریب حاجیوں کے قافلوں کو جو مکۂ مکرمہ یا مصر سے آتے تھے لوٹ لیتا تھا۔ اس نے ۵۷۸ ہجری میں مکہ مکرمہ اور مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر پورا نہ ہوسکا۔ ریجی نالڈ نے ایلہ میں بحری جہازوں کا ایک بیڑا بھی تیار کیا تھا تا کہ مدینۂ منورہ پر حملہ کر سکے مگر مسلمانوں کے امیر البحر لولو نے اس بحری مہم کو ناکام بنا دیا اور حرمین الشریفین صلیبوں کی یلغار سے محفوظ رہے (History : of the arabs: Hitti ٹ ص ۶۴۷، لندن ۱۹۵۱ء)

سلطان صلاح الدین نے اپنے لیے خادم الحرمین الشرفین کا لقب اختیار کیا۔ حج کے راستے کو مامون و محفوظ و بنایا اور حرمین کے لیے ایک بڑا وقف قائم کیا۔ فاطمیوں کے زمانے کے بھاری ٹیکس موقوف کر دیے۔ خدام حرمین کے لیے وظائف اور اہل حرمین کی ضروریات کے لیے غلے کی کثیر تعداد مقرر کی (معین الدین احمد ندوی۔ تاریخ اسلام، ۴: ۱۳۵۰ مطبوعہ اعظم گڑھ)

(۱) دولت ممالیک بحری (۶۴۸ ہجری/۱۲۵۰ء تا ۷۹۲ ہجری/۱۳۴۰ء)

(۲) دولت ممالیک بری (۷۵۲ ہجری/۱۳۴۰ء تا ۹۲۲ ہجری/۱۵۷ء)

سلطان صلاح الدین ایوبی کے جانشینوں کے بعد مصر اور حجاز کی زمام سلطنت ترکی ممالیک کے ہاتھوں میں آ گئی۔ یہ لوگ تازہ دم، صحت مند، نڈر اور بہادر تھے۔ بحری ممالیک کا کل سرسبد رکن الدین بیبرس بند قداری (۶۵۸ ہجری/۱۲۶۰ء تا ۶۷۶ ہجیر/۱۲۷۷ء) تھا۔ وہ اپنے کارناموں فتوحات، شجاعت اور اسلام اور مسلمانوں کی حمایت و نصرت کے لحاظ سے صلاح الدین ثانی تھا۔ اس نے ایک طرف صلیبوں کو شکستیں دیکر ان کے مقبوضات چھین لیے۔ دوسری طرف اس نے عین جالوت پر ہلاکو خان کے نائب امیر

کتبغا کو ذلت آمیز ہزیمت دی (شوال ۶۵۸ ہجری/ستمبر ۱۲۶۰ء) اور تاتاریوں کا رخ شام ،مصر اور حجاز کی طرف سے پھیر دیا اور انھیں ایران اور عراق جیسے انجام سے بچالیا۔ اس کے علاوہ باطنیوں جو مار آستیں بنے ہوئے تھے ہمیشہ کے لیے فنا کر دیا۔

۶۶۷ ہجری میں بیبرس خود حج کے لیے گیا۔ آخری خلیفۂ عباسی مستعصم کے زمانے یں مسجد نبویؐ کے حصوں میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ بیبرس نے مسجد کی تعمیر نو کے لیے قاہرہ سے بہت سے کاریگر اور عمارتی سامان بھجوایا اور عمارت کو مکمل کرایا۔ اس نے روضۂ نبویؐ کے گرد کٹہرا بنوایا اور اس کی چھت کو مطلیٰ اور مزین کرایا۔ (السمہودی: وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ، ۱: ۴۳۲، قاہرہ ۱۳۲۶ء)۔

سلطان بیبرس کے انتقال پر کچھ وقفے کے بعد اس کے حقیقی جانشین ملک المنصور سیف الدین قلاوون نے ۱۸۰ ہجری میں ہلاکو خان کے بیٹے اباقا خان کو حمص کے قریب شکست فاش دی ارمصر اور حجاز کو تاتاریوں کی یلغار سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ اس کے بیٹے ملک الناصر محمد بن قلاوون (۲۹۳ تا ۲۹۴ء) نے خود بھی حج کیا۔ مسجد نبویؐ کی چھت کی مرمت کرائی، روضۂ نبویہ کو ممیّز کرنے کی غرض سے اس پر ایک گنبد بھی تعمیر کرایا جس پر شیشے کی چادریں چڑھادی گئیں۔ مدینہ منورہ میں بہت سی سوائیں اور سبیلیں، حمام اور مدارس تعمیر کرائے۔ بحری ممالیک کے بعد برجی ممالیک (۷۹۲ ہجری/ ۱۳۹۰ء تا ۹۲۳ ہجری/ ۱۵۱۷ء) کو حرمین کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان میں سے ملک الظاہر سیف الدین چقمق (۱۴۳۸ تا ۱۴۵۳ء) اور ملک الاشرف سیف الدین قایتبای ۱۴۶۸ تا ۱۴۹۶ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں (السمہودی: وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ، ۱: ۴۳۲ تا ۴۳۷، قاہرہ ۱۳۲۶ء)

ممالیک کے عہد میں حجاز میں رفاہِ عامہ کے بہت سے کام ہوئے۔ سلطان بیبرس اور الناصر محمد بن قلاوون کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور کامیابیوں کی بدولت اسلامی دنیا کا سیاسی و

علمی مرکز بغداد سے قاہرہ منتقل ہوگیا۔ سقوطِ بغداد (۱۲۵۸ء) کے بعد عراق کی سیاسی اہمیت ختم ہوگئی اور چودھویں صدی عیسوی میں شام، مصر اور حجاز ان ممالیک کو سیاسی برتری حاصل رہی تا آنکہ سلطان سلیم اول نے مرج دابق کی جنگ (۱۵۱۶ء) میں ممالیک کے آخری فرمانروا کو شکست دے کر مصر و شام کو عثمانی قلمرو میں شامل کرلیا اور اسلامی دنیا کا مرکزی ثقل قاہرہ کے بجائے قسطنطنیہ بن گیا۔

مدینہ منورہ میں شریفی خاندان کے امرا ممالیک کی نیابت کرتے تھے۔ انھیں جدے میں اترنے والے سامانِ تجارت پر محصول میں سے حصہ ملتا تھا۔ شروع میں یمن کا رسولی خاندان حرمین الشریفین پر سیادت کے لیے ممالیک سے لڑتا بھڑتا رہا لیکن آخر کار ممالیک ان پر غالب آگئے۔ ممالیک شرفا کے خاندان میں سے جسے چاہتے تھے شریف (امیر حجاز) بنا دیتے تھے اور جسے چاہتے تھے معزول کر دیتے تھے۔ امرا کبھی کبھی خودسر اور خود مختار بھی ہو جاتے تھے، جس کی وجہ سے مصریوں کو ان کی تادیب کرنی پڑتی تھی۔ ان میں سے بیشتر امرا جابر اور سخت گیر ہوتے تھے۔ اس غرض کے لیے ممالیک نے حجاز میں فوج کے مضبوط دستے رکھنے شروع کر دیے۔

ترکان عثمانی (۱۵۱۷ تا ۱۹۱۶ء) مصر کی فتح کے بعد سلطان سلیم نے امیر مدینہ شریف برکات دوم کو خلعت بھیجا۔ شریف برکات نے اپنے لڑکے کو سلطان سلیم کی خدمت میں قاہرہ بھیج کر اظہار اطاعت کیا۔ اس کے بدلے میں سلطان نے شریف برکات کی امارت کی توثیق کر دی۔ اس کے بعد چار سو سال تک حجاز کی قسمت ترکان عثمانی سے وابستہ رہی۔ اس طویل مدت میں انھوں نے باشندگان حجاز اور خصوصاً اہلِ حرمین کی جس طرح خدمت کی اس کی تفصیل سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں۔ عثمانی سلاطین اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ دنیائے اسلام کو عیسائی حملے سے بچائیں۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور حج کے راستوں کی

حفاظت کریں۔ اس لیے حجاز میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ عثمانی سلاطین ہر سال فقرائے حجاز اور بدوؤں کے لیے غلہ بھیجا کرتے تھے۔ سلطان سلیم نے نہ صرف اس دستور کو جاری رکھا بلکہ مقررہ تعداد میں اضافے کا بھی حکم دیا اس نے مدینہ منورہ میں امیر مصلح بیگ کو بھیج کر بہت سے رفاہی کام انجام دیئے۔ اس کی داد و دہش اور امور خیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں اہل حرمین خوشحال اور فارغ البال ہو گئے (مفتی دہلان: فتحات اسلامیہ، ۲: ۱۲۵، ۱۲۶، مکہ مکرمہ ۱۳۱۱ ہجری)۔

سلطان سلیمان اعظم قانونی (۹۲۶ ہجری/۱۵۲۰ء تا ۹۷۴ ہجری/ ۱۵۶۶ء) نے مصر کے چند گاؤں بیت المال سے خرید کر ان کے غلے کو اہل حرمین کے لیے وقف کر دیا۔ خزانہ شاہی اور سلطان کی جیب خاص سے بڑی بڑی رقوم حرمین الشریفین کے علماء و مشائخ کو دی جاتی تھیں۔ سلطان سلیمان کے زمانے میں مدینہ منورہ کی جنوبی جانب سے ایک زمین دوز نہر بھی کھدوا کر شہر میں لائی گئی۔

سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں حجاز میں بدامنی کا دور دورہ رہا۔ شریفی امراء اور جدہ میں ترکی حکام کے درمیان خونریز جھڑپیں ہوتی رہیں اور عثمانی اقتدار عملاً جدہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور طائف کے شہروں تک محدود رہا۔ اندرون ملک بدو اور قبائلی شیوخ من مانی کاروائیاں کرتے رہے۔ بعض اوقات ان کی شوریدہ سری سے حج کا راستہ بھی پر خطر ہو جاتا تھا اور ترکی عمال امن قائم رکھنے اور سامان تجارت گزرنے کے لیے ان کو بھاری رقمیں دیتے رہتے تھے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں نجد میں ایک نئی مگر انقلاب انگیز شخصیت محمد بن عبدالوہاب (۱۷۰۳ء تا ۱۷۹۲ء) کا ظہور ہوا جن کا عیینہ میں مستقر تھا۔ وہ حنبلی مذہب کے پیرو اور رسوم و بدعات کے مخالف تھے۔ وہ لوگوں کو توحید خالص کی تعلیم دیتے تھے۔ وسطی

عرب میں ایک نجدی امیر محمد بن سعود م ۱۷۶۵ء) جو محمد بن عبدالوہاب کے داماد بھی بن گئے تھے کی امداد و اعانت سے یہ دینی دعوت سیاسی تحریک میں بدل گئی۔ شرک و رسوم کے خلاف نجدیوں کی شدت پکڑتی ہوئی سرگرمیوں سے مجبور ہو کر شریف غالب نے ان کا داخلہ حجاز میں بند کر دیا۔ اس پر نجدیوں نے حجاز پر حملہ کر دیا اور ۱۸۰۵ء میں مدینہ منورہ میں فاتحانہ داخل ہو گئے۔ اگلے سال انھوں نے شام اور عراق پر بھی حملے شروع کر دیے جس پر عربوں میں ناراضی کی لہر پھیل گئی۔ آخر سلطان محمود دوم نے محمد علی پاشا والیِ مصر کو نجدیوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ اس کے بیٹے طوسون پاشا نے نجدیوں کو شکست دے کر مدینہ منورہ کو ان کے قبضے سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد ابراہیم پاشا نے نجدیوں کے آخری امیر کو گرفتار کر کے اس کے مرکز درعیہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے باوجود محمد بن عبدالوہاب کی تحریک پھلتی پھولتی رہی اور اس کے اثرات مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر مغرب میں نائجیریا تک محسوس ہوتے رہے (History of the Arabs: Hitti، ص ۷۴۰ تا ۷۴۱، لندن ۱۹۵۱ء)

عثمانی سلاطین میں سے مسجد نبویؐ کی خدمت کی سعادت سب سے زیادہ سلطان عبدالمجید خان (۱۲۵۵ ہجری/۱۸۳۹ء تا ۱۲۷۷ ہجری/۱۸۶۱ء) کو حاصل ہوئی۔ اس نے مسجد نبویؐ کو عروس المساجد بنا دیا۔ ترک امرا اور ان کی بیگمات نے حرمین کی خدمت کے لیے ترکیہ میں گاؤں وقف کیے جن کی سالانہ آمدنی سے مدینہ منورہ کے محتاجوں، بیواؤں اور اہل علم کی اعانت کی جاتی تھی۔

سلطان عبدالحمید خان ثانی (۱۲۹۳ ہجری/۱۸۷۶ء تا ۱۳۲۷ ہجری/۱۹۰۹ء) کے عہد میں دمشق سے لے کر مدینہ منورہ تک ریلوے لائن تعمیر ہوئی (۱۹۰۷ء تا ۱۹۰۸ء) جس سے ترکیہ، شام اور فلسطین کے عازمین حج بلا خوف و خطر حجاز آنے لگے۔ حجاز ریلوے لائن کی تعمیر میں مسلمانان ہند نے بھی بڑی فیاضی سے حصہ لیا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں شریف حسین

بن علی ''رک باآں'' حجاز کا والی بن کر مکۂ مکرمہ پہنچا۔ اسے ترکوں نے خطرناک شخصیت سمجھ کر قسطنطنیہ میں نظر بند کر رکھا تھا۔ لیکن وہ انجمن اتحاد و ترقی کے بعض ارکان کا اعتماد حاصل کرنے اور اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے بعد حجاز کی گورنری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء) شروع ہوئی تو شریف حسین خود مختاری کے خواب دیکھنے لگا۔ اس کے بیٹے امیر فیصل ''رک باآن'' اور امیر عبداللہ ''رک باآن'' ایک عرب سلطنت کے قیام کے فریب میں انگریزوں سے مل گئے۔ انگریزوں کی شہ پر ۱۹۱۶ء میں شریف حسین نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ حجاز ریلوے کو برباد کر دیا گیا جس کی وجہ سے ترک افواج کو سامان جنگ اور سامان رسد نہ پہنچ سکا اور انھیں بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر ترکوں نے مدینہ منورہ خالی کر دیا۔ (۱۹۱۸ء) اور شریف حسین نے ملیک الحجاز کا لقب اختیار کر کے اپنے استقلال کا اعلان کر دیا اور انگریزوں نے فی الفور اسے حاکم حجاز تسلیم کر لیا۔ ۱۹۲۴ء میں شریف حسین نے خلیفۃ المسلمین ہونے کا دعویٰ کر دیا جس پر عالم اسلام بالخصوص ہندوستان اور مصر میں شدید ردعمل ہوا۔ جنگ عظیم کے اثرات کی وجہ سے اہل مدینہ منورہ کو بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ باہر سے اناج کی درآمد محدود ہو گئی۔ بدامنی اور خوفناک گرانی کی وجہ سے بے شمار باشندے مدینہ منورہ چھوڑ کر شام مصر اور ہندوستان کو چلے گئے اور شہری آبادی جو ترکوں کے عہد میں اسی ہزار کے لگ بھگ تھی گھٹ کر صرف دس ہزار رہ گئی۔ اس اثنا میں شریفی امرا کے پرانے حریف عبدالعزیز بن سعود نے نجد میں اپنی امارت قائم کر لی تھی اور وہ حجاز پر مسلط قائم کرنے کا عزم رکھتا تھا۔ انگریز بھی شریف حسین کے روز افزوں مطالبات سے تنگ آ کر سلطان عبدالعزیز بن سعود کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ اتفاق یہ کہ نجدیوں کا داخلہ بھی حرمین میں بند تھا جس سے تنگ آ کر نجدی

افواج نے حجاز کی طرف پیش قدمی کر کے ۱۹۲۴ء کے آخر میں مکہ مکرمہ اور ۱۹۲۵ء میں مدینہ منورہ پر قبضہ کرلیا اور شریف حسین نے جدہ سے قبرص کی راہ لی۔

سعودی حکومت (۱۹۲۵ء تا حال) سلطان عبدالعزیز بن سعود نے حجاز کا لقب اختیار کر کے ملک میں امن وامان قائم کیا۔ بدؤوں کی شوریدہ سری کا خاتمہ کیا، حج کے راستے کو محفوظ و مامون بنایا اور ملک کو ترقی کے راستے پر گامزن کیا۔ اس کے عہد میں مدینہ منورہ کی آبادی میں بتدریج اضافہ ہونے لگا۔ ۱۹۳۰ء میں تیل کی دریافت اور برآمد سے ملک کی خوشحالی اور اقتصادی خودمختاری کا نیا دور شروع ہوا اور اہلِ مدینہ نے بھی آسودہ حال ہو کر اطمینان کا سانس لیا۔ سلطان عبدالعزیز بن سعود کی وفات (۱۹۵۳ء) کے بعد شاہ سعود بن فیصل اور بعد اماں شاہ فیصل ''رک بآن'' (م ۱۹۷۵ء) نے زمام حکومت سنبھالی۔ مدینہ منورہ کی موجودہ ترقی و خوشحالی شاہ فیصل مرحوم کی مرہون منت ہے۔ انھوں نے مسجد نبویؐ کی توسیع و تزئین پر کروڑوں پونڈ صرف کیے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی توسیع و تکمیل کی۔ ۱۹۷۹ء مدینہ منورہ کی آبادی تقریباً ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ ان میں ہندی بخاری اور شامی مہاجرین کی بھی کافی تعداد تھی۔ شہر میں بہت سے ہوٹل کھل گئے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ کے قیام سے علمی رونق بھی آ گئی ہے۔

ادارہ تبلیغ تعلیمات اسلامی پاکستان

کی

مطبوعات

- عرفانِ حج
- عرفانِ قرآن
- گواہِ رسالتؐ
- رسالہ عالمی امامیہ میگزین ماہنامہ

اور دیگر کتب

مولانا سید محمد عون نقوی

کے زیرِ ادارت شائع ہو چکے ہیں۔

مومنین اور بک اسٹال والے آڈر دے کر طلب فرمائیں۔

ملنے کا پتہ

کمرہ نمبر ۵، رضویہ امام بارگاہ، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی

فون: 36621410, 36621221

مدینہ منورہ کے علمی وثقافتی حالات

عہد رسالت وخلافت راشدہ

اسلام سے پہلے عرب میں عام طور پر جہالت پائی جاتی تھی۔ اسلام آیا تو مدینۂ منورہ میں گھر گھر فقہ، حدیث اور تفسیر کے چرچے ہونے لگے۔ قریش کے بعض قیدیوں کا زرفدیہ یہ قرار پایا کہ انصار کے لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔ مدینۂ منورہ میں تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ ہجرت کے بعد مدینہ آنے والے دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں جا کر دوسروں کو تعلیم دیتے تھے۔ دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا یعنی لوگ مستقل طور پر مدینے میں رہتے تھے اور عقائد، شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ ان کے لیے صفہ کی خاص درس گاہ تھی اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب وروز زہد وعبادت اور زیادہ تر خدمت علم میں مصروف رہتے تھے۔ (شبلی: سیرت النبی، ۸۸:۲، مطبوعۂ اعظم گڑھ)

آنحضرتؐ کی ذات گرامی منبع علم وعرفان تھی۔ اس لیے ساکنان جزیرۂ عرب کی یہ قدرتی آرزو تھی کہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کے غزوات سنیں، آپؐ کے اعمال وافعال کا مشاہدہ کریں، آپؐ سے علمی استفادہ کریں اور غزوات میں حصہ لیں۔ ان اسباب کی بنا پر مدینۂ منورہ دارالعلم بن گیا تھا (احمد امین: فجر الاسلام، ص۱۴۲، بیروت ۱۹۶۹ء)۔ آنحضرتؐ افصح العرب والعجم تھے۔ آپؐ کے ارشادات وفرمودات اور خطبات و فرامین کتب حدیث کا سرمایہ اور عربی زبان وادب کا شاہکار ہیں۔ اکابر صحابہؓ میں حضرت

ابوبکر صدیقؓ علم الانساب کے بڑے ماہر تھے۔ شعر وسخن سے بھی ذوق رکھتے تھے۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ قرآن مجید کی اولین اشاعت کا سہرا انھیں کے سر ہے۔ حضرت عمرؓ قرآن مجید کی حفاظت اور تعلیم اشاعت کا بڑا اہتمام کرنے کے علاوہ خود شعر وسخن کے بڑے نقاد اور فقیہانہ ذہن کے مالک تھے۔ ان کے زمانے یں علم فقہ کی وبڑی ترقی واشاعت ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کا سب سے اہم کارنامہ مسلمانوں کو ایک قرأت اور ایک مصحف پر متحد کرنا ہے۔ مختلف صحابہ املا اور تلفظ مختلف طریقوں سے کرتے تھے۔ اس اختلاف کو مٹانے کے لیے حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کا مدون کیا ہوا نسخہ جو حضرت حفصہؓ کے پاس تھا منگوایا اور اس کی نقلیں کرا کے تمام ممالک اسلامیہ بھجوائیں۔ حضرت علیؑ فقہ اور شعر وخطابت میں ممتاز تھے۔ ان کے خطبات جو کتب ادب میں منقول ہیں عربی زبان وادب کی زینت ہیں۔

صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ کی احادیث کو محفوظ کرنے میں جو اہتمام بلیغ کیا اس کی مثال پیش کرنے سے دیگر اقوام عاجز ہیں۔ انھوں نے آپؐ کا ایک ایک فقرہ، ایک ایک اشارہ، ایک ایک حرکت اور ایک ایک ادا کو جس امانت اور دیانت سے عام لوگوں تک پہنچایا وہ مسلمانوں کی علمی تاریخ کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ راویان حدیث میں آٹھ صحابہ کثیر الروایات ہیں اور وہ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے زیادہ فقیہ تھیں۔ انھوں نے آنحضرتؐ سے ۲۲۱۰ احادیث روایت کیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرتؐ کے خادم خاص تھے۔ ابن سعد نے ان کو علم کا ظرف لکھا ہے۔ (طبقات الکبیر، ج ۲/ ا مطبوعہ لائیڈن)۔ فقہ حنفی کی جزئیات کا مدار انکی روایات پر ہے۔ علم

تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ ممتاز تھے۔ افتا کی خدمت حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت علیؑ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ انجام دیتے تھے (عبدالسلام ندوی: سیر الصحابہ، ۲، ۱۰۲، ۲۷۱، اعظم گڑھ ۱۹۲۲ء)۔

صحابہ کرامؓ اگرچہ ملکی مہمات اور مذہبی خدمات میں مصروف رہتے تھے تاہم وہ شعر و سخن کے ذوق شناسا تھے اور ان کی مجالس میں عام طور پر شعر و شاعری کا بھی چرچا رہتا تھا۔ وہ زیادہ تر امرؤ القیس، زہیر اور نابغہ کا کلام پسند کرتے تھے۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں اور جابی زادہ نے حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ میں بہت سے صحابۂ کرامؓ کے اشعار نقل کیے ہیں۔ شاعرانہ حیثیت سے چار صحابی یعنی حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کفار کی ہجو گوئی کے جواب میں اسلام اور مسلمانوں کی مدافعت کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے متعدد رجز اور نعتیہ اشعار صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ حضرت کعب بن زہیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد پیش کیا تھا (ابن رشیق: العمدہ، ۱، ۳۱ تا ۳۴، ۹۷ تا ۱۰۰، بار ثانی، قاہرہ ۱۹۶۳ء)

خلافت بنی امیہ

اموی دور حکومت میں اگر چہ مسلمانوں کا سیاسی مرکز دمشق منتقل ہو گیا تھا لیکن مدینۂ منورہ کی علمی رونق قائم رہی اور یہیں سے احکام وفتاویٰ فقہائے صحابہ کی مجلس میں طے ہو کر تمام دنیائے اسلام میں پھیلتے تھے۔ ان میں عبید بن عبداللہ بن عتبہ (م ۹۴ ہجری/ ۹۹ ہجری)، عروہ بن الزبیر (م ۹۴ ھ) سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۶ ھ) سعید بن المسیب (م ۹۳ ھ)، سلیمان بن یسار (۱۰۰ ھ)، خارجہ بن زید بن ثابت (م ۱۰۰) اور سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب (م ۱۰۶ ھ) مدینۂ منورہ کے فقہائے سبعہ کہلاتے تھے۔ فقہ مدینہ انھیں فقہائے سبعہ کی علمی مجالسوں کے نتائج بحث ہیں۔ ان اکابر کے علاوہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م ۱۲۴ ھ)، نافع مولی عبداللہ بن عمر (م ۱۱۷ ھ)، عبداللہ بن ذکوان (م ۱۳۱ ھ)، ربیعۃ الرائے (م ۱۳۶ ھ) اور یحییٰ بن سعید (م ۱۴۳ ھ) مدینۂ منورہ کی مسند علم کی زینت تھے (احمد امین ضحیٰ الاسلام، ۲۰۸۰۲، ۲۰۹، مطبوعۂ بیروت)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا شمار بھی نامور تابعین میں ہے۔ انھوں نے تعلیم مدینۂ منورہ میں پائی تھی۔ خلیفہ بننے کے بعد انھوں نے گورنر مدینہ قاضی ابوبکر بن حزم کو احادیث نبوی کی تدوین اور اس کے تحفظ کی طرف توجہ دلائی۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور جمع شدہ احادیث کے مجموعے تیار کرا کے تمام ممالک محروسہ میں بھیجے گئے۔ (صحیح البخاری، باب کتاب العلم، ابن عبدالبر: جامع بیان العلم، ص ۲۳۸، مطبوعۂ قاہرہ)

مدینۂ منورہ میں تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ مغازی اور سیر کا بھی چرچا تھا۔ بنو

امیہ کے آخری عہد میں جن اساطین علم نے مغازی کی تدوین میں سرگرمی دکھائی ان میں ابان بن عثمان مدنی (م ۱۰۵ھ)، عروۃ بن الزبیر بن العوام مدنی (م ۹۲ھ)، شرجیل بن سعد مدنی (م ۱۲۳ھ)، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم مدنی (م ۱۲۵ھ) اور موسیٰ بن عقبہ مدنی (م ۱۴۰ھ) قابل ذکر ہیں۔ ان کی کتابیں اگرچہ ضائع ہو گئیں لیکن ان کی بیشتر روایات محمد بن اسحٰق (م ۱۶۲ھ) اور الواقدی کی کتب سیرت و مغازی میں محفوظ ہیں (احمد امین: ضحیٰ الاسلام، ۲: ۳۲۰ تا ۳۳۴، مطبوعۂ بیروت)۔

محمد بن اسحٰق کا یہ بڑا احسان ہے کہ انھوں نے سیرت لکھ کر سلاطین اور امرا کی توجہ لایعنی ۔۔۔ وشکایات سے آنحضرتؐ کے مغازی اور آپ کی سیرت کی جانب پھیر دی۔ سیرت ابن اسحٰق صدیوں سے ناپید ہے۔ اس کے بعض اجزا فارس کی جامع القرویین میں محفوظ تھے جو محمد حمید اللہ کی تصحیح اور تحشیہ سے مراکش کی وزارۃ اوقاف کی جانب سے شائع ہوئے ہیں (رباط ۱۹۷۶ء)۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی شیخ سعدی کے زمانے میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا تھا۔ اس کے قلمی نسخے بعض کتاب خانوں میں موجود ہیں۔ ابن ہشام کی سیرت کا سب سے بڑا ماخذ سیرت ابن اسحٰق کی روایتیں گئی ہیں۔

مدینۂ منورہ کے قابل ذکر شاعر یہ ہیں: احوص (م ۱۰۰ھ/ ۷۲۸ء)، غزل گو شاعر تھا، نعمان بن بشیر الانصاری بنی امیہ کی مداحی میں مشہور تھا۔ اس کا دیوان محمد بن یوسف السورتی کی تصحیح سے شائع ہو چکا ہے (دہلی ۱۳۳۲ھ)۔ نصیب بن رباح (م ۱۰۸ھ) عبدالعزیز بن مروان کی منقبت میں قصیدے لکھا کرتا تھا (جرجی زیدان: تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، ۱: ۲۴۳، ۲۶۰ و ۲۸۹، مطبوعۂ بیروت۔

اسلامی فتوحات کے بعد حجاز میں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ بنو امیہ کے آخری زمانے میں قوم کے بعض طبقے عیش و عشرت میں ڈوب کر غنا و موسیقی کی طرف

مائل ہو گئے۔ حکومت وقت کا بھی یہی منشا تھا کہ قیشی امرا لہو ولعب میں منہمک رہ کر سیاسی مشاغل سے دستبردار ہو جائیں۔ چنانچہ حجازی امرا کو گراں قدر وظائف سے نوازا جاتا تھا۔ اس عیش کوشی سے غنا و موسیقی کو بڑی ترقی ہوئی۔ قسم قسم کی راگنیاں تانیں اور سازیں ایجاد ہوئیں اور گانے والی باندیوں کی تعلیم و تربیت میں خاص اہتمام ہونے لگا۔ اسی زمانے میں یونس نب سلیمان الکاتب المدنی (م ۱۲۶ھ) نے موسیقی میں کتاب لکھی جو اب منقود ہے (براکلمان تاریخ الادب العربی، عربی ترجمہ، ۱: ۱۹۷، ۱۹۸ مطبوعہ قاہرہ)۔

خلافت بنی عباس

عباسیوں نے خلافت عجمیوں کی مدد سے حاصل کی تھی چنانچہ سلطنت کے مناصب پر ایرانی اور بعد ازاں ترک فائز ہو گئے۔ عرب امرا باہمی بغض و عناد اور نا اتفاق سے سلطنت کے کاروبار سے بے دخل ہو کر اپنا سیاسی اثر ورسوخ کھو بیٹھے۔ خلافت کا مرکز دمشق سے بغداد منتقل ہو گیا اور بصرہ، کوفہ اور بغداد علمی مرکز بن گئے۔ اس پر بھی مدینۂ منورہ کی علمی سیادت قائم رہی اور مدینۂ منورہ ہی دار العلم بنا رہا۔ دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک مسلمانان عالم حدیث و فقہ کی تعلیم کے لیے مدینہ منورہ ہی کا رخ کرتے تھے کیونکہ صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظام کی بڑی تعداد جو علوم شریعت کی امین اور قرآن وسنت کی خزینہ دار تھی۔ مدینہ منورہ ہی میں سکونت پذیر تھی۔ اس کے علاوہ سال میں ایک دفعہ (حج کے موقع پر) مدینہ منورہ کی زیارت کا شوق لوگوں کو کشاں کشاں لے آتا تھا۔

اوائل عہد عباسی میں مدینہ منورہ کی بزرگ ترین دینی و علمی شخصیت امام مالک (م ۱۷۹ھ) ہیں جن کے درس کی بادشاہت مشرق میں سیستان سے لے کر مغرب میں اندلس تک تھی۔ ان کے اکابر شاگردوں میں امام محمد بن الحسن الشیبانی (کوفہ)، اسد بن الفرات (قیروان)، امام شافعی (مکہ) اور یحییٰ مصمودی (اندلس) جیسے اساطین علم شامل ہیں۔

(۱) امام مالک کا عظیم الشان علمی کارنامہ موطا کی تدوین ہے۔ اگرچہ امام مالک کے زمانے میں بہت سے مجموعہ ہائے حدیث مرتب ہو چکے تھے لیکن تمام علمائے حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ موطا کی حدیثیں صحت، قوت اور جودت اسناد میں سب پر فائق ہیں۔ اور

اس کے رواۃ باستثنا، چھے (یا بقول بعض نو) سب کے سب مدنی ہیں۔ (سید سلیمان ندوی: حیات مالک، ص ۱۰۱ تا ۱۰۳، مطوعہ کراچی)۔

امام مالک کی جلالت قدر کے لیے یہ امر کافی ہے کہ ہارون الرشید نے محمد الامین اور عبداللہ المامون دونوں شہزادوں کے ہمراہ حج کے موسم میں مدینۂ منورہ جا کر امام صاحب سے موطا کی سماعت کی۔ موطا (امام مالکؒ) کی بے شمار شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ بیسیوں مرتبہ ہند، مصر، مراکش میں چھپ چکی ہے۔

(۲) المدونۃ الکبری اگچہ عبدالرحمٰن بن قاسم (م ۱۹۱ھ) امام کے شاگرد کی تصنیف ہے لیکن اس لحاظ سے امام صاحب کی تصنیف کہنا درست ہے کہ یہ کتاب درحقیقت امامؒ کے ملفوظات فقہیہ کا مجموعہ ہے۔ مدولہ مصر میں چھپ گئی ہے۔

(۳) رسالت مالک الی الرشید: یہ خلیفہ ہارون رشید کے نام خط کے طور پر بائیس صفحات کا ایک رسالہ چھپ گیا ہے اور لاہور میں کسی نے اس کا ترجمہ بھی چھاپا ہے (سید سلیمان ندوی: حیات مالک، ص ۹۱، ۹۲، مطبوعہ کراچی)

محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ) تابعی اور مدنی ہیں۔ وہ سیرت اور مغازی کے امام تھے (اگرچہ بعض محدثین نے ان کی تضعیف کی ہے) کتاب المغازی ان کی جلیل القدر تصنیف ہے جو الطبری ابن الاثیر اور ابن کثیر کی تواریخ کا ماخذ ہے۔ اس کا نامکمل ایڈیشن فان کریم کے اہتمام سے کلکتہ سے اشئع ہوا تھا لیکن اب Marsde jones نے کتاب المغازی کو تصحیح اور تحشیہ کے جملہ لوازم کے ساتھ تین جلدوں میں نہایت عمدگی سے شائع کیا ہے (قاہرہ ۱۹۶۶ء)۔ الواقدی کی دوسری اہم کتاب فتوح الشام ہے جو کئی بار کلکتہ بمبئی اور قاہرہ میں چھپ چکی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مطبع نولکشور نے شائع کیا تھا (لکھنؤ ۱۲۸۶ھ)۔ فتوح مصر، فتوح العجم والعراق اور فتوح افریقیہ بھی ان سے منسوب ہیں لیکن ان کی حیثیت

مشکوک ہے (Marsden Jones: مقدمہ، کتاب المغازی، قاہرہ ۱۹۶۶ء، ص ۱۰۔۱۵)

الواقدی کے بعد مدینۂ منورہ کے سربرآوردہ علما میں مصعب بن عبداللہ (م ۲۳۶ھ) اور زبیر بن بکار (م ۲۶۵ھ) کا شمار ہے۔ جو آل زبیر سے تعلق رکھتے تھے۔ مصعب بن عبداللہ کی کتاب ''کتاب نسب قریش E.Levi Provencal نے شائع کی ہے (قاہرہ ۱۹۵۳ء)۔ زبیر بن بکار مصعب بن عبداللہ کے بھتیجے تھے۔ ابن الندیم نے کاتب الفہرست میں ان کی ۳۳ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کی کتاب جمہرۃ نسب قریش و اخبارہا، عد کے مصنفین کا قیمتی مآخذ رہی ہے۔ کتاب کے نصف آخر کو محمد محمود شاکر نے نہایت عمدگی اور صحت سے شائع کیا ہے (قاہرہ ۱۳۸۱ھ)۔ زبیر بن بکار کی دوسری تصنیف الموفقیات ہے جو انھوں نے اپنے شاگرد متوکل کے لیے لکھی تھی۔ یہ کتاب تاریخ اور ادب کا کشکول ہے۔ اس کے بعض اجزا (۱۶ تا ۱۹) وسٹنفلٹ کی علمی مساعی سے گوٹنگن میں شائع ہو چکے ہیں (۱۸۷۸ء) محمد محمود شاکر: مقدمہ، جمہرۃ نسب قریش و اخبارہا، ص ۱۳ تا ۲۳، قاہرہ ۱۳۸۱ھ)۔

اس زمانے میں اکابر علمائے اسلام اپنی تصانیف کا اغاز و اختتام مدینہ منورہ میں کیا کرتے تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ الکبیر اور جامع الصحیح کی تکمیل و تدوین مسجد نبویؐ ہی میں کی تھی۔ عباسیوں کے بعد ایوبی چرکسی اور عثمانی سلاطین نے مدینہ منورہ میں مدرسے بھی بنوائے، کتابخانے بھی قائم کیے وظیفے بھی جاری کیے اور حرم نبویؐ کے مدرسین کے لیے بیش قرار تنخواہیں بھی مقرر کیں مگر خاص عربوں نے اس سے بہت کم فائدہ اٹھایا۔ یہ سب بیرونی اور آفاقی مہاجرین تھے جو اب مدینہ منورہ کی مسند علم کی زینت تھے۔ اس دور کے تذکروں اور تراجم کی کتابوں میں ایسے مدنی علما کا ذکر نہیں ملتا جنھیں علوم اسلامیہ کی کسی

شاخ میں امامت کا درجہ حاصل ہو۔ عباسی سلطنت کے زوال اور سقوط بغداد کے بعد قاہرہ اور دمشق علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مرکز بن گئے تھے۔ نویں صدی ہجری کے آخر میں امام السخاوی (م۹۰۲ھ) کے فیض و افادہ کی کرنیں دنیائے اسلام کے ہر گوشے میں پڑ رہی تھیں۔ مدینہ منورہ میں آ کر ان کے کمال نے نور علیٰ نور کا مرتبہ حاصل کیا۔ ان کے بعد ان کے شاگردوں نے حرمین میں علم حدیث کی شمع فروزاں کی۔ گیارھویں صدی ہجری میں مدینہ منورہ کی مسند شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی سے زینت پائی۔ یہی وہ وبزرگ ہیں جن کے درس میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جا کر شریک ہوئے تھے۔ (سید سلیمان ندوی: ہندوستان میں علم حدیث، در معارف ، اکتوبر ۱۹۲۸ء)۔ ان متاخر صدیوں میں مدینہ منورہ سے نسبت رکھنے والے مندرجہ ذیل علما قابل ذکر ہیں:

(۱) برہان الدین ابن فرحون (م ۷۹۹ھ)، (نزیل مدینہ) مصنف الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب (۲) نور الدین السمہودی (م۹۱۱ھ) مصنف وفاء الوفا بلخبار دار المصطفیٰ، قاہرہ، ۱۳۲۲ھ، السمہودی نے اس کا اختصار خلاصۃ الوفا کے نام سے کیا تھا جس کا فارسی ترجمہ بعض کتاب خانوں میں موجود ہے۔ (۴) ابوالحسن ابراہیم الکورانی المدنی (۱۰۲۵ تا ۱۱۰۱ھ) مصنف الامم لایقاظ الہمم (مصطلح الحدیث)، مطبوعۂ حیدر آباد دکن، (۵) محمد کبریت الموسوی المدنی (م ۱۰۷۰ھ)، مصنف الجواہر الثمینہ فی محاسن المدینہ (۶) سید جعفر بن سید محمد البہتی المدنی (م۱۱۸۲ھ/ ۱۷۶۸ء)۔

مطبوعات باب العلم دارالتحقیق

زیر سرپرستی

حجۃ الاسلام مولانا سید شہنشاہ حسین نقوی (قمی)

فروغ ایمان ٹرسٹ، شمالی نارتھ ناظم آباد، کراچی

E-mail: www Babulilm.info

۱۔ منتخب شرح نہج البلاغہ	زیر طبع
۲۔ تہذیب زندگی	طبع شدہ
۳۔ مناسک حج مخصوص خواتین	طبع شدہ
۴۔ نکتہ جہاں بانی ''عہدنامہ مالک اشترؒ''	طبع شدہ
۵۔ احکام نساء	طبع شدہ
۶۔ نسیم رحمت (دعاؤں کا مجموعہ)	طبع شدہ
۷۔ میری یادیں	طبع شدہ
۸۔ پاکستان میں شیعہ علماء کا کردار	زیر طبع
۹۔ مشکل کشائے معنوی	زیر طبع
۱۰۔ خورشید وفا علیہ السلام	زیر طبع
۱۱۔ نکتہ جہاں بانی (زندگانی حضرت سلمان فارسیؓ)	زیر طبع
۱۲۔ نہج الاعمال	زیر طبع
۱۳۔ امریکا امام خمینیؒ کی نظر میں	زیر طبع
۱۴۔ سیرت معصومینؑ (سوالات وجوابات)	زیر طبع
۱۵۔ تاریخ شہداء	زیر طبع
۱۶۔ تفسیر آیاتِ ولایت	زیر طبع

آج کا مدینہ منورہ

آج کا مدینہ منورہ

اس وقت آپ مدینہ منورہ میں ہیں۔ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، مدینہ جس نے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنے دل کے دروازے کھول دیے تھے جب کہ ساری دنیا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹھکرا دیا تھا۔ مدینہ جسے ہجرت گاہ رسول ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ مدینہ جس نے تمام غزوات میں دست و بازو کی حیثیت سے آپ کا اور آپ کے مہاجر صحابہ کا ساتھ دیا تھا۔ وہ مدینہ جہاں پر قرآن کی بہت ساری سورتیں نازل ہوئیں۔ یہی وہ مقام ہے جسے قرآن پاک کے جمع وتدوین اور حفظ و کتابت کا شرف حاصل ہوا اور یہیں سے قرآن عظیم کو ساری دنیا میں تقسیم کیا گیا۔ مدینہ یہ مدفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ رسالت فرمائی اور حق امانت ادا فرمانے کے بعد دار فانی سے دار آخرت کی طرف کوچ فرمایا اور امت مسلمہ کے لیے وہ عظیم الشان دولت چھوڑ گئے جسے تھام کر وہ کبھی ضائع و برباد نہیں ہو سکتے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مدینہ منورہ قدر و منزلت میں مکہ مکرمہ سے کچھ کم نہیں۔ یہاں مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ دوسرا حرم پاک ہے یہ شہر سعودی عرب کے لیے قابلِ فخر ہے۔ مدینہ کے پچانوے نام ہیں۔

مدینہ منورہ کی تعمیر و ترقی اور تزئین

حجاج کرام جیسا کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں بے شمار تعمیر و ترقی اور زیبائش اور آرائش کی کاروائیوں کا معائنہ کیا ہے ٹھیک اسی طرح کی سرگرمیاں آپ کو مدینہ منورہ میں بھی نظر آئے گی۔ شاہ فہد کے متعین کردہ مقاصد کے پیش نظر اہل وطن اور حکومت کی کاوشیں اور جدوجہد روز افزوں، مائل بہ اضافہ و ترقی ہیں۔ شاہ فہد کا عظیم الشان منصوبہ یہ ہے کہ ان دونوں شہروں کو رشک عالم بنادیا جائے اور دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں انھیں امتیازی حیثیت حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ مدینہ کی تعمیر و ترقی میں انجینئرنگ اور فن تعمیر کے جدید ترین وسائل کا سہارا لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ان دونوں شہروں کا فضائی سروے کرایا گیا تا کہ اس کی مدد سے تفصیلی نقشہ مرتب کیا جائے اور اسی نقشے کو تعمیر و ترقی کی بنیاد بنائی جائے۔ اس فضائی سروے کی اسکیم میں ایک خطیر رقم خرچ ہوئی جس کی لاگت ۲۳۲۸۸۰۰۰ ریال ہے۔ ایک ماہر سعودی فرم نے یہ کام سرانجام دیا۔

چونکہ ان تمام تعمیر و ترقی کے کاموں میں شاہ فہد کی ذاتی دلچسپی ہے اسی لیے انھوں نے اپنے ہی سربراہی میں ایک وزارتی کمیٹی ترتیب دی ہے اور اسکا نائب سربراہ عزت مآب جناب امیر عبدالمجید بن عبدالعزیز آل سعود کو مقرر فرمایا ہے جو مدینہ منورہ کے امیر ہیں تا کہ یہ کاروائیاں بغیر کسی رکاوٹ اور توقف کے جاری رہ سکیں اور سالوں کا کام دنوں کے حساب سے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ تمام کاروائیاں جو مختلف نوعیتوں کی تھیں اور مختلف شعبوں سے متعلق تھیں بیک وقت کی گئیں اور باحسن و خوبی انجام دی گئیں۔ ان تمام ترقیاتی

کاموں میں جو سب سے زیادہ اہمیت کا حامل کام ہے وہ شاہ فہد کا توسیع حرم نبوی کا عظیم الشان منصوبہ ہے۔ یہ توسیعی کام حرم نبوی کی تاریخ کا سب سے بڑا کام ہے جسے اب تک کی تاریخ میں سب سے بڑا منصوبہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

مدینہ منورہ کی بلدیہ

مدینہ منورہ کی بلدیہ نے شہر کی تعمیر وترقی اور زیبائش وآرائش کے سلسلے میں ایک ہمہ گیر منصوبہ بندی کرلی ہے اور ان تمام کارروائیوں کی ابتداء اس شہر کے قلب مقدس، مسجد نبوی شریف سے ہوگی تاکہ تمام تر ترقیاتی منصوبے حقیقی معنوں میں بااحسن وخوبی انجام کو پہنچیں۔

اس ہمہ گیر اور عظیم الشان منصوبے کی تکمیل میں مجموعی اعتبار سے ۲۰،۰۰۰،۰۰۰ ریال کی لاگت آئی ہے۔ گزشتہ پانچ سالوں میں مدینہ منورہ کی بلدیہ نے بہت سارے منصوبوں کا نفاذ کردیا ہے۔ ان میں سے کچھ اہم منصوبوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

- مدینہ منورہ کے اندرون شرقی علاقے نیز شارع الملک عبدالعزیز اور باب الشامی کے علاقہ میں واقع جائیدادوں کے سلسلے میں تصفیہ حقوق ملکیت اور بعض چوراہوں کی مرمت واصلاح۔ اس کی لاگت کا اجمالی تخمینہ ۱,۲۴۳,۰۰۰,۰۰۰ ریال ہے۔
- سڑکوں کی تعمیر ومسجد نبوی سے متصل علاقے میں سروس لائنوں کا قیام۔ لاگت ۶۹۶,۹۱۳,۲۳۵ ریال۔
- مدینہ منورہ میں سینیٹری (گندے پانی کی نکاسی) کا منصوبہ۔ لاگت ۵۴۶,۶۴۱,۰۰۰ ریال۔
- شارع السلام کا منصوبہ مع تصفیہ حقوق ملکیت۔ لاگت ۶۹۰,۰۰۰,۰۰۰ ریال۔

- مدینہ منورہ کے داخلی حصوں کی زیبائش وآرائش کا منصوبہ۔ لاگت ۴۱،۵۰۰،۰۰۰ ریال۔
- یونیورسٹی کی شاہراہوں کی تزئین کا منصوبہ مع تصفیہ حقوق ملکیت ۔ لاگت ۴۰۴،۰۰۰،۸۸۸ ریال۔
- پانی ذخیرہ کرنے اور آب رسانی کا منصوبہ۔ لاگت ۳۳۴،۹۳۳،۰۰۰ ریال۔
- مناخہ سرنگ کی کشادگی اور اس کے پہلے اور دوسرے مرحلے کا اجراء۔ لاگت ۲۶۹،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔
- کنویں کی کھدائی اور اس کے جملہ لوازمات کا منصوبہ۔ لاگت ۲۵۷،۲۶۴،۰۰۰ ریال۔
- پبلک سروس کے دفاتر کی منتقلی کا منصوبہ۔ لاگت ۹۷،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔
- مسجد قباء کی سرنگ کا اجراء۔ لاگت ۹۷،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔
- مسجد قباء سے متصل علاقے کی آرائش وزیبائش اور تصفیہ حقوق ملکیت۔ لاگت ۸۵،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔
- الصافیۃ پل کا منصوبہ۔ لاگت ۶۶،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔
- مدینہ کی بعض شاہراہوں کی تزئین وسجاوٹ۔ لاگت ۴۵،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔
- طیبہ سرنگ کی تعمیر کا منصوبہ۔ لاگت ۴۴،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔
- مدینہ منورہ کے داخلی حصوں میں پانی کی لائنوں کی اصلاح، کنوؤں کی کھدائی اور آب رسانی کا منصوبہ۔ لاگت ۳۹،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔
- تیسرے رنگ روگڈ کو برابر کرنا اور اس کی مرمت۔ پہلے اور دوسرے دو مرحلوں میں لاگت ۳۰،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔
- سڑکوں کی مرمت اور اسفالٹ بچھانے کا منصوبہ۔ لاگت ۲۸،۸۰۶،۹۴۸ ریال۔
- مسجد قباء کی کار پارکنگ کے قیام کا منصوبہ۔ لاگت ۲۵،۰۰۰،۰۰۰ ریال۔

- مسجد قبلتین کے جانبی علاقے کی آرائش و زیبائش کا منصوبہ۔ لاگت ۱۵,۰۰۰,۰۰۰ ریال۔
- مدینہ منورہ کے جدید محلوں کی سڑکوں پر اسفالٹ بچھانے کا منصوبہ۔ لاگت ۳۲,۰۰۰,۰۰۰ ریال۔
- ''حارۃ الغوت'' خواجہ سراؤں کے محلے کا خاتمہ۔ لاگت ۱۶,۰۰۰,۰۰۰ ریال۔
- مدینہ منورہ کی سڑکوں کی آرائش و زیبائش اور حفاظت کا منصوبہ۔ لاگت ۷,۰۰۰,۰۰۰ ریال۔
- فضائی سروے اسکیم سے متعلق نقشوں اور تحقیقات کی ڈیزائن تیار کرنے کا منصوبہ۔ لاگت ۱۵,۰۰۰,۰۰۰ ریال۔
- مرکزی علاقے کا سروے۔ لاگت ۸,۱۱۳,۰۰۰ ریال۔
- عام تفریح گاہوں اور بڑے پارکوں کی احاطہ بندی۔ لاگت ۱۵,۰۰۰,۰۰ ریال۔

اسی طرح عوامی پارکوں کے سلسلے میں دیگر منصوبے بھی ہیں جس کے نتیجے میں اب تک ۶۰ سے زیادہ پارک وجود میں آ چکے ہیں۔ نیز ابھی درخت لگانے، تجارتی مراکز کو ترقی دینے کا پارکنگ اور رہائشی محلوں کی تنظیم کے سلسلے میں بہت سے منصوبے باقی ہیں۔ اس کے علاوہ مرکزی ایطامامدینہ منورہ کے اطراف واکناف کے دیہاتوں کو آپس میں مربوط کرنا، پرنس محمد بن عبدالعزیز روڈ وایئرپورٹ روڈ کے چوراہے سے الخالدیہ رہائشی علاقے تک پکی سڑک اور لائٹنگ کا پروجیکٹ شامل ہے۔

طیبہ انویسٹمنٹ اور ریئل اسٹیٹ ڈویلپمنٹ کمپنی

جس طرح مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام سے متصل علاقوں کی تعمیر و ترقی اور زیبائش و

آرائش کی خاطر ہم وطنوں کی شراکت سے ایک کمپنی کا وجود موجود ہے۔ اسی طرح خادم الحرمین نے مدینہ منورہ میں ایک فرم کے قیام کا فیصلہ کیا اور ''شرکتہ طیبۃ للا شمار والتمنیۃ العقاریۃ'' کے نام سے ایک کمپنی کا قیام عمل میں آ گیا اور وزارتی کمیٹی کی موافقت سے مورخہ ۲۶-۶-۱۴۰۷ ہجری بمطابق ۱۹۸۷ء کو اس کی بنیاد ڈال دی گئی۔ اس کمپنی کے قیام کا مقصد مسجد نبوی کے اطراف میں پھیلے ہوئے علاقوں کی تعمیر و ترقی اور زیبائش و تزئین ہے۔ کمپنی کے دائرہ کار میں علاقے کے تمام مکانات اور جائدادیں شامل ہیں یعنی کمپنی معاوضہ ادا کرنے کی دو صورتیں متعین کرتی ہے۔

(۱) نقد مال ادا کر کے زمین خریدنا۔

(۲) بقدر جائیداد کمپنی میں حصہ دار بنانا۔

حکومت نے اس سلسلے میں کمپنی کی بھرپور معاونت کی ہے۔ اپنے خرچ پر تفصیلی نقشے بنوائے اور زمین کی پیمائش کی تفصیلات کمپنی کو مہیا کر دیں۔ اسی طرح منصوبے میں داخل شدہ جائیدادوں کی قیمتوں کا اندازہ لگانے والی کمیٹی نے بھی ہر زمین کے متعلق معلومات اور بیانات کی فراہمی کے ذریعہ کمپنی کے ساتھ تعاون کیا تاکہ مطلوبہ جائیداد کی قیمتوں کا اندازہ کرتے وقت اس سے استفادہ کیا جا سکے۔

شاہراہیں

ملکی سیاست کے مطابق مملکت کے تمام علاقوں، شہروں اور بڑے دیہاتوں کو آپس میں ملا دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مکمل نیٹ ورک پروگرام کے تحت تمام بڑی سڑکوں کو دوسری سڑکوں کے ساتھ اور فلائی پلوں کے ذریعہ ملا دیا گیا ہے۔ مدینہ شہر میں ۲۰ سے زیادہ منصوبے اور شہر سے باہر ۲۰ سے زیادہ منصوبے منظور ہو چکے ہیں۔

وزارت مواصلات نے جو منصوبے مکمل کیے ہیں ان میں اہم کی تفصیل ذیل میں ہے:

شاہراہِ ہجرت: اس سڑک کی بہت ہی اہمیت ہے اور اسی اہمیت کے پیشِ نظر ملک فہد نے بنفس نفیس اسکا افتتاح فرمایا۔ یہ تقریباً وہی راستہ ہے جس کے ذریعہ اللہ کے رسول نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی۔

یہ سڑک بہت ہی سیدھی اور کھلی، تیز رو ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور بغیر کسی کراسنگ کے نہایت ہی اعلیٰ معیار پر اس کی تعمیر ہوئی ہے۔ اور اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے راستے میں ۲۷ اور فلائی پل ہیں جن کے ذریعے اس کے دونوں اطراف میں واقع شہروں اور دیہاتوں میں پہنچنا بہت ہی آسان ہے۔

اس کی لمبائی مکہ مکرمہ سے لے کر مدینہ منورہ تک ۴۲۰ کلومیٹر اور جدہ سے مدینہ منورہ تک ۳۹۶ کلومیٹر ہے۔ اس سڑک سے کئی برانچ سڑکیں جو ۴۰ سے ۷۶ کلومیٹر لمبی ہیں بھی نکالی گئی ہیں جو مختلف اہم مقامات کو جاتی ہیں۔

اس دورویہ سڑک میں چھ گاڑیاں چل سکتی ہیں تین آنے کے لیے اور تین جانے کے لیے، درمیان میں ۲۰ میٹر چوڑی جگہ چھوڑی گئی ہے۔

تین سال کے عرصہ میں مکمل ہونے والے اس منصوبے میں گیارہ سے زیادہ سعودی کنسٹریکشن کمپنیوں نے حصہ لیا اور مجموعی اخراجات ۲,۵۴۳,۰۰۰,۰۰۰ ریال ہوئے۔

الفریش۔ الفقرہ روڈ: ویسے تو سڑک کی لمبائی ۴۲.۵ کلومیٹر سے زائد نہیں مگر دوسری برانچ شاہراہوں سے رابطہ قائم کرنے کے سلسلے میں اس کی خاص اہمیت ہے۔ یہ سڑک مدینہ منورہ کے راستے میں مقام بدر پر واقع ہے اور "الفقرہ" کے پہاڑی سلسلے تک چلی گئی ہے۔ اس پہاڑی علاقے کی بلندی سطح سمندر سے ۱۶۰۰ میٹر ہے۔ یہ چیز داخلی سیاحت کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ الفقرہ کی فضاء گرمیوں میں معتدل ہوتی ہے جس کی

وجہ سے یہ مقام اہل مدینہ کے لیے گرمیاں گزارنے کا مقام بنایا جا سکتا ہے۔

رنگ روڈ: یہ وہ سڑکیں ہیں جو ملک کے کئی بڑے شہروں میں تعمیر کی گئی ہیں۔ اس کا مقصد ٹریفک کی دشواریوں پر قابو پانا ہے نیز اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص شہر میں داخل ہوئے بغیر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہونا چاہے تو وہ شہر میں داخل ہوئے بغیر گزر سکتا ہے۔

اسی طرح کی بعض سڑکیں شہری و دیہی معاملات کی وزارت نے مدینہ منورہ میں تعمیر کرائی ہیں اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) پہلا رنگ روڈ (طول ۶ کلومیٹر، عرض ۳۰ میٹر)

(۲) دوسرا رنگ روڈ (طول ۲۷ کلومیٹر، عرض ۸۴ میٹر)

(۳) تیسرا رنگ روڈ (طول ۴۰ کلومیٹر، عرض ۱۰۰ میٹر)

ایئر پورٹ، الھجرہ سڑک: اس کا طول ۳۰ کلومیٹر اور عرض ۶۴ میٹر ہے۔ یہ راستہ ایئر پورٹ کی کراسنگ سے شروع ہوتا ہے اور الھجرہ روڈ تک جاتا ہے۔

شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس

تاریخی حیثیت سے یہ بات معروف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کے کچھ حصے کا نزول مدینہ منورہ میں بھی ہوا۔ پھر اس کے بعد مدینہ ہی میں آپ کے خلفاء رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شریعت کے حتمی ضوابط کے تحت قرآن پاک کے جمع کرنے کا اہتمام فرمایا اور اسی کی کتاب مکمل ہوئی۔ جب حضرت عثمان غنی کا دور آیا تو انھوں نے بہت سارے نسخے لکھوا کر تقسیم کرائے اور اس سلسلے میں انھوں نے اپنے پیش رو خلفاء کے نسخے پر سند کی حیثیت سے اعتماد کیا اس کے علاوہ باقی تمام نسخوں کو جلا ڈالا۔ اور اپنے رائج

کردہ نسخے کے علاوہ تمام دوسرے نسخوں کے استعمال سے منع فرمادیا۔

اور اس دور سے آج تک قرآن کریم تمام قسم کی تحریف یا ردوبدل سے محفوظ رہا۔ امت مسلمہ کے افراد خواہ کسی علاقے سے تعلق رکھنے والے ہوں اس وقت سے لے کر آج تک بغیر کسی کمی یا زیادتی کے اسی طرح قرآن پڑھتے چلے آرہے ہیں جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ اب تک قرآن پاک کے کروڑوں نسخے شائع ہوچکے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی اس مطلوبہ معیار پر نہیں اتر سکا جو قرآن کریم کے مقام ومرتبے کے شایانِ شان ہو۔ یہی وہ چیز تھی جس نے خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود کو ایک ایسی اکیڈمی کے قیام پر آمادہ کیا جو اعلیٰ ترین اوصاف اور انتہائی کمال کے ساتھ طباعت قرآن کی ضمانت دے سکے۔ درحقیقت شاہ فہد ایک ایسے انسان ہیں جو اپنے جملہ وسائل کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر کمربستہ ہیں۔

چونکہ مدینہ منورہ قرآن کا شہر ہے اس لیے کہ یہیں پر قرآن پاک کا نزول ہوا اور یہیں اس کو حفظ کیا گیا اور پھر ساری دنیا میں تقسیم ہوا۔ اسی لیے شاہ فہد نے اس اکیڈمی کے محل وقوع کے طور پر مدینہ منورہ ہی کا انتخاب فرمایا تاکہ قرآنی مرکز کی حیثیت سے مدینہ کے دور سابق کا اعادہ ہو۔ یعنی یہیں سے چھپ کر ساری دنیا کے ہاتھوں پہنچے اور لوگ اس سے استفادہ کریں اس کے علاوہ دنیا کے بہترین قراء کی تلاوت قرآن کی ریکارڈنگ کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سنگ بنیاد: بالآخر وہ روز سعید آ گیا جب وزارت حج واوقاف نے اس کی تمام پلاننگ کو مکمل کیا اور اس منصوبہ کو فکری اور نظریاتی حدود سے نکال کر عالم وجود میں لانے کا بندوبست کر دیا اور ۱۶ محرم ۱۴۰۳ ہجری بمطابق ۱۹۸۳ء کو خادم الحرمین نے اپنے ہاتھوں سے اس کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ یادگاری تختی سے پردہ اٹھاتے ہوئے شاہ محترم نے فرمایا کہ ہمیں امید ہے یہ منصوبہ خیر وبرکت کا سبب ہوگا۔ اس سے قرآن کریم اور مسلمانوں کی

خدمت ہو سکے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دین اور دنیا کے تمام امور میں مدد اور توفیق چاہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اس عظیم منصوبے کو دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ ہماری دعا ہے کہ قرآن کریم سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور اس پر غور و فکر کریں۔

اس کے بعد اس منصوبے پر تیزی سے عمل درآمد شروع ہوا اس کے جملہ وسائل کی فراہمی کے سلسلے میں زبردست کوشش کی گئی یہاں تک کہ دو سال کی مدت میں یہ منصوبہ تکمیل کے مراحل طے پا گیا اور شاہ فہد نے اس کی پروڈکشن شروع ہونے پر اس کا افتتاح فرمایا۔ شاہ موصوف نے اس وقت مہمانوں کی کتاب میں یہ عبارت لکھی:

"آج ہم نے اپنے خوابوں کی بلند ترین تعبیر پالی ہے۔ اس لیے سعودیہ کے ہر شہری کا فریضہ ہے کہ وہ اس نعمت عظمیٰ کے حصول پر رب کائنات کا شکریہ ادا کرے۔ میں اللہ رب العزت سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے سب سے پہلے اپنے دین کی خدمت کی توفیق بخشے پھر اپنے وطن اور تمام مسلمانوں کی خدمت کا موقع عطا فرمائے"۔

اس منصوبہ کے اہم مقاصد ذیل میں ہیں:

۱۔ مصحف مدینہ منورہ کی پرنٹنگ جو اپنے اعلیٰ اوصاف اور وقت طباعت کے اعتبار سے دنیا میں طبع ہونے والے تمام نسخوں سے ممتاز ہو نیز قرآن پاک کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنا۔

۲۔ سعودی عرب اور عالم عربی و اسلامی کے تمام پڑھنے اور سننے والے مواد کی اشاعت کرنا۔

۳۔ ایسی علمی تحقیقات کا اجراء جو قرآن کریم، سنت نبویہ اور اس سے متعلق علوم کے سلسلے میں کسی بھی طرح سے معاون ثابت ہوں۔

قرآن کریم کی طباعت کے لیے قائم کردہ یہ کمپلیکس اور اس کے ادارے ۲۵۰,۰۰۰ مربع میٹر کے رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں جو تمام اقسام اور ضروریات کی عمارتوں پر مشتمل ہیں۔ چھاپہ خانہ، ملازمین کی رہائش گاہیں اور دیگر امور کی عمارتیں۔

سفر ۱۴۲۲ ہجری (مئی ۲۰۰۱ء) تک اکیڈمی کی مصنوعات مختلف ایڈیشنوں کے ۱۶۵,۰۰۰,۰۰۰ نسخوں تک پہنچ چکی ہے جو اس طرح ہیں (انتہائی اعلیٰ قسم مسجدوں کے لیے اعلیٰ اقسام، مترجم سورۂ یاسین، پاکٹ سائز، علیحدہ ۳۰ پارے، عام قسم، علیحدہ آخری دس پارے اور آڈیو کیسٹ میں ریکارڈنگ شدہ قرآن پاک)۔

کمپلیکس نے دنیا کے مختلف حصوں میں ۱۴۲,۰۰۰,۰۰۰ سے زائد نسخے تقسیم کرائے جو اسلامی وزارت اوقاف اور مساجد و مدارس میں روانہ کیے گئے۔

خادم الحرمین الشریفین نے قرآن پاک کی نسخوں کی خاصی بڑی تعداد روس کے مسلمانوں کو بطور خاص تحفہ ارسال کی جس کا بہت زیادہ اثر ہوا کیونکہ گزشتہ ۷۰ سالوں میں ان کے پاس پہلی مرتبہ قرآن پہنچا۔

کمپلکس نے چینی، ترکی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، ہوسا، تھائی، پشتو، براہوی، البانی، انڈونیشی، بنگالی، بوسنی، تامل، صومالی، قذاقی، ایوری، اسپینی، فارسی، کشمیری، کوریائی، ملاباری، ماسی، ڈونی، یوروبا، یونانی، آنکو، برمی اور زلوز بانوں میں قرن پاک کے معانی کی تفسیریں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

کمپلیکس کی سالانہ پیداوار صلاحیت مختلف اشاعتوں کے حساب سے ۱۰,۰۰۰,۰۰۰ نسخوں تک پہنچتی ہے اگر تین شفٹ روزانہ کام کیا جائے تو اس میں مزید تین گناہ اضافہ ممکن ہے۔

حجاج کرام اور زائرین مسجد نبوی کو سالانہ ۱,۰۰۰,۰۰۰ سے زیادہ قرآن پاک کے

نسخے معہ تفسیر وترجمہ تقسیم کیے جاتے ہیں۔

مدینہ یونیورسٹی (جامعہ اسلامیہ)

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ہے۔ یہ مملکت سعودیہ عربیہ میں قائم ہونے والی یونیورسٹیوں میں ترتیب کے اعتبار سے دوسری یونیورسٹی ہے۔ یہ یونیورسٹی جیاس کہ اس کے بنیادی ضابطے میں درج ہے مقاصد اور افادیت کے اعتبار سے ایک عالمی اسلامی ادارہ ہے۔ اگرچہ وابستگی کے اعتبار سے وہ سعودی عرب میں ہے۔

مدینہ یونیورسٹی کی بنیاد ۱۳۸۱/۳/۲۵ ہجری بمطابق ۱۹۶۱ء کو پوری دنیا سے آنے والے دینی علوم کے طلبہ کے استقبال اور اسلامی دین کے ماہر اور مبلغین کو تیار کرنے کے لیے رکھی گئی۔ یونیورسٹی میں سعودی طلباء کی نسبت ۲۰ فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ باقی تمام طلباء ۱۰۰ مختلف شہریتوں سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

یونیورسٹی کے تحت مندرجہ ذیل کالج ہیں:

۱۔ دعوت اور اصول دین کا کالج

۲۔ قرآن کریم اور اسلامی تعلیم کا کالج

۳۔ حدیث شریف اور اسلامی تعلیم کا کالج۔

۴۔ شریعت کالج۔

۵۔ عربی زبان کا کالج۔ یہ کالج ۱۳ خصوصی اقسام پر مشتمل ہیں۔

اسی طرح بہت سے مدارس اور علمی ادارے جو یونیورسٹی کے تحت چلتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ پرائمری انسٹیٹیوٹ۔

۲۔ سکنڈری انسٹیٹیوٹ۔

۳۔ مدینہ منورہ دار الحدیث۔

۴۔ مکہ مکرمہ کا دار الحدیث۔

۵۔ عربی زبان کی تعلیم کا خصوصی شعبہ جو غیر عرب کے لیے ہے۔

یہ یونیورسٹی ایک مکمل مادر علمی ہے اس میں کالجوں کے لیے کئی ایک لائبریریاں جن میں مرکزی کالج، پوسٹ گریجویٹ اسٹیڈیز اور حدیث کی لائبریریاں شامل ہیں۔

مدینہ منورہ پر ایک نظر

مدینہ منورہ میں پرائمری، مڈل اور ہائی کالسوں کے مختلف تعلیمی مراحل کے اخراجات ۳۰۰۰ ۷۸۴ ۲۷ ریال ہیں۔ مدارس کی تعداد بڑھ کر ۳۷۷ ہوگئی ہے جس میں پرائمری، مڈل اور ہائی سکول شامل ہیں۔ اس کے علاوہ نو انسٹیٹیوٹ اور نابیناؤں کے لیے ایک انسٹیٹیوٹ ہے۔ لڑکیوں کے لے پرائمری، مڈل، ہائی اور کالج پر مجموعی طور پر اخراجات ۰۰۰، ۰۰۰، ۸۴ ریال ہوئے۔ پورے ملک میں جس طرح حکومت ترقیاتی کام کر رہی مدینہ منورہ بھی ان ساری سہولتوں سے بہرہ ور ہے۔ زراعت کا ترقیاتی بنک ، بنک آف ڈویلپمنٹ فنڈ اور صنعتی ترقیاتی بنک جیسے ادارے موجود ہیں۔

تمام اہم وزارتوں کی برانچیں موجود ہیں۔ اہل وطن کی تعمیر و ترقی کے لیے مختلف منصوبوں پر عمل درآمد جاری ہے۔ اس طرح پانی، بجلی، سینٹری، ٹیلی فون، ٹرانسپورٹ، امور صحت، معاشرتی اور نوجوانوں کی بہبود کے لیے ادارے بھی موجود ہیں۔

پبلک سروس کے بعض منصوبے جو حجاج کرام اور زائرین کے لیے مخصوص ہیں سارا سال جاری رہتے ہیں۔ جب کہ بعض منصوبے ایامِ حج کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔

مسجد نبوی

مسجد نبوی کے فضائل

مسجد نبوی کے بنیاد تقویٰ

مسجد نبوی اُن مساجد میں سے ہے جن کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث میں دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ

"پہلے روز سے ہی جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس کا زیادہ حق ہے کہ آپ اس میں قیام کریں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید حذریؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد مسجد نبوی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں وارد دیگر احادیث نبویہ و آثار صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد قباء اور مسجد نبوی دونوں اس آیت کا مصداق ہیں۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۷، ص ۲۴۵) اور علامہ سمہودی نے وفاء الوفا (ج ۲، ص ۴۱۵) اور ابن الجوزی نے زاد المسیر فی علم التفسیر (ج ۳، ص ۴۱۵) میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔

مسجد نبوی میں تعلیم و تعلم کی فضاء

حصول علم عبادت ہے اور قرب خداوندی کا باعث ہے لیکن جب اس کا تعلق مسجد نبوی سے ہو تو یہ افضل ترین عبادت ہے۔ سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

"جو میری مسجد میں نیکی کی تعلیم دینے یا لینے آئے اور اس کا اس کے سوا کوئی اور مقصد نہ ہو تو اس کا مقام اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہوگا اور جو کسی اور کام کے لیے آئے تو ایسا ہوگا جیسے وہ کسی دوسرے کے مال کو تاک رہا ہو"۔

حضرت ابو امامہ باہلیؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جو صبح سویرے مسجد میں آئے اور پڑھنے پڑھانے کے سوا اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو تو اسے کامل حج کا ثواب ملے گا۔ علامہ ہیثمی نے اس کے سب راویوں کو قابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔

مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی فضیلت

سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ (یہ روایت ضعیف ہے)

واضح رہے کہ بعض محدثین فضائل کے سلسلہ میں وارد ضعیف روایت کو بھی اختیار کر لیتے ہیں لہٰذا بارگاہِ الٰہی سے یہ امید ہے کہ وہ اپنے خاص فضل و کرم سے مسجد نبوی شریف میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر عطا فرمائیں گے۔

دیگر روایات کے مطابق عام مساجد میں نماز ادا کرنے کا جتنا ثواب ہے مسجد نبوی

میں اس سے ایک ہزار گناہ زیادہ ہے۔ گویا مسجد نبوی میں نماز کا ثواب دوسری عام مسجدوں میں چھ ماہ کی نمازوں سے زیادہ ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

"میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ایک ہزار نمازوں سے زیادہ افضل ہے علاوہ مسجد حرام کے"۔

علماء نے اس حدیث پر بہت لمبی بحثیں کی ہیں تاہم ایک بات ذہن میں رہے کہ اس میں نماز کی تعداد بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ثواب بیان کرنا ہے یعنی ایک نماز کا ثواب ہزار نمازوں سے زیادہ ہوگا۔ گویا اگر ایک نماز قضا کی نیت سے پڑھی تو ایک ہی نماز کی قضا شمار ہوگی نہ کہ ایک ہزار نماز کی۔

مسجد نبوی کی توسیعات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد جتنی بھی توسیعات ہوئی ہیں ان میں نماز کی ادائیگی کا وہی ثواب ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک دور کی مسجد میں تھا۔ جمہور علماء امت کا اس پر اتفاق ہے۔ مشہور مورخ محبّ طبری نے لکھا ہے کہ جس مسجد میں نماز کا ثواب ایک ہزار گنا سے زیادہ ہے اس سے مراد مسجد کا وہ حصہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں تھا اور بعد میں جو توسیع کی گئی ہے اس کا بھی وہی حکم ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث و آثار موجود ہیں۔ علامہ زین الدین بن رجب فرماتے ہیں کہ فضیلت میں توسیع کا وہی حکم ہے جو اصل مسجد کا ہے۔ لہٰذا مسجد حرام یا مسجد نبوی میں جو بھی توسیع کی گئی ہے وہ ساری ہی مسجد شمار ہوگی اور فضیلت و اجر میں اس کا برابر شمار ہوگی۔

مسجد نبوی کی تاریخ

دورِ نبوی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر مہاجرین وانصار کو مسجد نبوی کی جگہ پر نماز پڑھایا کرتے تھے ان کی غیر موجودگی میں حضرت اسد بن زرارہؓ نماز کی امامت کرتے۔ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی یہیں نماز ادا کی اور اس کی تعمیر کی۔ ابن سعد نے زہری سے روایت کی ہے مسجد نبوی کی جگہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی یہیں مسلمان نماز ادا کرتے تھے ان دنوں یہ جگہ دو انصاری یتیموں سہل و سہیل کی ملکیت تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دونوں کو بلا کر اس جگہ کی قیمت پوچھی تا کہ مسجد تعمیر کی جائے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بلا قیمت پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انکار کر دیا اور دس دینار کا سودا کر کے حضرت ابو بکرؓ کو قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت یہ صرف بغیر چھت کے چار دیواری تھی اور بیت المقدس کی طرف قبلہ تھا۔ جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ک تشریف آوری سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہؓ نے بنایا تھا یہاں وہ مسلانوں کو نماز جماعت پڑھاتے تھے۔ انس بن مالکؓ سے باری نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو قبیلہ بنو عمرو کی بستی قباء میں قیام فرمایا۔ چودہ روز وہاں قیام فرما کر آپ صلی

اللہ علیہ والہ وسلم نے بنونجار کو روانگی کی اطلاع بھیجی تو وہ گلے میں تلواریں سجائے آ گئے۔ وہ کتنا حسین منظر ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اونٹنی پر سوار ہیں اور آپ کے پیچھے حضرت ابوبکرؓ سوار ہیں اور بنونجار کے لوگ آپ کے اردگرد چلے آ رہے ہیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے باہر اتر پڑے۔ اس دوران جہاں موقع بنتا نماز ادا کر لیتے۔ مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو بنونجار کو بلا کر فرمایا کہ مجھ سے اپنی اس جگہ کی قیمت مقرر کر لو۔ انھوں نے کہا بخدا ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالی سے ہی وصول کریں گے۔ فرمایا پھر اس میں وہی ہوگا جو میں کہوں گا۔ اس جگہ میں چند مشرکوں کی قبریں، کھنڈر اور کھجوروں کے درخت تھے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حکم دیا تو قبروں کو اکھاڑ دیا گیا اور کھنڈر کو برابر کر کے کھجوروں کو کاٹ دیا گیا۔ اور قبلہ کی جانب گاڑ دیا گیا۔ گزرگاہ کے دونوں بازوؤں کو پتھر سے بنایا گیا۔ سب لوگ پتھر لے جا رہے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی ساتھ تھے۔ سب یہ پڑھ رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ لا خَيْرَ الاخَيْرَ الآخِرَة فَانْصُرِ الانْصَارَ وَالْمُهَاجِرَة

رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد ماہ ربیع الاول ا ہجری مطابق ۶۲۳ء کو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ مسجد کی لمبائی ۷۰ ہاتھ اور چوڑائی ساٹھ ہاتھ تھی جو تقریباً ۳۵x۳۰ میٹر بنتی ہے جس کا رقبہ ساڑھے دس سو مربع میٹر ہوتا ہے۔ چھت کی بلندی پانچ ہاتھ، بنیادیں پتھر کی اور دیواریں کچی اینٹوں کی، ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت کھجور کی شاخوں کی بنائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بنفسِ نفیس تعمیر میں شامل ہوتے اور اینٹ پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ مسجد کے تین دروازے رکھے گئے ان میں سے ایک مسجد کی جنوبی طرف تھا۔ تبدیل قبلہ کے بعد اس دروازے کو بند کر دیا گیا اور اس کے بالمقابل شمالی دروازہ بنا دیا گیا۔ دوسرے دو

دروازوں میں سے ایک باب الرحمۃ اور دوسرا باب جبریل تھا۔ قبلہ بیت المقدس کی جانب رکھا گیا۔ دالان تین رو پر مشتمل تھا باقی حصہ صحن تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسی سادہ تعمیر کو باقی رکھا۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ مال و دولت کی کمی تھی چونکہ ایک دفعہ صحابہؓ مال جمع کر کے لائے کہ اس سے مسجد کی عالی شان تعمیر کی جائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انکار کر دیا۔ جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ انصار مال جمع کر کے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس سے مسجد تعمیر کر کے اسے مزین کر دیا جائے۔ ہم کب تک اس چھپر تلے نماز ادا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا میں اپنے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) سے مختلف نہیں ہونا چاہتا۔ موسیٰ علیہ السلام کے چھپر جیسا چھپر ہی درست ہے۔ حضرت حسنؓ موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کے متعلق بتلایا کرتے کہ ہاتھ اونچا کیا جاتا تو اس کی چھت کو لگ جاتا تھا۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سادہ سی مسجد کو آباد کرنے پر بھرپور توجہ دی کہ کچھ ہی عرصہ بعد اس کی توسیع کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس کے برعکس ہماری آج کی مسجدیں دیکھنے میں عالی شان ہیں لیکن نمازیوں سے ویران ہیں۔ یہ صورتحال ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

پہلی توسیع

(۷ھ غزوہ خیبر سے واپسی کے بعد)

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم غزوۂ خیبر سے واپس تشریف لائے تو مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو جانے پر آپؐ نے محرم ۷ ہجری میں مسجد کی توسیع کرتے ہوئے چوڑائی میں بیس میٹر اور لمبائی میں پندرہ میٹر اضافہ فرمایا۔ اب مسجد مربع ہو گئی اور اس کی پیمائش ۵۰x۵۰ میٹر ہو گئی اور رقبہ ۲۵۰۰ مربع میٹر ہو گیا۔ قبلہ کی جانب کسی قسم کی توسیع نہ کی گئی۔ شمالی جانب اس کی وہاں تک ہو گئی جہاں آج کل ترقی و تعمیر والا حصہ ہے۔ مغرب کی جانب منبر سے پانچویں ستون تک جہاں سبز ڈاٹ پر ''حد مسجد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم لکھا ہوا ہے اب بھی بنیادیں پتھر کی اور دیواریں کچی اینٹوں سے استوار کی گئیں اور ستون کھجور کے تنوں سے اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی بنائی گئی۔ اب چھت سات ہاتھ اونچی کر دی گئی یہ حصہ جو اضافہ کیا گیا یہ حضرت عثمانؓ نے خرید کر پیش کیا تھا۔ ترمذی میں حضرت ثمامہ قشیری کا بین ہے کہ حضرت عثمانؓ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو آپ نے انھیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں تمھیں قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ جب مسجد نبوی تنگ ہو گئی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا شخص ہے جو فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں توسیع کر دے اور اس کے بدلے جنت میں جگہ بنا لے تو میں نے اپنے ذاتی مال سے وہ جگہ خرید کر مسجد میں شامل کی تھی اور آج تم ہو کہ مجھے اس میں دو رکعت نماز بھی ادا کرنے نہیں دیتے۔

خلیفہ دوئم کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع

(۱۷/ھ ۶۳۸ء)

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں آبادی زیادہ ہوگئی تو لوگوں نے مسجد کی توسیع کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ ہماری مسجد بڑھے گی تو میں اس میں کبھی توسیع نہ کرتا۔ لہٰذا ۱۷ ہجری میں حضرت عمرؓ نے پختہ پتھر سے بنیادیں اور دیواریں قد آدم استوار کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں مسجد اینٹوں اور شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کوئی توسیع نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے توسیع کی اور سابقہ تعمیر کی طرح اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے تعمیر کی اور اس کے ستون لکڑی کے تھے۔ آپؓ نے قبلہ کی طرف پانچ میٹر توسیع کردی اور شمال کی طرف پندرہ میٹر اور مغرب کی جانب دو ستون زیادہ کردیئے اور مشرق کی جانب کوئی توسیع نہ کی۔ اس طرح شمال سے جنوب کی طرف لمبائی ستر میٹر ہوگئی اور چوڑائی ساٹھ میٹر ہوگئی۔ چھت گیارہ ہاتھ بلند کردی گئی اور مغربی دیوار کے شروع میں جنوب کی جانب ایک دروازہ باب السلام بڑھا دیا گیا اور مشرقی دیوار میں عورتوں کے لیے علیحدہ دروازہ بنا دیا گیا اور وادی عقیق سے کنکریاں لاکر مسجد میں بچھا دی گئیں۔

چونکہ مسجد نبوی میں بلند آوازی اور دنیاوی باتیں ممنوع اور خلاف ادب ہیں اور حضرت عمرؓ آداب مسجد کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے تا کہ لوگ پورے خشوع و خضوع سے

عبادت میں مشغول رہ سکیں۔ اس لیے جب حضرت عمرؓ نے مسجد کی توسیع کی تو مسجد کے باہر تھلہ بنا دیا جسے بطیحاء کہا جاتا تھا۔ ابن شبہ نے اس جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مسجد کی مشرقی جانب حضرت خالد بن ولیدؓ کے گھر کے ساتھ تھی۔ ابن شبہ نے سالم بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد کے ایک طرف ایک جگہ متعین کر دی جسے بطیحاء کہا جاتا تھا اور فرمایا جسے شور کرنا اور گپیں ہانکنی ہوں یا شعر کہنے ہوں وہ اس جگہ چلا جائے۔

خلیفۂ سوم کے دور میں توسیع

(۲۹ھ / ۶۴۹ء)

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ نے قبلہ، شمال اور مغرب کی طرف مسجد نبوی کی توسیع کی۔ قبلہ کی طرف ستونوں کی ایک رو بڑھا کر دیوار قبلہ تعمیر کی۔ واضح رہے کہ آج تک قبلہ کی دیوار وہیں ہے اور اس طرف پھر کوئی توسیع نہیں کی گئی۔ مغرب کی طرف بھی ستون کی ایک رو کا اضافہ کیا اور وہ منبر سے آٹھویں ستون تک ہے۔ اس طرح ہر سہ اطراف تقریباً پانچ میٹر کی توسیع کر دی۔ ساری عمارت منقش پتھروں اور چونے سے تعمیر کی اور ساگوان کی لکڑی سے چھت بنوائی۔ ستون بھی منقش پتھروں سے بنوائے جو اندر سے خالی تھے۔ ان میں لوہے کی سلاخیں اور سکہ ڈالا گیا۔ اپنی نماز کی جگہ مقصورہ بنایا جس میں کھڑکیاں تھیں لوگ اس سے امام کو دیکھ سکتے تھے۔ آپ اسی کے اندر نماز پڑھاتے۔ مقصورہ اس لیے بنایا کہ کہیں حضرت عمر کی طرف ان پر بھی قاتلانہ حملہ نہ ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ خود تعمیر کی نگہداشت کرتے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سفینہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے پاس چونا لایا جاتا تھا جب وہ مسجد نبوی کی تعمیر کروا رہے تھے۔ کام کرنے والے تعمیر میں مشغول ہوتے اور آپ کھڑے نگرانی کرتے رہتے۔ نماز کا وقت آ جاتا تو نماز پڑھاتے، گھر جا کر آرام کرتے پھر آ جاتے اور بعض دفعہ تو مسجد میں ہی سو جاتے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ خلفاء راشدین حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ نے اپنی تعمیرات میں جانبِ مشرق کوئی توسیع نہیں کی اس لیے کہ ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ازوج مطہرات کی رہائش تھی لیکن عبدالملک بن مروا کے دورِحکومت سے پہلے سب ازواج مطہرات کا انتقال ہو چکا تھا۔ حجرے تا حال موجود تھے اور ان کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے اور جمعہ کے روز حاضرین کی تعداد بڑھ جاتی تھی لہذا کچھ لوگ ان حجرات میں داخل ہو کر نماز ادا کر لیتے تھے۔ تا کہ ولید بن عبدالملک نے ۸۸ ہجری، ۷۰۷ء میں مسجد نبوی کو از سر نو تعمیر کروایا تو امہات المومنینؓ کے حجرے مسجد میں شامل کر لیے گئے۔

دورِ حضرت علی علیہ السلام

حضرت علیؑ کے زمانے میں مسجد کی تعمیر و توسیع تو نہیں ہوئی البتہ ضروری مرمت کرائی گئی۔

ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں توسیع

(۹۱ھ / ۶۱۰ء)

حضرت عبداللہ بن عبدالعزیزؒ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے جبکہ ۸۸ ہجری میں انھوں نے خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک اموی کے حکم سے مسجد کی تعمیر و توسیع شروع کی۔ جو ۸۸ ہجری سے ۹۱ ہجری، ۷۱۰ء تک جاری رہی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز تعمیر کی خود نگرانی کرتے رہے۔ آپ نے مغرب میں دوستونوں کی رو کا اضافہ کیا یعنی دس میٹر توسیع کر دی جس پر مغرب میں مزید توسیع کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اس تعمیر و توسیع میں امہات المومنین کے حجروں کو بھی شامل مسجد کر لیا گیا اور مشرق کی طرف تین ستونوں کی رو کا اضافہ ہوگیا یعنی مشرقی جانب توسیع پندرہ میٹر ہوگئی۔ شمال کی طرف بھی توسیع کی گئی ساری عمارت منقش پتھروں سے تعمیر کی گئی۔ ستون بھی منقش تھے اور درمیان سے خالی تھے جن میں لوہے کی سلاخیں اور سیسہ بھرا ہوا تھا۔ مسجد کی چھت دوہری بنائی گئی نچلی چھت ساگوان سے بنائی گئی جس کی بلندی ۱۲،۵ میٹر تھی۔ غالباً اس دہری چھت کا مقصد سخت سردی اور سخت گرمی کے اثرات سے نمازیوں کو محفوظ کرنا تھا نیز اس توسیع کا امتیاز یہ تھا کہ اس کے چاروں کونوں پر مینار بنائے گئے اور مسجد کی دیواروں کے اندرونی حصہ پر سنگ مرمر لگایا گیا جسمیں رنگین پتھروں کے ٹکڑے اور سونا استعمال کیا گیا۔ چھت اور ستونوں کے اوپر کی جانب بھی سونا لگایا گیا۔ چوکھٹوں پر بھی سونا چڑھایا گیا۔ اس عمارت کا امتیاز یہ بھی تھا کہ مشرق کی جانب توسیع کی گئی۔ چھت ڈبل بنائی گئی اور مسجد کے بیس دروازے بنائے گئے۔

ولید بن عبدالملک نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مسجد کی توسیع کا حکم دیا تو انھوں نے امہات المومنینؓ کے حجرے و دیگر عمارت جو مسجد سے متصل تھیں خریدکیں جیسا کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمانؓ نے توسیع کے وقت متصل عمارات خرید کر مسجد میں شامل کیں۔

یہ سوال شاید ذہن میں آئے کہ آخر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجرات امہات المومنین کو کیوں مسجد میں شامل کیا جبکہ خلفاء راشدین نے توسیع کے وقت ان کو شامل مسجد نہیں کیا؟ درحقیقت خلفائے راشدین کی توسیع ۱۷ ہجری اور ۳۰ ہجری کے وقت امہات المومنینؓ ان حجروں میں رہائش پذیر تھیں جبکہ دورِ ولید ۸۸ ہجری میں ان سب کا وصال ہو چکا تھا اور کوئی ایک بھی بقیدِ حیات نہیں تھی۔ آخری اُمّ المومنین کی وفات ۵۹ ہجری یا ۶۱ ہجری میں ہوئی لہٰذا ۸۸ ہجری میں از سر نو تعمیر کے وقت ان حجرات کو شامل مسجد کیا گیا۔ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ ولید بن عبدالملک نے نائب مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھا کہ امہات المومنینؓ کے حجرے ان کے ورثا سے خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دیے جائیں اس لیے کہ سب امہات کا انتقال ہو چکا ہے۔ تو انھوں نے سب حجرے خرید کر مسجد میں شامل کر دیے۔ صرف حضرت عائشہؓ کا حجرہ رہ گیا جو بند تھا (اور اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صاحبینؓ کی قبور تھیں)۔

ان حجرات کو مسجد میں شامل کرنے کا دوسرا اہم سبب یہ تھا کہ محراب نبویؐ سے دائیں طرف مغربی جانب تین دفعہ توسیع ہو چکی تھی جبکہ محراب سے بائیں طرف مشرقی جانب کوئی توسیع نہیں ہوئی تھی لہٰذا محراب کو ممکنہ حد تک مسجد کے درمیان لانے کے لیے اس طرف توسیع کی گئی۔

مہدی عباسی کے دور میں توسیع

(۱۶۱ھ تا ۱۶۵ھ)

عباسی خلیفہ مہدی حج کے لیے آیا۔ بعد میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ مسجد نبویؐ کی حالت دیکھ کر اس نے مسجد کی از سر نو تعمیر اور توسیع کا حکم دیا اور اس کی ذمہ داری عبداللہ بن عاصم بن عمر بن عبدالعزیز کے سپرد کر دی۔ انھوں نے شمالی جانب توسیع کی۔ ۱۶۱ ہجری، ۷۷۹ء میں یہ تعمیر شروع ہوئی اور ۱۶۵ ہجری، ۷۸۲ء میں تکمیل کو پہنچی۔ اس چار سالہ تعمیر کے بعد ۸۸۶ ہجری، ۱۴۸۱ء تک کسی قسم کی توسیع نہ کی گئی۔

عباسی خلفاء مسجد نبوی کی مرمت اور بعض دیواروں کی تجدید اور اصلاحات ضروریہ اور خوبصورتی کی طرف ہمیشہ متوجہ رہے اور خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ابن نجار نے اخبار مدینۃ الرسولؐ میں لکھا ہے کہ خلفاء بنوعباس ہمیشہ مدینہ طیبہ کے گورنروں کو مالی مدد پہنچاتے رہے تاکہ مسجد کی مرمت اور تحسین کی جاتی رہے۔ دن رات مسجد کا خیال رکھا جاتا اور کہیں ایک انچ جگہ میں بھی کوئی نقص نظر نہ آتا۔ صالح لمعی کہتے ہیں پھر کسی قسم کی تعمیر و توسیع کی ضرورت نہ پڑی تاآنکہ ۶۵۴ ہجری میں آگ نے عمارت کو ختم کر دیا۔

پہلی آتشزدگی اور تعمیر

مسجد نبوی میں دو مرتبہ آتشزدگی ہوئی۔ پہلی آتشزدگی کا واقعہ جسے سمہودی نے بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم رمضان شب جمعہ ۶۵۴ ہجری، ۱۲۵۶ء کو مسجد نبوی

نذر آتش ہو گئی۔ خادم مسجد نبوی ابوبکر بن اوحد سٹور میں قندیلیں نکالنے کے لیے داخل ہوا کہ میناروں پر روشنی کی جا سکے اور جلتی مشعل قندیل کے پنجرے کے اندر چھوڑ گیا جس سے آگ بھڑک اٹھی وہ اسے بجھا نہ سکا اور پردوں وغیرہ کو لگ گئی جس سے شعلے بلند ہو گئے اور جلد ہی چھت نے آگ کو پکڑ لیا۔ امیر مدینہ سمیت سب لوگ اسے بجھانے کی کوشش کرتے رہے لیکن آگ بجھ نہ سکی اور مسجد کی ساری چھت منبر، دروازے، محافظ خانے، مقصورے، صندوق دیکھتے ہی دیکھتے نذر آتش ہو گئے۔

۵۵ ہجری ۵۷ ہجری ۱۲۵۷ء میں مستعصم باللہ عباسی کے دور میں تعمیر شروع ہوئی لیکن نہ ہو سکی اس لیے کہ تاتاریوں نے حملہ آور ہو کر عباسی خلافت کو تہ و بالا کر کے بغداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد میں سلطان مصر و یمن نے تعمیر مکمل کرنے کی کوشش کی۔ سلطان ظاہر رکن الدین بیبرس کی اس سلسلہ میں خدمات قابلِ قدر ہیں جس نے پہلے کی طرح دہری چھت تعمیر کر دی۔

قسطلانی فرماتے ہیں بظاہر اس آتشزدگی میں حکمت الٰہیہ یہ تھی کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت قہر و عظمت ہر بڑے چھوٹے پر غالب ہے۔ جس حجاز کی آگ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈرایا وہ واقع ہو چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کے علاقہ کو اس سے بچا لیا تھا۔ لوگوں کی آہ و زاری کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا کہ حرم نبوی تک پہنچنے سے پہلے وہ بجھ گئی جس سے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جیسے حرم کے پڑوس کی برکت سے وہ اس آگ سے بچ گئے ہیں اس طرح اپنی نافرمانیوں کے باوجود قیامت میں بھی محفوظ رہیں گے لیکن زبان حال سے اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرما دی۔

دوبارہ آتشزدگی وتعمیر

(۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ءتا ۸۸۸ھ/ ۱۴۸۳ء)

۶۵۶ ہجری میں جب خلافت عباسی ختم ہوگئی تو مدینہ منورہ کے معاملات شاہانِ مصر کے قبضہ میں آ گئے۔ مسجد نبوی شریف کی تعمیر و دیکھ بال کا اہتمام مصر کے بادشاہ ہی کرتے رہے۔ خصوصاً سلطان اشرف قایتبائی نے اس سلسلہ میں بہت خدمت کی۔ علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی کی خدمت سارے ہی خلفاء وسلاطین اپنے اپنے وقت پر کرتے رہے اور مسجد کی چھت، ستونوں کی تجدید پر ہمیشہ خرچ کرتے رہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے سلطان اشرف قایتبائی کو توفیق بخشی کہ دوسری آتشزدگی سے پہلے اور اس کے بعد اس نے ہر قسم کی تعمیری خدمات میں بہت زیادہ خرچ کیا۔

دوسری آتشزدگی کا قصہ

۱۳ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری میں دوبارہ مسجد نبوی نذر آتش ہوگئی۔ ہوا یوں کہ صدر مؤذن شمس الدین بن خطیب دوسرے موذنین کے ساتھ تیرہویں رمضان کی رات کے آخر میں منارہ رئیسیہ پر تہلیل میں مشغول تھے۔ بادل چاروں طرف سے آ رہے تھے اور بجلی کڑک رہی تھی کہ ایک دم بجلی گری اور مینارہ رئیسیہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے مینار پھٹ گیا، صدر مؤذن فوت ہوگیا اور آگ نے مسجد کی چھت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مسجد کے دروازے کھول دیے گئے۔ مسجد کو آگ لگنے کا شور مچ گیا۔ جس پر اہل مدینہ امیر

مدینہ سمیت جمع ہو گئے ۔ باہمت لوگوں نے پانی لا کر آگ بجھانے کی کوشش کی لیکن شمال مغرب کی طرف شعلے بلند ہوتے گئے اور آگ بجھ نہ سکی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آگ عوام کو بھی جلا ڈالے گی۔ بالآخر آگ نے مسجد کی ساری چھت بھسم کر دی۔ کتب خانے وغیرہ خاکستر ہو گئے۔ صرف وہ کتابیں جنھیں جلدی سے مسجد سے نکال لیا گیا آگ سے محفوظ رہیں یا صحن کا گنبد۔ مسجد میں یہ حالت تھی کہ آگ کا سمندر ہو جس میں شعلے ٹھاٹھیں مار رہے ہوں۔ سلطان اشرف قایتبانی نے ۸۸۸ ہجری میں مسجد کو از سر نو تعمیر کیا۔ مشرقی جانب جالیوں سے متصل ایک میٹر سے کچھ زائد توسیع کی اور مسجد کی ایک ہی چھت بنائی جو قریباً گیارہ میٹر لمبی تھی۔

تعمیر مجیدی (ترکی)

(۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء تا ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۱ء)

۹۲۳ ہجری میں شاہانِ مصر کے خاتمہ کے بعد عثمانی خلفاء نے مسجد نبوی کی طرف توجہ دی بعض دیواروں اور ستونوں پر پتھر لگایا۔ بعض دروازوں اور دیواروں کی تجدید کی۔ گنبد خضراء کی تعمیر او دیگر اصلاحات کیں۔ سلطان قاتیبائی کی عمارت کو تین سو ستتر برس گزر چکے تھے۔ اس لیے مسجد کے بعض حصوں میں بوسیدگی محسوس کی گئی۔ شیخ الحرم داؤد پاشا نے سلطان عبدالمجید عثمانی کو اس کی اطلاع دی اور مسجد کی ضروریات سے مطلع کیا اور مسجد کی ازسر نو تعمیر کی طرف توجہ دی۔ جس پر سلطان نے دو انجینئر رمزی آفندی اور عثمان آفندی کو بھیجا کہ مسجد کی توسیع و تعمیر کے لیے عمارتی ضروریات معلوم کر کے اطلاع دیں۔ ۱۲۶۵ ہجری ۱۸۴۸ء میں وہ آئے اور مسجد نبوی کی ضروریات اور تعمیر و توسیع کے بارے میں اہل مدینہ سے مشورہ کیا اور آستانہ واپس جا کر سلطان کو مسجد کی تعمیر و توسیع کے متعلق رپورٹ پیش کی۔ سلطان نے حلیم آفنید کو ناظم تعمیرات بنا کر مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ ضروری آلات، نقدی نگران سنگتراش اور کاریگر بھی روانہ کر دیئے۔

پتھر کی تلاش: نگران جب سمندر کے کنارے ینبع اترے تو انھوں نے سنگتراشوں کے سردار ابراہیم آغا کو دوسرے سنگتراشوں کے ہمراہ روانہ کیا تا کہ اس علاقہ میں پتھر اور سنگ مرمر کی کانیں تلاش کریں لیکن تعمیر کے لیے مناسب پتھر انھیں نہ مل سکا۔ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو اس کے اردگرد پہاڑوں کی کئی روز چھان بین کرتے رہے بالآخر

ابیار علی کے پاس وادی عقیق کے علاقہ میں ایک بہت بڑا پہاڑ مل گیا جو ایک سرخ رنگ کی عقیق جیسی پتھر کی کان تھی۔ اب پہاڑ کے دامن میں سنگتراشوں کے خیمے نصب کر دیئے گئے۔ وہ لوگ ہتھوڑے و دیگر آلات لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور اللہ کا نام لے کر پہاڑ کی چوٹی سے پتھر لڑھکانے شروع کر دیے اور سارے ردی پتھر سے اسے صاف کر دیا تا کہ ایک عظیم کان واضح ہو گئی۔ پتھر کے کاریگروں نے اسے کاٹنا شروع کر دیا اور پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے نکالے اور انھیں وہاں سے لے جانے کے لیے خچروں اور گدھوں کا انتظام کیا مسجد کے شمالی علاقے میں دار الضیافہ کے نام سے عمارات تعمیر کی گئیں تا کہ ہو ہاں کاتب، سنگتراش وغیرہ کام کرنے والے پتھروں پر کھدائی کریں اور ستون وغیرہ تیار کریں۔ اور پہاڑ کے دامن میں مکان بنائے گئے تا کہ کاریگروں، آلات، جانوروں اور گاڑیوں کی حفاظت کی جا سکے۔ پانی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے پچاس ہاتھ گہرا اور دس ہاتھ چوڑا کنواں کھودا گیا اور شہر سے باہر کارخانے لگائے گئے جہاں چونا وغیرہ کی بھٹیاں اور اینٹوں کے بھٹے لگائے گئے۔

۱۲۷۷ ہجری، ۱۸۶۱ء میں جب تعمیر تکمیل کے آخری مراحل میں تھی تو ناظم تعمیرات اسعد آفندی نے شیخ الحرم اور ان کے نائب اور محافظ مدینہ، ملازمین اور امرائے شہر کو پہاڑ دیکھنے کی دعوت دی۔ عوام الناس بھی اسے دیکھنے نکل پڑے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑ دو حصوں میں بٹ چکا ہے اور اس کا قلب و جگر نکالا جا چکا ہے اور بائیں جانب پہاڑ کے ایک تختی نصب ہے ''اس پہاڑ سے مسجد نبویؐ شریف کے لیے پتھر حاصل کیا گیا'' کٹائی کی مشینیں بھی پہاڑ پر نصب کر دی گئیں جو اس کی علامت اور یادگار تھیں۔

مسجد کے سارے ستون اور ڈاٹیں اسی پتھر سے بنائی گئیں اس لیے کہ کانٹ چھانٹ ان پتھروں کی آسان تھی اور سرخ رنگ بھی دیدہ زیب تھا۔ چار دیواری کالے پتھر

سے تعمیر کی گئی جو سرخ پتھر سے سخت تھا۔

مسجد نبوی کا ماڈل

سلطان عبدالمجید خان نے حافظ آفندی اور عزت آفندی کو مدینہ منورہ بھیجا تا کہ مسجد نبوی کا ماڈل بنا کر اسے پیش کیا جائے اور جبل عقیق کا ایک پتھر بھی لاکر دکھایا جائے تا کہ وہ اس کا رنگ معلوم کر سکے تو انھوں نے بہت بڑے تختے پر لکڑی کا ماڈل تیار کیا۔ اصل عمارت کے مطابق ستون اور چھتیں بنائیں اور پتھر کا ایک رنگ چار ستونوں پر بنایا اور اسے خوب رنگ اور پالش کیا وہ بالکل عقیق جیسا معلوم ہوتا تھا اور یہ دونوں اشیاء بنا کر انھوں نے آستانہ میں پیش کیں۔

ایک قبے کا انہدام

عمارت مجیدی شروع ہوئے دو سال ہی گزرے تھے کہ مواجہہ شریفہ کے سامنے قدیم چھت کا ایک قبہ منہدم ہو گیا اور شیخ محمد اسکندری (جو علامہ صادی کے شاگرد تھے) کے سر پر آن گرا۔ جنھیں گھر لے جایا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے انھیں بقیع میں دفن کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۲۶۷ ہجری کا ہے۔

عمارت مجیدی کے مختلف مراحل

عثمانی ترکوں نے مسجد نبوی کی تعمیر اس طرح مکمل کی کہ ایک حصہ کو منہدم کر کے اسے بنا لیتے پھر دوسرے حصہ کو منہدم کرتے تا کہ مسجد میں نماز باجماعت میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ اس سلسلے میں پہلے انھوں نے شمالی چھتوں کو منہدم کیا جو مسجد کے صحن کے آخر میں تھیں۔ یہاں دو دالان تعمیر کیے جن میں سرخ پتھر استعمال کیا گیا اور ان کی چھتیں قبوں کی

شکل میں اینٹوں سے تعمیر کیں جو تین ستونوں پر استوار تھے۔ جن میں ایک بیرونی دیوار سے ملا ہوا تھا۔ ہر ستون کی لمبائی ساڑھے پانچ میٹر تھی۔ پھر مشرق کی جانب کی دیوار منہدم کی جو مینارہ رئیسیہ سے باب جبریل تک تھی۔ اس حصہ میں مسجد تنگ تھی اس لیے مسجد کے بیرونی میدان (جسے جنازگاہ کہا جاتا تھا) سے قریباً اڑھائی میٹر جگہ مسجد میں شامل کر لی گئی اور بہت گہری بنیاد کھودی گئی اور کالے پتھروں سے یہ دیوار بنائی گئی اس میں بھی ستون کھڑے کیے گئے اور مینارہ رئیسیہ اور دیوار کے درمیان ایک چھوٹا سا کمرہ بنا دیا گیا جس کا دروازہ مسجد کے اندر اور باہر تھا اس کے اوپر ایک اور چھوٹا سا کمرہ بنایا گیا جس پر چڑھنے کے لیے اندر ہی سیڑھیاں بنائی گئیں۔ اس میں حجرہ کا ضروری سامان رکھا جاتا۔ اس دیوار میں دروازوں جیسی بڑی کھڑکیاں رکھی گئیں جن کے اوپر گول روشندان بنائے گئے۔ حجرہ شریف کے بالمقابل کھڑکی پر ایک پتھر لگایا جس پر لکھا ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

پھر باب النساء اور باب جبرائیل کے درمیانی حصہ کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا اور ان دروازوں کے درمیان ایک کمرہ تعمیر کیا جس کی دو منزلیں ہیں اس میں بھی منقش سرخ پتھر استعمال کیا گیا دکتہ الاغوات (خدام کے چبوترے) کے اطراف میں سرخ منقش پتھر سے گول سرے بنائے گئے جیسے خیموں کے ہوتے ہیں تا کہ ان میں پیتل کے جنگلے نصب کیے جائیں۔ پھر اس چبوترے کی جنوبی طرف ایک اور چھوٹا چبوترہ بنایا جس میں محراب تہجد تھا اس کے اطراف میں بھی پیتل کے جنگلے لگائے گئے اور محراب تہجد کی تحویل کی گئی۔ پھر مرکزی چھت کو منہدم کر کے لکڑی کی چھت کی بجائے قبے تعمیر کیے گئے اور ستون اپنے اصلی جگہ پر تعمیر کیے گئے جن کے اوپر سرخ منقش پتھر کی ڈاٹیں بنائی گئیں اور ان پر قبے تعمیر کیے گئے۔ بہت سے قبوں میں روشندان اور جالیں جو پیتل کی تھیں لگائی گئیں جن

میں رنگین شیشے ہیں تا کہ مسجد کے اندر خاطر خواہ روشنی میسر آ سکے۔ یہ قبے پختہ چوکور اینٹوں، صاف قلعی او مصفی مٹی سے تعمیر کیے گئے۔ بعض قبوں کو ڈبل تعمیر کیا گیا اور ان پر لکڑی کے چھپر ڈالے گئے تا کہ روشندانوں سے بارش کا پانی مسجد میں نہ آئے۔ واضح رہے کہ اس تعمیر کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی پوری مسجد پر چھت بنا دی گئی۔

اس دوران جب ریاض الجنتہ کی تعمیر کی باری آئی تو چھت اور زمین کے درمیان لکڑی کے تختے لگا دیئے گئے جو ستونوں کے اوپر کے حصے میں تھے تا کہ عمارت منہدم کرتے وقت شور نہ ہو اور اوپر سے مٹی نہ گرے اور حجرہ شریفہ کی جالیوں کے چارو طرف کپڑا لپیٹ دیا گیا تا کہ حجرہ شریفہ میں غبار نہ جائے اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب بہر حال قائم رہے۔ یوں بغیر کسی سخت دھماکے کے چھت کو ختم کر دیا گیا اور ریاض الجنتہ میں عبادت کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی۔ قبلہ کی دیوار میں ستون نہیں بنائے بلکہ اس کے بیرونی طرف بڑی بڑی ڈاٹیں استوار کر دی گئیں تا کہ صفوں کی درستی میں خلل نہ آئے۔ مغربی رکن میں چاروں ستونوں کو متولی راشد آفندی نے اسی طرح رہنے دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا لیکن اس نے پرواہ نہیں کی تو سلطان کی خدمت میں لکھا گیا۔ وہاں سے حکم آیا کہ اسے روک کر ختم کر دیا جائے۔ لیکن محسوس کیا گیا کہ ختم کرنے میں مشقت اور فضول خرچی ہوگی پھر جب تک دیوار منہدم نہ کیا جائے اور دوبارہ نہ بنایا جائے ان کا ختم کرنا ممکن نہ ہوگا اور ان کے مسجد کے ایک طرف ہونے کی وجہ سے برا بھی نہ لگے گا تو اسے رہنے دینا ہی بہتر سمجھا گیا۔

منارۂ رئیسیہ کی اندرونی جانب مواجہہ شریف کے سامنے جو ستون تھا اسے پرانی یادگار کے طور پر باقی رکھا گیا اگر چہ اس کا ختم کرنا بہتر تھا۔ مقصورہ شریفہ اور اس کے اندرونی حصہ، منبر شریف، مغربی دیوار، محراب نبوی، محراب عثمانی، محراب سلیمانی اور منارہ رئیسیہ میں

کسی قسم کا ردوبدل نہیں کیا گیا اس لیے کہ ان کی تعمیر بڑی مضبوط اور حسین تھی۔

قبہ محراب اور قبہ باب السلام

قبلہ کی دیوار کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔ دیوار کے اوپر ڈاٹ تعمیر کی گئی تکہ جو محراب عثمانی تعمیر کیا گیا تھا وہ مضبوط ہو جائے اور ستونوں سے اسے تقویت دی گئی۔ قبے کو اوپر سے وسیع کر دیا گیا اور بڑی خوبصورتی سے تعمیر کیا گیا۔ اس میں بہت سی خوبصورت کھڑکیاں بنائی گئیں۔ تعمیراتی نقطہ نظر سے یہ عمدہ اور خوبصورت قبہ شمار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ گنبد سلطان قایتبائی نے سنہ ۸۸۸ء میں پہلی بار اس جگہ تعمیر کیا تھا۔

اس کے بعد باب السلام تعمیر کیا گیا اور اس پر بہت بڑی ڈاٹ تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد کے اندرونی حصہ میں ہے اور دو بڑے پتھروں سے تیار کی گئی ہے۔ اس جیسی ڈاٹ دروازہ کے باہر کی جانب بھی بنائی گئی۔ اس پر بھی بہت عمدہ گنبد بنایا گیا جو پہلے نہ تھا۔ کاریگروں نے اس میں اپنے فن کے کمالات دکھائے ہیں۔

اصلی مسجد کی علامت

۱۔ مسجد کی زمین جو مغربی دیوار سے متصل تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مسجد سے اس کا فرش تھوڑا اونچا تھا اور یہ مسجد نبوی کی حد کا اظہار تھا۔ پھر سارے فرش برابر کر دیئے گئے اور ستونوں کے اوپر کے حصہ میں لکھ دیا ''حد مسجد النبیؐ'' علامہ سخاوی (متوفی ۹۰۲ ہجری) نے کہا ہے کہ مسجد نبوی کی حد منبر سے پانچویں ستون تک ہے جس پر چھت کے قریب ایک چوکھٹے میں واضح طور پر کھدا ہوا ہے یہ جگہ مسجد نبوی کی حد آخر ہے۔

۲۔ اور مسجد کے قبلہ کی جانب ایک ابھری ہوئی رکاوٹ سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے

جس میں پیتل کی جالی ہے اور دروازوں کی شکل میں رستے ہیں جو محراب نبوی کے دائیں طرف ہیں۔

۳۔ دور نبویؐ میں مسجد کی شمالی حد موجودترقی مسجد کے شمالی جانب چھتا ہوا حصہ ہے۔

۴۔ حجرہ حضرت عائشہؓ اور اس کے برابر میں مسجد کی مشرقی حد ہے۔

پتھر لگانا، روغن کرنا، سونا لگانا

مسجد کے سارے فرش اور قبلہ کی دیوار کے نچلے نصف حصہ میں تعمیر مسجد کے بعد پتھر لگا دیا گیا ستونوں کو صیقل کر کے پتھر کے رنگ کا ہی روغن کر دیا گیا۔ ستونوں کے سروں کو سنہری کر دیا گیا اور گنبدوں کے اندر پھول پتیوں کی نقاشی کی گئی۔ ریاض الجنۃ والے ستونوں پر سرخ اور سفید پتھر لگایا گیا قبلہ کی طرف کے حصہ کو بھی سرخ وسفید پتھر سے مزین کر دیا گیا۔ اس طرح ریاض الجنۃ کی بہت نفیس ولطیف انداز میں حدود کی وضاحت ہوگئی۔ محراب نبوی، محراب عثمانی اور محراب سلیمانی کی ازسرنو سجاوٹ اور مینا کاری اور سونا کاری کی گئی۔

مسجد میں کتابت (خطاطی)

ترکی خلیفہ کے آستانہ عالیہ سے عبداللہ زہدی آفندی کاتب کو مدینہ طیبہ بھیجا گیا جس نے مسجد کے گنبدوں، دیواروں، ستونوں اور محرابوں پر ایسی نفیس اور خوبصورت کتابت کی جس کا مثل اس دور میں ناپید ہے اور یہ کتابت تین سال میں مکمل ہوئی۔ قبلہ کی دیوار پر آیات قرآنیہ اور اسماء نبویہ کی کتابت کی اور یہ کام چار سطروں میں مکمل کیا۔ پہلی سطر میں بخط ثلث لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۔تا۔ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ودیگر آیات۔

دوسری سطر میں بخط عریض لکھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ اورسورہ فتح کامل۔

چوتھی سطر میں اسماء صفات نبویہ جن کی تعداد دوسوایک ہے۔تیسری سطر میں مینارۂ رئیسیہ کے دروازے پر داہنی طرف یہ عبارت لکھی:

اللھم شفع ھذا النبی الکریم الکاتب الحرم الشریف النبوی الفقیر عبداللہ زھدی من سلالۃ تمیم الداری رضی اللہ عنہ ربہ الباری

چھت کے سارے قبے نباتاتی پھول پودوں کے نقوش سے مزید اوران نقوش کے درمیان سفید پٹی لگا کر قرآنی آیات خط ثلث میں لکھی گئی ہیں۔

پتھروں میں حدیث شریف کی کتابت

جب عثمانیوں نے مسجد کی عمارت مکمل کر لی تو مسجد کے صحن کی طرف قبلہ رخ چھت پر سنگ سرخ کا ایک بہت بڑا تختہ لگایا۔معماروں کا خیال تھا کہ مسجد کی تعمیر کی تکمیل کی تاریخ اس پر لکھی جائے اور مدینہ منورہ کے شعراء کو منظّم تاریخ ترتیب دینے کو کہا جنھوں نے قطعات تاریخیہ ترتیب دیئے جن میں سلطان ترکی کی شان میں تعریفی کلمات بھی تھے۔ انتخاب کے لیے جب سلطان کی خدمت میں پیش کیے گئے تو انھوں نے مسجد نبوی میں اپنی تعریف پر مشتمل شعر لکھنے پسند نہ کیے اور اس مسئلہ پر غور وخوض کے لیے علماء ومشائخ کا اجلاس طلب کیا جس میں علامہ محمد رفیق آفندی نے پتھر کی اس تختی پر درج ذیل حدیث لکھنے کی تجویز دی جسے سب نے پسند کیا اور لکھنے کی منظوری دیدی:

صلاۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلاۃ فیما سواہ

الاالمسجد الحرام

"میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب دیگر مساجد میں ایک ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے"۔

درسگاہیں باب مجیدی میں

جب عمارت تعمیر ہو رہی تھی تو مسجد سے باہر چند عمارات خرید لی گئیں جن میں باب مجیدی کے دائیں بائیں اوپر نیچے کمرے بنا دیئے گئے جن میں بچے تعلیم حاصل کریں۔ ان کمروں کی کھڑکیاں مسجد کے اندرونی اور بیرونی طرف رکھی گئیں جن میں فولادی جالیاں لگا دی گئیں۔

تکمیل اور اخراجات

۱۲۷۷ ہجری ذی الحجہ میں تعمیر ناظم تعمیرات اسعد آفندی کی زیر نگرانی مکمل ہو گئی اور سات لاکھ گنی مجیدی لاگت آئی۔ اس میں وہ اخراجات شامل نہیں جو بری و بحری ذرائع سے لوہا، لکڑی، سکہ، پیتل اور روغن پر صرف ہوئے۔ کاتب، انجینئر اور ملازمین کے علاوہ ساڑھے تین سو سے زیادہ مزدور، معمار، سنگتراش، نقاش، ترکھان، لوہار، سنار خدمات انجام دیتے رہے۔

مختلف ادوار میں مسجد نبوی کی چھت

مسجد نبوی کی بعض توسیعات کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں مسجد کی چھت کیسی رہی، اس کی تفصیلات کا ذکر ہو جائے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تین دالان تھے اور ان کی چھت موسوی چھپر تھے۔ چھپر صرف پانچ ہاتھ (ڈھائی میٹر) بلند تھا اور ۷ ہجری میں توسیع کے بعد سات ہاتھ (ساڑھے تین میٹر) بلند کر دیا گیا۔ عمر فاروقؓ نے قبلہ کی جانب ایک دالان اور مغرب کی جانب دو دالان کی توسیع کی لیکن

چھت چھپر ہی رہی۔ صرف اس کی بلندی گیارہ ہاتھ (ساڑھے پانچ میٹر) کر دی گئی۔ دور عثمانی میں قبلہ اور مغرب کی جانب ایک ایک دالان کی توسیع کی گئی اور ستون تراشے ہوئے پتھروں سے بنائے جن کے اندر خلا تھا اور اس میں لوہے کی سلاخیں اور سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا تھا اور چھت ساگوان کی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور گورنری میں مغرب کی طرف دو اور مشرق کی طرف تین دالانوں کی توسیع کی اور پہلی مرتبہ ڈبل چھت بنوائی تاکہ سردی و گرمی کی شدت میں مسجد کا اندرونی ماحول زیادہ متاثر نہ ہو۔ جس کی بلندی ساڑھے بارہ میٹر تھی۔ پہلی آتشزدگی کے بعد ۶۵۴ ہجری میں سلطان رکن الدین بیبرس نے پہلے کی طرح ڈبل چھت بنائی۔ ۷۲۹ ہجری میں سلطان ناصر محمد قلاوون نے شمالی جانب دو دالانوں کی توسیع کی۔ ۸۸۶ ہجری میں دوسری آتشزدگی کے بعد سلطان ناصر محمد قایتبائی نے ایک ہی چھت بنائی۔ سلطان مراد خاں نے شمالی حصہ میں تین دالانوں کی توسیع کی لیکن پھر بھی اس طرف سے چھت آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی مسجد اصلی کی حد تک نہ پہنچ سکی۔ عمارت مجیدیہ میں دونوں کی توسیع کی گئی اور چھت مسجد اصلی کے برابر کر دی گئی۔ ترکی تعمیر کے دوران چھت کو گنبدوں کی شکل دے دی تا کہ لکڑی کا استعمال نہ ہونے کی وجہ سے آتشزدگی سے ممکنہ بچاؤ رہے۔ اور گنبدوں پر سیسہ کی چادریں چسپاں کر دی گئیں تا کہ بارش کا اثر نہ ہو۔ گنبدوں کی بلندی مختلف ہے۔ سب سے بلند گنبد خضرا ہے۔ پھر گنبد محراب عثمانی اور پھر گنبد باب السلام۔ باقی گنبد ایک جیسے ہیں۔ کل گنبد ایک سو ستر ہیں۔ پندرہویں صدی ہجری کی ابتدا میں ان گنبدوں کی مرمت کی گئی اور ان پر سیسہ کی نئی چادریں چسپاں کی گئیں۔

حکومت سعودیہ کی پہلی توسیع

(۱۳۶۸ھ / ۱۳۷۵ء تا ۱۹۴۹ھ / ۱۹۵۵ء)

روزِ اول سے ہی حرمین شریفین کی ترقی و توسیع، حفاظت، صفائی اور حجاج و زائرین کو آسائش پہنچانے کے لیے خصوصی دلچسپی لیتی چلی آئی ہے۔ مسجد نبویؐ کی توسیع و ترقی کی جو بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں ان کا کچھ تذکرہ آئندہ اوراق میں ملاحظہ کیجیے گا۔

ملک عبدالعزیز آل سعود مسجد نبوی کی زیارت اور بارگاہ نبوت میں سلام عرض کرنے کے لیے آئے تو مسجد کی زیارت کے بعد اس میں توسیع کی ضرورت محسوس کی۔ خصوصاً جب شرفاء مدینہ نے ایام حج میں سخت اژدحام کا تذکرہ کیا تو مسجد کی توسیع کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلہ یں ۱۳۷۰ ہجری میں ابتدائی کام شروع کر دیا گیا کہ مسجد کے اردگرد مشرق، مغرب اور شمال تین اطراف میں مکانات گرا کر زمین برابر کر دی گئی تا کہ مسجد کی توسیع کے ساتھ ساتھ چاروں طرف کھلا راستہ بنا دیا جائے۔ صحن کے تینوں اطراف میں موجود دالان (برآمدہ) کو منہدم کر دیا گیا جو ۶۲۴۶ مربع میٹر تھا اور اس میں مزید ۶۰۲۴ مربع میٹر شامل کیے گئے جبکہ جنوبی حصہ کو اسی طرح باقی رکھا گیا اس لیے کہ اس کے حسن و خوبی اور مضبوطی میں کوئی کمی نہ تھی۔ اس طرح مسجد کا کل رقبہ ۱۶۳۲۶ مربع میٹر ہو گیا جو ترکی و سعودی تعمیرات کا مجموعہ تھا۔

ابتداء تعمیر

۱۳/ ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری کو ولی عہد امیر سعود بن عبدالعزیز نے اپنے والد کی

نیابت کرتے ہوئے مسجد نبوی کی توسیع کا سنگ بنیاد رکھا۔ مختلف اسلامی حکومتوں کے سفراء اس مجلس میں موجود تھے۔ اس طرح تعمیر کی ابتداء حکومت کی زیر سایہ محمد بن لادن ٹھیکیدار کے انجینئروں نے شروع کی۔ مدینہ منورہ کے قریب ذوالحلیفہ کے علاقہ میں سنگتراشی کا ایک کارخانہ بنایا گیا۔ باقی سامان لکڑی لوہا سیمنٹ وغیرہ بحری جہاز ینبع کی بندرگاہ لاتے اور وہاں سے بڑے ٹرالوں پر مدینہ طیبہ پہنچایا جاتا۔ تیس بحری جہازوں سے زیادہ اس خدمت پر مامور تھے اور تیس ہزار ٹن سے زیادہ سامان بندرگاہ پر اتارا گیا۔

شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شاہ سعود جب حکمران بنے تو ربیع الاول ۱۳۷۳ھ میں مدینہ طیبہ آئے اور ساری عمارت کو بڑے غور وخوض سے دیکھا اور توسیع کی مغربی دیوار میں اپنے ہاتھ سے چار پتھر نصب کیے جن کے اندر تاریخی تحریریں نقشے اور سونے چاندی کے سکے رکھے۔ یہ چاروں سفیدی مائل پتھر باب الملک سعود قدیم میں داخل ہوتے ہوئے دائیں طرف نصب ہیں جن پر یہ عبارت لکھی ہے:

بنی بیدہ ھذہ الا حجار الا ربعة جلالة الملک سعود تا سیا بالنبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و ذلک فی شھر ربیع الاول سنة ۱۳۷۳ھ.

یہ تعمیرات جاری رہیں تا آنکہ ۱۳۷۵ھ کو تکمیل کو پہنچیں اور پچاس ملین ریال اس تعمیر وتوسیع پر لاگت آئی۔ شاہ سعود نے اس عمارت کا افتتاح اسلامی حکومتوں کے بہت سے سفراء کی موجودگی میں ۵ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ کو کیا۔

تعمیر وتوسیع کے اوصاف

حکومت سعودیہ کی پہلی توسیع سے مراد وہ مستطیل عمارت ہے جس کی لمبائی ۱۹۸ میٹر اور چوڑائی ۹۱ میٹر ہے اور وہ ترکی عمارت کے شمالی صحن سے شروع ہوتی ہے اس کا فرش

سفید ٹھنڈے پتھر کا ہے جو سورج کی تپش سے گرم نہیں ہوتا۔ اس کے مشرق و مغرب میں تین دالان ہیں اور صحن کے درمیان تین دالانوں والی عمارت ہے جو مشرق سے مغرب تک چلی گئی ہے۔ اس کے مشرقی جانب باب الملک عبدالعزیز بنایا گیا ہے اور مغربی جانب باب الملک سعود تعمیر کیا گیا جن میں تین تین متصل دروازے ہیں۔ اس صحن کے شمالی حصہ کی عمارت پانچ دالانوں پر مشتمل ہے اور ہر دالان کی چوڑائی چھ میٹر ہے۔ شمالی دیوار میں تین دروازے ہیں جن کے نام یہ ہیں: باب عمر بن الخطابؓ، باب عبدالمجید اور باب عثمان بن عفانؓ۔

یہ عمارت کنکریٹ سے تعمیر کی گئی ہے اور ۲۳۲ ستونوں پر استوار ہے جس پر ڈاٹیں بنائی گئی ہیں اور اس کے شمال، مشرق اور مغرب میں دیواریں ہیں۔ ان دیواروں اور ستونوں کی بنیادیں سات میٹر گہری ہیں۔ چھت چوکور شکل کی ہے جیسے لکڑی کی ہوتی ہے جس کی بلندی ۱۲.۵۵ میٹر ہے۔ عمارت سفید رنگ کی ہے جس میں معمولی سرخ و سیاہ رنگ کی آمیزش ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اس تعمیر کا انداز ترکی عمارت سے ملتا جلتا ہو۔ مسجد کے حسن و جمال کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ مسجد کی چھت اور قوسوں وغیرہ میں مصنوعی پتھر استعمال کیا گیا ہے تاکہ زمین میں استعمال شدہ پتھر کے ساتھ حسن کا تناسب قائم رہے۔

مینار

مسجد نبوی کے پانچ مینار تھے جن میں تین مینار منہدم کر دیئے گئے تھے۔ ایک باب الرحمۃ کے پاس والا دوسرا مینار سلیمانیہ اور مینارہ مجیدیہ جو مسجد کے شمال جانب تھے ان کے بجائے اب دو مینار نئے بنا دیے گئے ہیں۔ شمالی جانب کے مشرقی اور مغربی کونوں پر۔ دونوں کی بلندی ۷۲ میٹر ہے۔ اب مسجد کے چار مینار ہو گئے ہیں۔

سائبان مسجد کے مغربی جانب

حکومت سعودیہ میں امن وامان کی بحالی اور آمدورفت وقیام کی صورتیں آرام دہ ہوگئیں اس لیے حج وزیارت کرنے والوں کی کثرت ہوگئی اور سعودی توسیع کے باوجود مسجد میں جگہ کم ہونے لگی اس لیے شاہ فیصل مرحوم نے مسجد کی مغربی سمت میں نمازیوں کے لیے جگہ بنانے کا حکم دے دیا لہٰذا ۱۳۹۳ھ میں اس علاقہ کے بازار مربع میٹر جگہ میں پختہ سائبان لگا دیئے گئے تاکہ پانچ وقتہ نماز باجماعت کی ادائیگی میں لوگ شامل ہوسکیں۔ یہ سائبان مکتبہ ملک عبدالعزیز کے بالمقابل نفق المناخہ تک پھیلے ہوئے تھے اور توسیع دوم حکومت سعودیہ تک باقی رہے۔

دوسری سعودی توسیع

(از ۱۴۰۵ھ تا ۱۴۱۴ھ بمقابق ۱۹۸۴ء تا ۱۹۹۴ء)

خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود حفظہ اللہ کو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص لگاؤ رہا ہے اور ان کی عقیدت کی اعلیٰ ترین صورت میں مسجد نبوی کی توسیع ہوئی ہے جس مسجد شریف کے اردگرد کی تمام عمارات کو اپنے میں مدغم کر گئی ہے اور دنیا کے ہر حصہ میں مسلمانوں کے لیے باعث فخر وخوشی بن گئی ہے۔ مسجد شریف کی اس تعمیر سے عمارت کی عظمت اور حسن وخوبی واضح طور پر عیاں ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان و بیان سے جو بھی تصویر کھینچی جائے وہ اس کی عظمت کو ظاہر کرنے سے قاصر ہے جو زیارت کنندہ اس کی خوبیوں کو دیکھ کر محسوس کر سکتا ہے۔

توسیع وتعمیر خادم الحرمین الشریفین

شاہ عبدالعزیز آل سعود کے دور سے ہی مسجد شریف کی توسیع کا سلسلہ جاری رہا ہے اور شاہ فہد نے جو توسیع کا کام کیا ہے یہ اسی کا مسلسل عمل ہے۔ اس توسیع کا مقصد یہ تھا کہ آئندہ صدیوں تک نمازیوں اور زائرین کے لیے یہ توسیع کافی ہو خصوصاً ماہ رمضان اور ایامِ حج میں۔ اور پھر ہر قسم کے آرام وراحت کا انتظام بھی زائرین کے لیے مہیا کیا گیا ہے جس میں مختلف موسمی حالات کا خیال رکھا گیا۔ قابل ذکر تفصیلات آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجیے۔

سنگ بنیاد

بروز جمعه ۹ صفر ۱۴۰۵ھ کو شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس توسیع کا سنگ بنیاد رکھا جس پر بسم اللہ کے الفاظ کندہ ہیں جو اس وقت باب السلام کے دائیں طرف اور مقصورہ کے مغربی دروازہ کے قریب نصب ہے۔ اس کے ساتھ ایک پتھر کے تختہ پر یہ الفاظ کندہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ . صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ بِفَضْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى تَشَرَّفَ خَادِمُ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيْفَيْنِ الْمَلِكُ فَهَدُ بْن عبدالعزيز آل سعود حفظه اللّٰه بوضع حجر الاساس لمشروع توسعة و عمارة المسجد النبوى الشريف (التوسعة السعودية الثانية) فى يوم الجمعة ۹/۲/۱۴۰۵ھ الموافق ۲/۱۱/۱۹۸۴م .

ابتداء تعمیر و تکمیل

خادم حرمین شریفین نے بنفس نفیس اس بابرکت کام میں حصہ لیتے ہوئے نقشوں پر غور و خوض کیا اور مجلس شاہی کے اراکین میں سے جو جس کام کے قابل تھا اسے وہ کام سونپا۔ باقاعدہ کام محرم الحرام ۱۴۰۶ھ میں شروع ہو کر ۱۴۱۴ھ میں اختتام پذیر ہوا جبکہ خادم الحرمین الشریفین نے عمارت کی آخری اینٹ نصب کی جو اس وقت باب النساء کے متصل اڑتیس نمبر دروازہ باب بلال اور باب نساء کے درمیان نصب ہے اور اس پر یہ عبارت کندہ ہے:

بسم اللّٰه و على بركة اللّٰه و تاسيا برسول اللّٰه سيدنا محمد صلى اللّٰه عليه و آله وسلم قام خادم الحرمين الشريفين الملك فهد بن عبدالعزيز آل سعود بوضع آخر لبنة يوم

الجمعة ۴/۱۱/۱۴ الموافق ۱۹۹۳/۴/۱۵ م فی توسعة مسجد رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدمة للاسلام و المسلمین والحمد اللّٰہ رب العلمین

وصف عام

توسیع وتعمیر خادم حرمین شریفین سے مراد وہ عظیم عمارت ہے جو پہلی سعودی توسیع کو تین اطراف سے گھیرے ہوئے ہے جو مشرق کی طرف سے باب النساء کے برابر سے شروع ہو کر شمالی جانب کے آخر تک چلی گئی ہے۔ اسی طرف مغرب میں باب الرحمۃ کے برابر سے شروع ہو کر شمال ک آخر تک چلی گئی ہے۔ مسجد کا اگلا حصہ اپنی پرانی وضع وشکل میں اسی طرح باقی رکھا گیا تا کہ ترکی عمارت کی یادگار قائم رہے۔ ستون، چھت، دالان اور سجاوٹیں بعینہ اسی طرح بنائی گئی ہیں کہ سعودیہ کی پہلی توسیع سے تناسب باقی رہے اور مختلف شکل وصورت نہ محسوس ہو۔ بیرونی دیواروں کو منہدم کر کے چھتوں کو اس طرح جوڑ دیا گیا کہ ان میں اکائی پیدا ہوگئی ہے اور دالانوں میں یکسانی محسوس ہوتی ہے۔ بیرونی دیواروں پر گرانائیٹ پتھر لگا دیا گیا ہے۔

اس توسیع میں چھ جدید میناروں کا اضافہ کر دیا گیا جو سعودیہ کی پہلی توسیع کے دونوں میناروں جیسے ہیں۔ ان میں بھی ان سے یکتائی پائی جاتی ہے۔ اور نچلے حصے پر گرانائیٹ پتھر لگا دیا گیا ہے۔ یہ عمارت تہہ خانہ، گراؤنڈ فلور اور چھت پر مشتمل ہے۔ ہر حصے میں آمدورفت کے لیے اور اس سے استفادہ کے لیے مناسب رستے مہیا کیے گئے ہیں۔

اس وسیع عمارت میں متعدد ضروری انتظامی سلسلے موجود ہیں مثلاً نگرانی کے لیے ٹیلویژن کیمرے بجلی کا نظارہ دائمی واحتیاطی، جدید قسم کا آگ بجھانے کا نظام، پینے کے صاف پانی کے ذخیرے اور لائٹیں اور نکاسی آب کا نظام، امام کی آواز کو مسجد کے ہر حصے میں ایک جیسا پہنچانے کے ضامن ہیں۔ ان میں آواز ایک دوسرے سے ٹکراتی نہیں اور ان کو

پیتل کے تاجوں کے اندر چھپا دیا گیا ہے جو ستونوں کے اوپر کے حصہ پر بنے ہوئے ہیں لہٰذا کوئی انھیں دیکھ نہیں پاتا۔ یہ سارا نظام تہ خانہ سے کنٹرول کیا جاتا ہے اور اسے بہترین کاریگر اور صاحب فن لوگ چلاتے ہیں۔ آگے ان کی تفصیلات ملاحظہ کیجیے۔

گراؤنڈ فلور

یہ توسیعی عمارت کا بہت بڑا حصہ ہے جو بیاسی ہزار مربع میٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا فرش سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے۔ اس کی بلندی ۱۲ میٹر ہے۔ اس حصہ میں دو ہزار اک سو چار ستون ہیں۔ ایک ستون سے دوسرے تک چھ میٹر کا فاصلہ ہے تاکہ ان میں ۶x۶ کے صحن بن جائیں لیکن جن حصوں کے اوپر قبے ہیں ان کا فاصلہ ۱۸x۱۸ ہے اور حصہ میں ستون ۱۸ میٹر کے فاصلہ پر ہیں۔ جدید توسیع میں اسی آخری قسم کی کھلی جگہیں ۲۷ ہیں جو متحرک گنبدوں سے ڈھانپی ہوئی ہیں تاکہ بوقت ضرورت ہوا اور روشنی حاصل کی جاسکے۔ گراؤنڈ فلور پر جو ستون ہیں ان کی ڈاٹوں تک بلندی ۶، ۵ میٹر ہے۔ ڈاٹوں کی کل تعداد ۳۸۱۲ ہے۔ ان ستونوں پر سفید پتھر گولائی میں لگایا گیا ہے۔ ستونوں کے اوپر پیتل کے تاج ہیں اور ان کے پائے ہندسی اشکال کے پتھر سے سجائے گئے ہیں۔ یہ پتھر ایک مخصوص قسم کے ہیں جن میں مسامات ہیں جو رطوبت کو محفوظ رکھتے ہیں اور اٹلی و سپین سے درآمد کیے گئے ہیں۔

مسجد نبوی شریف کی سب سے بڑی توسیع

یہ بیان ہو چکا ہے کہ قبلہ کی جانب عمارت کا موجودہ مسقّف حصہ ۴۰۵۶ مربع میٹر ہے اور پہلی حکومت سعودیہ کی توسیع ۱۲۲۷۰ مربع میٹر ہے۔ یہ کل ۱۶۳۲۶ مربع میٹر رقبہ بنتا ہے اور اس میں ۲۸۰۰۰ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔

چھت کا کل رقبہ ۶۷۰۰۰ مربع میٹر ہے۔ اس میں سے گنبدوں نے ۸۷۵۰ مربع

میٹر جگہ روک رکھی ہے باقی حصہ ۵۸۲۵۰ رہ گیا جس میں بوقت ضرورت ۹۰۰۰۰ نمازیوں کی گنجائش نکل آتی ہے۔ گراؤنڈ فلور اور چھت پر ۱۵۶۵۷۶ مربع میٹر جگہ میسر آ جاتی ہے جس میں دو لاکھ اڑسٹھ ہزار (۲۶۸۰۰۰) نمازی سجدہ ریز ہو سکتے ہیں۔ یعنی پہلی توسیع میں جتنے نمازیوں کی گنجائش تھی اس سے نو گنا نمازیوں کے لیے جگہ میسر آ گئی۔ اس طرح یہ تاریخ کی سب سے عظیم توسیع ہو گئی ہے۔

مسجد نبوی کے ارد گرد ٹھنڈے فرش کا صحن ہے جو دو لاکھ پینتیس ہزار مربع میٹر ہے۔ اس میں سے ایک لاکھ پینتیس ہزار مربع میٹر نماز کے لیے استعمال ہو سکتا ہے جس میں چار لاکھ تیس ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس طرح مسجد اور اس کے متعلقات میں چھ لاکھ اٹھانوے ہزار نمازیوں کے لیے گنجائش مہیا ہو گئی ہے۔

مستورات کے لیے نماز کی جگہ

عورتوں مردوں کا آپس میں اختلاط چونکہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اس لیے مسجد کے مشرقی شمالی جانب میں سولہ ہزار میٹر مربع جگہ مخصوص کر دی گئی ہے اور مغربی شمالی جانب میں آٹھ ہزار مربع میٹر۔ یہ جگہ ہر وقت عورتوں کے نماز کی ادائیگی کے لیے کام دیتی ہے اور جب اژدحام اور بھیڑ کا موقع ہو تو یہ رقبہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اندرونی مسقّف حصہ میں مردوں اور عورتوں کے درمیان دیوار سے پردہ بنا دیا گیا ہے۔ جیسے کہ مسجد میں جانے کے لیے ان کے دروازے بھی ہیں۔ جن کے نمبر ذیل میں ہیں:

۱۳۔۱۴۔۱۶۔۱۷۔۲۳۔۲۴۔۲۵۔۲۶۔۲۸۔۲۹۔۳۰

مسجد کے دروازے

توسیع کرتے ہوئے مسجد میں داخلہ کے لیے کافی دروازے رکھ دیے گئے ہیں

تاکہ آنے جانے والوں کا اژدحام نہ ہو۔ مسجد نبوی شریف کے پہلے گیارہ دروازے جن میں سے بعض اس وقت توسیعی عمارت کے اندر آ چکے ہیں یعنی باب ملک سعود، باب عمرؓ، باب عبدالحمیدؒ، باب عثمانؓ اور باب ملک عبدالعزیزؒ۔ باقی دروازے نمبروں کے تسلسل میں توسیع کے دروازوں میں شامل ہو گئے جن کی ابتداء باب السلام سے ہوتی ہے۔ اس طرح کل اکتالیس دروازے ہیں۔ بعض کا ایک دروازہ، بعض کے دو، بعض کے تین اور کہیں پانچ دروازوں کا راستہ ہے۔ اس طرح دروازوں کی مجموعی تعداد پچاسی ہو جاتی ہے۔ بعض دروازے صرف گراؤنڈ فلور کے لیے ہیں بعض چھت کو جانے کے لیے جبکہ بعض دروازے گراؤنڈ فلور اور چھت دونوں کو جاتے ہیں۔ بعض دروازوں سے عام سیڑھیاں اوپر جاتی ہیں اور بعض سے الیکٹرک خودکار سیڑھیاں مردوں اور عورتوں کے لیے جدا جدا دروازے ہیں۔ بعض دروازوں کے پہلو میں مسجد کے معاملات کے سلسلے میں دفاتر ہیں۔ اب بالترتیب سب دروازوں کی کیفیت اور ان کے نام ملاحظہ کریں:

۱۔ باب السلام: اس کا ایک ہی دروازہ ہے اور یہ ترکی عمارت میں واقع ہے۔

۲۔ باب الصدیق: اس کے تین متصل دروازے ہیں۔ یہ بھی ترکی عمارت کی یادگار ہیں اور اس کے تیسرے دروازے کے پہلو میں پولیس کا دفتر ہے۔

۳۔ باب الرحمت: اس کا ایک دروازہ ہے۔ یہ بھی ترکی عمارت کا حصہ ہے۔

۴۔ اس کے دو دروازے ہیں (ا۔ب) اس کا نام باب ہجرت رکھا گیا ہے۔

۵۔ اس میں ایک دوسرے سے متصل تین دروازے ہیں (ا۔ب۔ج) اور دائیں بائیں دروازوں میں عام قسم کی سیڑھیاں ہیں جو چھت پر جاتی ہیں۔ اس کا نام باب قبا ہے۔

۶۔ اس میں دو دروازے ہیں (ا۔ب) جن میں خودکار الیکٹرک سیڑھیاں چھت کو جاتی ہیں اور یہ جنوبی جانب کا آخری دروازہ ہے۔

۷۔ صرف ایک ہی دروازہ ہے۔

۸۔ اس میں پانچ متصل دروازے ہیں (ا۔ب۔ج۔د۔ھ) اور دو میں عام سیڑھیاں چھت کو جاتی ہیں۔

۹۔ صرف ایک دروازہ ہے۔ دروازہ نمبر ۷۔۸ اور ۹ کا نام باب ملک سعود ہے۔ دروازہ نمبر ۹ سے ملحق دو لفٹیں ہیں جن کے ذریعے چھت پر نماز پڑھنے والوں کے لیے قالین اور پانی وغیرہ اوپر لے جایا جاتا ہے۔

۱۰۔ اس میں دو دروازے ہیں (ا۔ب) اور خودکار الیکٹرک سیڑھیاں ہیں تاکہ توسیعی چھت پر جایا جاسکے۔

۱۱۔ اس میں دو دروازے ہیں (ا۔ب) اس کا نام باب العقیق ہے۔

۱۲۔ اس میں صرف ایک دروازہ ہے۔

۱۳۔ اس میں پانچ متصل دروازے ہیں جو عمارتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ پہلے اور پانچویں میں عام سیڑھیاں۔ عورتوں کے لیے اوپر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ان سے کام نہیں لیا جاتا۔

۱۴۔ ایک ہی دروازہ ہے جس کے پہلو میں کچھ دفاتر ہیں۔ دروازہ نمبر ۱۲، ۱۳ اور ۱۴ کا نام باب سلطان عبدالمجید ہے۔

۱۵۔ دو دروازوں پر مشتمل ہے (ا۔ب) جس میں خودکار الیکٹرک سیڑھیاں ہیں۔

۱۶۔ صرف ایک دروازہ ہے۔

۱۷۔ اس میں پانچ متصل دروازے ہیں جو عورتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ پہلے اور پانچویں میں عام سیڑھیاں ہیں جن کا استعمال بند ہے۔

۱۸۔ ایک ہی دروازہ ہے۔ دروازہ نمبر ۱۶، ۱۷ اور ۱۸ کا نام باب عمر بن الخطابؓ ہے۔

۱۹۔ ایک ہی دروازہ ہے۔ اسکا نام باب بدر ہے۔

۲۰۔ ایک ہی دروازہ ہے۔

۲۱۔ اس کے متصل پانچ دروازے ہیں۔ اس کا نام باب الملک فہد بن عبدالعزیز ہے۔ اس راستہ کے اوپر سات کنکریٹ کے گنبد ہیں اور اس کے دونوں اطراف میں دو مینار جو ایک سو چار میٹر بلند ہیں۔ پہلے اور پانچویں دروازے میں چھت پر جانے کے لیے معمولی سیڑھیاں ہیں۔

۲۲۔ اس کا ایک ہی دروازہ ہے۔ دروازہ نمبر ۲۰، ۲۱ اور ۲۲ کا نام باب ملک فہد ہے۔

۲۳۔ اس کا اک ہی دروازہ ہے جو مستورات کے لیے مخصوص ہے۔ س کا نام باب احد ہے۔

۲۴۔ اس کا بھی ایک ہی دروازہ ہے جو عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔

۲۵۔ اس میں پانچ متصل دروازے عورتوں کے لیے مخصوص ہیں۔ جن میں پہلے اور پانچویں دروازے میں غیر مستعمل سیڑھیاں ہیں۔

۲۶۔ اس میں صرف ایک دروازہ ہے۔ دروازہ نمبر ۲۴، ۲۵ اور ۲۶ کا نام باب عثمان بن عفانؓ ہے۔

۲۷۔ اس میں دو دروازے ہیں جو شمالی حصہ کے آخری دروازے ہیں اور ان میں خود کار الیکٹرک سیڑھیاں ہیں۔

۲۸۔ اس میں صرف ایک دروازہ ہے جو مستورات کے لیے مخصوص ہے۔

۲۹۔ اس میں پانچ متصل دروازے ہیں جو مستورات کے لیے مخصوص ہیں۔ پہلے اور پانچویں دروازے میں غیر مستعمل سیڑھیاں ہیں۔

۳۰۔ اس میں ایک ہی دروازہ ہے جو عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔ دروازے نمبر ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ کا نام باب علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے۔

۳۱۔ اس میں دو دروازے ہیں جن میں خود کار الیکٹرک سیڑھیاں اوپر جانے کے لیے ہیں۔ اس سے ملحق دو لفٹیں ہیں جن کے ذریعے چھت پر نماز پڑھنے والوں کے

لیے قالین اور پانی وغیرہ پہنچایا جاتا ہے۔

۳۲۔ اس میں دو دروازے ہیں (ا۔ب) اس کا نام باب ابوذرؓ ہے۔

۳۳۔ ایک دروازہ ہے جس میں حرم پولیس کا دفتر ہے۔

۳۴۔ اس میں پانچ دروازے ہیں جو متصل ہیں۔ پہلے اور پانچویں میں معمول کی سیڑھیاں ہیں۔

۳۵۔ اسمیں صرف ایک ہی دروازہ ہے۔ دروازہ نمبر ۳۳، ۳۴ اور ۳۵ کا نام باب ملک عبدالعزیز ہے۔

۳۶۔ اس میں دو دروازے ہیں جن میں خودکار الیکٹرانک سیڑھیاں ہیں۔

۳۷۔ اس میں تین دروازے ہیں جو متصل ہیں اور دائیں بائیں دروازوں میں معمول کی سیڑھیاں ہیں۔ اس کا نام باب مکہ ہے۔

۳۸۔ اس میں دو دروازے ہیں (ا۔ب) اس کا نام باب بلالؓ ہے۔

۳۹۔ باب النساء جو ترکی تعمیرات کی یادگار ہے۔

۴۰۔ باب جبریل۔ یہ بھی ترکی تعمیرات کی تاریخی یادگار ہے۔

۴۱۔ باب البقیع۔ ایک ہی دروازہ ہے۔ یہ مشرقی جانب میں مسجد نبوی شریف کا آخری دروازہ ہے۔ یہ ۱۴۰۸ھ میں کھولا گیا۔

دروازوں کی بناوٹ

یہ سب دروازے کنکریٹ سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ اندرونی حصہ میں سنگ مرمر اور بیرونی میں گرانائٹ پتھر لگایا گیا ہے۔ ان میں لکڑی کے دروازے ہیں جو عرض میں ۳ میٹر اور طول میں چھ میٹر ہیں۔ عزیزی لکڑی استعمال کی گئی ہے جو سوڈان سے درآمد کی گئی ہے۔ اس پر پیتل چڑھا ہوا ہے۔ ہر دروازہ کے درمیان میں لفظ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا

ہوا ہے۔ ہر دروازے کے اوپر پتھر کی تختی پر "اُدْخُلُوھَا بِسَلَامٍ آمِنِیْن" کندہ ہے
یہ بتلا دینا مناسب ہے کہ جن راستوں میں خود کار سیڑھیاں ہیں ۔ ان میں دروازے عام دروازوں سے نسبتاً چھوٹے ہیں۔

متحرک گنبد

قدرتی ہوا اور روشنی سے استفادہ کے لیے گراؤنڈ فلور پر چھت میں کھلی جگہ رکھی گئی ہے جو ضرورت کے مطابق کھولی اور بند کی جا سکتی ہے۔ ان پر بڑے بڑے متحرک گنبد ہیں جو فولادی لائنوں پر پھسل کر آگے پیچھے ہو سکتے ہیں۔ جدید عمارت پر یہ ستائیس کی تعداد میں ہیں اور ہر گنبد کے نیچے ۱۸x۱۸ میٹر رقبہ آ جاتا ہے۔ یہ گنبد توسیعی چھت سے ۳،۵۵ میٹر اونچا ہے اور نچلے فرش سے ۱۶،۶۵ میٹر بلند ہے۔ گنبد کا اندرونی نصف قطر ۷،۳۵ میٹر ہے اور ۳۲۴ مربع میٹر جگہ پر سایہ کرتا ہے۔ گنبد کا کل وزن ۸۰ ٹن ہے جس میں ۴۰ ٹن فولادی پنجرہ ہے اور ۴۰ ٹن باقی سامان ہے جو اندرونی اور بیرونی حصہ میں استعمال ہوا ہے۔ اندرونی حصہ میں ۲۰ ملی میٹر کے لکڑی کے ٹکڑے لگے ہوئے ہیں۔ اس پر صنوبر مغربی کی ہاتھ سے کھدی ہوئی تختیاں ہیں جن میں بڑے قیمتی پتھر لگائے گئے ہیں جو سنہری کڑیوں سے فٹ کیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ مزید ایسی جگہیں ہیں جن پر سونے کے ورق چڑھائے گئے ہیں۔ ہر گنبد میں ۲،۵ کیلوگرام سونا استعمال کیا گیا ہے۔ گنبدوں کی سجاوٹ پر کل ۶۷،۵ کیلوگرام سونا استعمال کیا گیا ہے اور جس حصہ پر سونا لگایا ہے وہ تقریباً ۱۰۰ میٹر ہے۔ بازونیٹ پتھر کے ایک ہزار ٹکڑے سنہری کڑیوں سے فٹ ہیں۔ یہ پتھر کینیا سے درآمد کیا گیا ہے۔ کھدائی کا کام ۱۶۰ میٹر جگہ پر کیا گیا ہے۔ یہ تو ہے اندرونی شکل وصورت۔ رہا بیرونی حصہ تو وہ جرمنی سیرامک سے بنایا گیا ہے جو ۲۵ ملی میٹر گرانائٹ پر استوار کیا گیا ہے۔ گنبد کا چوٹی والا حصہ پیتل کا ہے جس پر سونا چڑھایا گیا ہے۔ یہ گنبد جدید ترین شکل وصورت میں بنائے گئے ہیں اور جدید و قدیم میں

تناسب پیدا کرنے کی کامیاب کوشش ہے اور خوبی یہ ہے کہ یہ سب کام مدینہ منورہ کے گردو پیش کی فیکٹریوں میں سرانجام پایا ہے۔

گنبدوں کی تحریک کا نظام

گنبدوں کو کھولنا اور بند کرنا مرکزی کمپیوٹر کے ذریعہ سرانجام پاتا ہے جو بجلی کی طاقت سے چلتا ہے۔ خواہ سب گنبدوں کو حرکت دینا ہو یا کسی ایک کو۔ اور یہ کام ایک منٹ میں سرانجام پا جاتا ہے۔ ویسے ہاتھ سے بھی یہ کام ہو سکتا ہے لیکن اس پر ۳۰ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اسے کھولا جائے تو روشنی اور تازہ ہوا سے موسمی حالات کے مطابق استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ بند کرنے کی صورت میں شدید سردی و گرمی اور بارش سے حفاظت ہو سکتی ہے اور مسجد کی اندرونی ایئر کنڈیشنڈ ہوا کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ یہ گنبد چار فولادی پہیوں سے چلتے ہیں۔

ہر پہیہ میں ۲۵ کلوواٹ بجلی کی طاقت ہے جس سے گنبد کو حرکت دی جا سکتی ہے اور یہ پہیے فولادی لائنوں پر چلتے ہیں جن پر خاص قسم کا پالش ہے جو زنگ آلود نہیں ہوتا اور چلتے وقت اس میں کسی قسم کی آواز پیدا نہیں ہوتی۔

توسیعی حصہ کی چھت

جدید چھت کا کل رقبہ سڑسٹھ ہزار مربع میٹر ۶۷،۰۰۰ ہے جس میں سے ۶۷۵۰ مربع میٹر گنبدوں میں آ گیا ہے اور نمازیوں کے لیے ۵۸۲۵۰ مربع میٹر بچتا ہے جسمیں نوے ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ اس چھت پر یونانی سفید پتھر لگایا گیا ہے جسے حرم مکی میں لگا کر دھوپ میں کارآمد ہونے کی صلاحیت آزمائی جا چکی ہے۔ چھت پر ایک دالان بھی ہے جس کا رقبہ گیارہ ہزار (۱۱،۰۰۰) مربع میٹر ہے اور وہ پانچ میٹر اونچا ہے اور توسیعی حصہ کے مغربی، مشرقی، جنوبی اور شمالی حصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس چھت اور دیواروں میں مصنوعی

منقش پتھر لگایا گیا ہے تا کہ توسیعی عمارت سے اس کا تناسب قائم رہے۔ واضح رہے کہ آئندہ بوقت ضرورت پوری چھت پر دوسری منزل بنائی جا سکتی ہے۔

الیکٹرک سیڑھیاں

گراؤنڈ فلور میں نمازیوں کو چھت پر لے جانے کے لیے الیکٹرک سیڑھیاں بنائی گئی ہیں جن کی کل تعداد چھ ہے جو مسجد کے چاروں پہلوؤں میں جاری و ساری ہیں اور ۶۔۱۰۔۱۵۔۲۷۔۳۱۔۳۶ نمبر کے دروازوں میں موجود ہیں۔

عام سیڑھیاں

نمازیوں کے چھت پر جانے کے لیے اٹھارہ عام سیڑھیاں بھی بنائی گئی ہیں۔ سب کا ذکر راستوں اور دروازوں کے باب میں ہو چکا ہے۔

مینار

توسیعی تعمیر میں چھ مینار تعمیر کیے گئے ہیں۔ چار توسیعی عمارت کے چاروں کونوں پر اور دو مرکزی دروازے پر جسے باب الملک فہد بن عبدالعزیز کہا جاتا ہے۔ ہر ایک کی لمبائی ۱۰۴ میٹر ہے۔ توسیع اول سعودی میں دو مینار ہیں۔ جدید مینار اسی شکل پر تعمیر کیے گئے ہیں البتہ جدید میناروں کی بلندی قدیم سے ۳۲ میٹر زیادہ ہے۔ ہر مینار کے پانچ حصے ہیں۔ پہلا حصہ مربع شکل کا ہے جس کا پہلو ۵،۵ میٹر کا ہے اور ۲۷ میٹر بلندی ہے۔ اس پر گرانائٹ پتھر لگا ہوا ہے اس کے اوپر چوکور گیلری ہے۔

دوسرا حصہ آٹھ پہلو ہے جسکا قطر ۵،۵ میٹر ہے اور بلندی ۲۱ میٹر ہے۔ اس پر رنگین مصنوعی پتھر لگایا گیا ہے۔ اس کے ہر زاویہ پر گول ستون ہے جن کے درمیان لکڑی کی

کھڑکیاں (روشندان) ہیں۔اس کے اوپر آٹھ پہلو گیلری ہے۔

تیسرا حصہ ستون کی شکل کا ہے۔اس کا قطر پانچ میٹر ہے اور بلندی ۱۸ میٹر ہے۔ اس میں کوئی روشندان وغیرہ نہیں اس پر گول گیلری ہے۔

چوتھا حصہ بھی ستون کا شکل کا ہے۔اس کا قطر ۵،۴ میٹر ہے۔اس پر تین ڈاٹیں ہیں جو سفید پتھر کے ستونوں پر قائم ہیں۔

پانچواں حصہ مخروطی شکل کا ہے اور اس کے اوپر بیضوی شکل کا گنبد ہے جس کے اوپر کانسی کا ہلال ہے جس کی لمبائی ۷،۶ میٹر ہے اور وزن تقریباً ساڑھے چار ٹن ہے جو تانبے کا ہے اور اس پر سونا ۱۴ قراط چڑھا کر بنایا گیا ہے۔

دیواریں

دیواریں دہری ہیں۔درمیان کے خالی حصہ میں ستون لوہے کے سریوں سے مسلح ہیں۔اندرونی دیوار ۳۰ سینٹی میٹر ہے۔بیرونی دیوار اوپر سے ۳۰ سینٹی میٹر اور نچلے حصہ میں ۴۰ سینٹی میٹر موٹی ہے۔ساری دیواریں، ڈاٹیں اور چھتیں کنکریٹ کی ہیں جس میں لوہا استعمال کیا گیا ہے۔چھت کے اندرونی حصہ میں مصنوعی پتھر کے تختے لگائے گئے ہیں جنھیں اس مقصد کے لیے پہلے سے تیار کیا گیا ہے۔جو گرانائٹ کی بجری اور پاؤڈر اور رنگین وسفید سیمنٹ سے بنائے گئے ہیں۔اندرونی دیواروں میں رنگین پتھر نچلے حصہ میں تین میٹر تک لگایا گیا ہے۔ان کے اوپر کی جانب مختلف آیات قرآنیہ لکھی گئی ہیں اوران کی کھدائی میں جدید ترین انداز استعمال کیا گیا ہے اور ساری توسیعی دیوار پر سید علی اور ان کی خطاطی کا کمال ہے۔

سجاوٹیں

توسیعی عمارت میں اسی انداز میں سجاوٹ کی گئی ہے جیسا کہ سعودیہ کی پلی توسیع

میں اوراس مناسبت کالحاظ رکھا گیا ہے تاکہ فن معمار کے ساتھ ساتھ اس کے حسن کا کمال بھی ظاہر ہو۔اس سجاوٹ میں دیواروں کے کونوں کی خوبصورتی بیلٹیں، ڈاٹیں، کنارے، مینار، فولادی جھروکے، جالیاں، کھڑکیاں، لکڑی کے دروازے جن پر تانبا پیتل چڑھا ہوا ہے۔ نیز ستونوں کے تاج جن پر سونے کا پالش ہے اور ساری اندرونی دیواروں پر رنگین پتھر تین میٹر تک، گول ستون جن پر گولائی میں پتھر لگایا گیا ہے اور ستونوں کے پائے جن پر سجاوٹی اشکال کا پتھر لگایا گیا ہے۔

جالیاں

قدرتی ہوا اور روشنی کے لیے ساری توسیعی عمارت کی بیرونی دیوار میں قرو کی لکڑی کی جالیاں نصب کی گئی ہیں۔ جن کے بیرونی حصہ پر ان کی حفاظت کے لیے کانسی کی کھڑکیاں ہیں ان کے اوپر گول جالیاں ہیں جو مصنوعی پتھر اور رنگین شیشہ کی ہیں۔ ہر جالی کے اوپر کی جانب اندر اور باہر مصنوعی پتھر کی تختی نصب ہے جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔

مسجد کے صحن

توسیع میں مسجد کے گرد کھلا احاطہ ہونا ضروری تھا جسے اس صورت میں بنایا جائے کہ بوقت ضرورت اس میں نماز کی ادائیگی کر سکیں اور مسجد کے دوسرے لوازمات وضروریات کے لیے کافی ہو۔ اس لیے مسجد کے جنوب، شمال اور مغرب میں بہت وسیع صحن رکھا گیا جو دولاکھ پینتیس ہزار مربع میٹر میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ایک حصہ میں سفید ٹھنڈے پتھر کا فرش ہے جو گرم نہیں ہوتا باقی حصہ میں عام پتھر کا فرش ہے۔ رات کو روشنی کے لیے اس صحن میں ایک سو اکیاون ستون نصب ہیں جن پر گرانائٹ اور مصنوعی پتھر لگایا گیا ہے۔ ان کے اوپر روشنی کے بلب فٹ ہیں اور اس صحن کے اردگرد ۲۲۷۰ میٹر لمبی دیوار ہے جس میں ہر طرف بڑے بڑے

گیٹ ہیں۔اس صحن میں چار لاکھ تین ہزار نمازیوں کو سمونے کی گنجائش ہے۔اس صحن میں زیر زمین چار منزلہ عمارتیں ہیں جس میں طہارت خانے اور وضو خانے ہیں اور زائرین کی سہولت کی خاطر تہ خانہ میں گاڑیاں کھڑی کرنے کے لیے دو منزلہ پارکنگ بنائی گئی ہے۔

دکانیں اور دفاتر

صحن کی جنوبی جانب اسواق الحرم کے نام سے ایک لمبی عمارت بنائی گئی ہے جس میں دکانیں اور دفاتر ہیں اس کی آمدنی مسجد نبوی شریف کے لیے وقف ہے۔

تہ خانہ

توسیع کے مختلف انتظامات تہ خانہ میں ہیں جس کا رقبہ بھی گراؤنڈ فلور کی طرح بیاسی ہزار مربع میٹر ہے جس کی چھت چار میٹر سے زیادہ بلند ہے اور اس میں ۲۷ سینٹی میٹر قطر کے دو ہزار پانچ سو چون ستون ہیں۔سارا فرش سیرامک کا ہے جس پر ایبوکس کا پینٹ کیا ہوا ہے جبکہ ستون اور دیواروں پر ۲،۳۵ میٹر تک سیرامک لگایا گیا اور اوپر کے حصہ پر چھت سمیت پلاسٹک کا روغن کیا گیا ہے۔تہ خانہ کی تعمیر میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ مسجد شریف کی ضروریات کا پورا نظام اس میں محفوظ رہے۔مثلاً ایئر کنڈیشنڈ نظام، پانی کے ٹینک، نکاسی آب کا نظام، آگ بجھانے کا انتظام، ٹھنڈے پانی کے ٹینک، نشریات، روشنی، گنبدوں کی تحریک کا نظام، ٹیلیفون و ٹیلویژن کیمروں کا کنٹرول اور دو کارخانے پینے کے پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے موجود ہیں۔اس میں داخلے کے آٹھ راستے ہیں۔

بجلی

مسجد شریف میں روشنی کے لیے بجلی کا بہترین انتظام ہے۔۶۸ بڑے فانوس اور

ایک سو گیارہ چھوٹے فانوس، جو تانبے اور کرسٹل سے بنائے گئے ہیں۔ ۲۰۴۵۰ مرکری ٹیوب ہیں۔ لاوڈ سپیکر اور الیکٹرانک کنٹرول سسٹم مسجد و متعلقات کی نگہبانی کے لیے ٹیلیویژن کیمرے اور روشنی کے لیے بوقت ضرورت چارج شدہ بیٹریوں سے بھی کام لیا جاسکتا ہے اور یہ سب آٹومیٹک ہے۔ آگ لگنے کی اطلاع کا انتظام اور اسے ختم کرنے کا بھی بجلی کے ذریعے انتظام ہے۔ روشنی کے اجراء و بندش، اسی طرح سپیکر کا نظم یہ سب کچھ توسیع کے تہ خانہ میں ہے۔ بیرونی مسجد اور میناروں پر روشنی کا کنٹرول سسٹم بھی تہ خانہ میں ہے۔

مشینری کا کام

پینے کے پانی کو ٹھنڈا کرنے، بارش کے پانی کو نکالنے، ایئر کنڈیشننگ نظام، آگ بجھانے کا نظام، ان سب کی مشینری بھی تہ خانہ میں مصروف کار ہے۔

ذرائع ابلاغ

دورِ جدید میں ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے اپنی آواز دوسروں تک پہنچانے کی بڑی اہمیت ہے۔ اس مقصد کے لیے نشریات کا پورا انتظام بھی تہ خانہ میں ہے تاکہ مسجد شریف سے اذان، نماز، جمعہ، عیدین اور نماز تراویح کی آواز براہ راست نشر کی جاسکے۔

دنیا کا منفرد ایئر کنڈیشنڈ نظام

مسجد نبوی شریف میں دنیا کا عظیم ترین اور جدید نظام تیار کیا گیا ہے۔ اس کی انفرادیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایئر کنڈیشن کا مرکزی پلانٹ مسجد نبوی شریف کی مغربی جانب سات کلو میٹر دور قائم کیا گیا ہے تاکہ اس سے پیدا ہونے والا شور مسجد سے دور رہے۔ نیز کام کرنے والوں کو سہولت ہو۔ یہ نظام ستر ہزار مربع میٹر پر پھیلا ہوا ہے اس کا طول و عرض ۲۰۰×۳۵۰ میٹر ہے۔

پلانٹ کی عمارت

اس میں ایئر کنڈیشن اور بجلی کا نظام ہے اور متعدد عمارات ہیں: انتظامیہ کی عمارت، ایئر کنڈیشنڈ کی تیاری کی عمارت، احتیاطی بجلی کی پیداوار کی عمارت وغیرہ۔ اس میں بجلی پیدا کرنے کی آٹھ مشینیں ہیں۔ سات صرف مسجد نبوی کے لیے اور ایک مسجد سے متصل کار پارکنگ کے لیے جن کی قوت ۲،۵ میگاواٹ ہے۔ چار مشینیں چلتی رہتی ہیں اور تین احتیاطی طور پر تیار رہتی ہیں۔

ایئر کنڈیشننگ کے لیے پانی ٹھنڈا کرنے کا نظام

پانی ٹھنڈا کرنے کے لیے چھ پلانٹ نصب ہیں۔ یہ پلانٹ ایک گھنٹہ میں ۳۴۰۰ ٹن پانی ٹھنڈا کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ ہر پلانٹ ایک منٹ میں ۳۴۰۰ گیلن پانی ٹھنڈا کرتا ہے۔ پانچ پلانٹ ہر وقت چالو رہتے ہیں اور چھٹا احتیاطی ہے جسے بوقت ضرورت استعمال میں لایا جاتا ہے۔ ایک پلانٹ سات ہزار ہارس پاور کی موٹر سے چلتا ہے جسے ۸،۱۳۰ کلوواٹ بجلی کی ضرورت ہوتی ہے۔

ٹھنڈا پانی مسجد تک

اس ٹھنڈے پانی کو مسجد نبوی شریف تک پہنچانے کے لیے سات پریشر موٹریں ہیں۔ ہر موٹر ۴۵۰ ہارس پاور کی ہے۔ پانی لیجانے کے لیے ۹۰ سینٹی میٹر قطر کے دو پائپ ہیں جنھیں اس سرنگوں میں رکھا گیا ہے جو خصوصی طور پر اس مقصد کے لیے بنائی گئی ہیں۔ تہ خانہ کے اندر جا کر یہ پانی دو بڑے پائپوں میں چلا جاتا ہے جن کا قطر ۵۰ سینٹی میٹر ہے او روہاں سے یہ سات سات سینٹی میٹر کے پائپوں سے ہوتا ہوا ہوا کی ٹیوبوں میں داخل ہو جاتا

ہے جن کی تعداد ایک سو تینتالیس ہے اور وہ توسیعی حصہ کے مکمل دورارضی میں جاری رہتی ہیں۔ واضح رہے کہ ۲۰ سینٹی میٹر کا ایک اور پائپ ہے جو صرف قدیم ترکی عمارت کی ایئر کنڈیشننگ کے لیے ہے۔ ایئر کنڈیشنڈ پلانٹ سے روانگی کے وقت پانی کا درجہ حرارت ۵ ہوتا ہے جو آخری چکر میں ۱۸۔۱۹ درجہ حرات تک پہنچ جاتا ہے جسے دوبارہ ٹھنڈا کر کے پائپوں میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔

مسجد میں ایئر کنڈیشننگ

مسجد کی فضا لطیف بنانے کے لیے ٹھنڈی ہوا ان سوراخوں سے نکلتی ہے جو ستونوں کے نچلے حصے میں ہیں اور ان پر تانبے کی جالی ہے۔ ترکی تعمیر میں مخصوص قسمکی ٹیوب ہیں جن کی جالی سے ٹھنڈی ہوا خارج ہوتی ہے۔ جنوبی دیوار میں موجود روشندان اس طرح شمالی، مشرقی اور مغربی دیواروں سے ٹھنڈی ہوا پھیلانے کا بھی انتظام ہے جس سے قدیم عمارت بھی مکمل طور پر ایئر کنڈیشنڈ ہوگئی ہے۔

ایئر کنڈیشنڈ کا کنٹرول روم

تہ خانہ میں ایسے کمرے موجود ہیں جہاں سے مسجد میں ایئر کنڈیشنڈ نظام کی نگہبانی اور اسے چلانے اور کم و بیش کرنے کا پورا انتظام ہے اور یہیں سے مرکزی پلانٹ کا الیکٹرانک کنٹرول بھی ہوتا ہے جو مکمل طور پر کمپیوٹرائزڈ ہے۔

سرنگ برائے ایئر کنڈیشنڈ نظام

ایئر کنڈیشنڈ کے لیے مخصوص ٹھنڈا پانی مرکزی پلانٹ سے توسیعی عمارت تک بذریعہ پائپ پہنچانے کے لیے سرنگ بنائی گئی ہے جو کنکریٹ اور لوہے سے بنی ہوئی ہے اور

۱،۴ میٹر گہری اور ۲،۶ میٹر چوڑی اور سات کیلومیٹر لمبی ہے۔ یہ سرنگ مناخہ کی سرنگ کے نیچے سے گزرتی ہے اور مسجد سے ملحقہ کار پارکنگ کے درمیان سے گزرتی ہے۔ اس طرح یہ سرنگ توسیع دوم کے تہہ خانہ تک جا کر جنوب کی طرف سے ایئر کنڈیشنڈ نظام تک پہنچ جاتی ہے اور اسے کافی گہرائی میں بنایا گیا ہے تاکہ آئندہ ضروریات کے وقت کسی قسم کی رکاوٹ کا باعث نہ بنے۔ اس سرنگ میں ۹۰ سینٹی میٹر قطر کے دو پائپ گزرتے ہیں اور امکانی ضرورت پر دو اور ایسے پائپوں کے گزارنے کی جگہ رکھی گئی ہے تاکہ مستقبل میں ضرورت پڑے تو تنگی نہ ہو اور اس سرنگ میں ۳۱ کمرے بنائے گئے ہیں جن میں پنکھے لگے ہوئے ہیں تاکہ سرنگ میں ہوا رواں دواں رہے۔

کار پارکنگ

توسیع جدید میں کار پارکنگ بھی ہے جس سے نمازی اور زائرین استفادہ کر سکتے ہیں۔ یہ پارکنگ مسجد نبوی کے گرد میدان کے نیچے ہے۔ جنوب، شمال اور مغرب میں زمین تلے دو منزلوں پر مشتمل ہے اور بڑی سڑکوں سے اس میں چھ راستوں کے ذریعے داخل ہوا اور نکلا جا سکتا ہے۔ اس کا کل رقبہ دو لاکھ نوے ہزار مربع میٹر ہے جس میں ۴۴۴۴ گاڑیوں کو کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ اوپر کی منزل ۹،۴ میٹر ہے اور نچلی منزل ۴ میٹر بلند ہے۔

سواروں اور پیدل چلنے والوں کے راستوں کو ۱۵۰۰ میٹر لمبی دیوار سے جدا جدا کر دیا گیا ہے۔ اس پارکنگ کو کنکریٹ کے ستونوں جن میں لوہا استعمال کیا گیا ہے پر استوار کیا گیا ہے جبکہ فرش کنکریٹ کے بلاکوں کا ہے۔

داخلے اور نکلنے کے راستے

بڑی سڑکیں جو مسجد نبوی کو آتی ہیں ان کا رابطہ پارکنگ سے موجود ہے۔ اس کے

لیے داخل ہونے اور نکلنے کے چھ راستے ہیں۔ تین راستے اوپر کے حصے کے لیے ہیں اور تین نچلے حصے کے لیے ہیں۔ ان میں چار ایسے راستے ہیں جو اوپر اور نچلے حصے کو جوڑتے ہیں اور یہ چاروں راستے پارکنگ کے چاروں کونوں پر ہیں اور ٹیلویژن کیمروں کے ذریعے حفاظت کا متحرک او قائم نظام ڈاٹوں میں موجود ہے جو مرکزی کیمرہ سے مربوط ہے اور وہاں سے گذرگاہوں ئیں حرکت کرنے والوں کو خطاب کیا جا سکتا ہے اور ہدایات جاری کی جا سکتی ہیں تاکہ گاڑیوں کو مناسب جگہ پر کھڑا کیا جا سکے۔ اور آنے جانے والی گاڑیوں کی گنتی معلوم ہوتی رہے اور دونوں حصوں میں کسی جگہ اژدحام کی صورت پیش نہیں آئے اور مسجد کو آنے والی گاڑیاں عام گزرگاہ سے بچی رہیں۔

پارکنگ میں ۴۴۴۴ گاڑیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ نچلے حصہ میں ۲۲۲۲ جس میں ۲۲ خصوصی پارکنگ کے لیے ہیں اور اوپر کے حصہ میں بھی ۲۲۲۲ کی گنجائش ہے جس میں سے ۴۴ خصوصی پارکنگ کے لیے ہیں۔

خدمات عامہ

اس مقصد کے لیے پندرہ بڑے ہال ہیں۔ ہر ہال ۴ منزلوں پر مشتمل ہے اور مسجد شریف سے متصل صحن کے نیچے ہے جن میں بجلی سے چلنے والی سیڑھیاں ہیں اور عام سیڑھیاں بھی ہیں اور ہال کے دو راستے ہیں جن میں آٹھ بجلی کی سیڑھیاں ہیں چار اوپر آنے کے لیے اور چار نیچے جانے کے لیے۔ آنے جانے کے لیے کل ۳۰ راستے ہیں اور کل بجلی کی سیڑھیاں ۱۲۰ ہیں۔ ہر سیڑھی کے ۳۰ پائیدان ہیں۔ چاروں منازل میں ۶۹۰ ٹھنڈے پانی کی ٹوٹیاں، ۱۸۹۰ غسل خانے اور ۵۶۰۰ وضو خانے کی ٹوٹیاں ہیں۔ ان سب ضروریات کے لیے پانی کی ٹینکیاں وہیں بنی ہوئی ہیں اور اس کی بیرونی دیواریں گرانائٹ کی ہیں۔ اندرونی حصہ میں سفید پتھر لگا ہوا ہے۔ بیرونی صحنوں میں ان کی نشانی واضح ہے جنوب ہو یا شمال و مغرب۔

خدمات خاصہ

خدمات خاصہ کے لیے چھوٹی عمارات ہیں۔ جن کی ایک ہی منزل ہے۔ یہ کار پارکنگ کے چاروں کونوں پر ہیں ان میں طبی ضروریات، امن کے مراکز، انکوائری مراکز، آٹو میٹک مشینری، بجلی گھر، آگ بجھانے اور ضروری اشیا کی حفاظت کے کمرے ہیں۔ الغرض مسجد نبوی کے قریب ہی پارکنگ، وضو خانے، غسل خانے، نمازیوں اور زائرین کی آسائش کے لیے بنائے گئے ہیں اور اس میں دنیا میں موجود جدید ترین انداز اختیار کیا گیا ہے۔

پارکنگ میں کئی ایک مکمل نظام ہیں یعنی بجلی، پانی، ہوا، صحت اور آگ سے بچاؤ کا نظام جن کی تفصیل یہ ہے:

بجلی: پارکنگ میں بجلی ۱۸، ۱۳ اکلو واٹ رہتی ہے۔ بوقت ضرورت چارج شدہ احتیاطی بیٹریوں سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ بجلی سے پنکھے، پمپ، سیڑھیوں کی حرکت اور پانی گرم کرنے وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔ مسجد شریف کے اندر اور باہر روشنی، راستوں میں نقل و حرکت کی نگرانی اور آگ سے بچاؤ کے لیے ٹیلیویژن کیمروں کا استعمال، آگ لگنے کی صورت میں الارم، آواز اور داخلی پکار کا نظام وغیرہ۔

پانی کا انتظام: تہ خانہ میں پانی کی ٹنکیاں ہیں۔ وضو اور غسل کے لیے حسب ضرورت ٹھنڈا اور گرم پانی مہیا ہے۔

ہوا: کار پارکنگ میں پنکھے ہیں تا کہ صاف ہوا مہیا کریں اور دوسرے پنکھے ہیں جو کارن اکسائیڈ کو خارج کریں۔

آگ بجانے کا انتظام: کار پارکنگ اور ملحقہ کمروں میں آگ بجھانے کا نظام موجود ہے جو آگ لگنے کی فوری اطلاع دینے سے متعلق ہے تا کہ ایک لمحہ میں اس پر قابو پایا جا سکے اور لوگوں کا وہاں سے فوری انخلا ممکن ہو۔ اس طرح مسجد نبوی کے گرد ہر قسم

کے انتظاماتِ خدمت موجود ہیں اور یہ سارا کام مجموعہ بن لادن کے ذریعہ مکمل ہوا جس نے اپنی تمام صلاحیتیں اس کام کے لیے وقف کر دیں۔

اخراجات: لوگوں کی ملکیتوں کے معاوضے جو مسجد نبوی کے گرد عمارات کی صورت میں تھیں۔ ایئر کنڈیشنڈ نظام، پارکنگ اور مرکزی عمارات کے منصوبے پر ۳۰ ملیار ریال خرچ ہوئے ہیں۔ (ایک ملین کے دس لاکھ ہوتے ہیں اور ایک ملیار ایک ہزار ملین کا ہوتا ہے)۔

دور سعودیہ میں ترکی عمارت

حکومت سعودیہ نے ترکی عمارت کا جنوبی حصہ اسی طرح محفوظ رکھا اس لیے کہ وہ کافی مضبوط اور حسین ہے۔ نیز خلافت عثمانیہ کی یادگار ہے۔ حکومت سعودیہ اس عمارت کی حفاظت، صفائی اور جمالیات کے بقا کے لیے بہت زیادہ اہتمام کرتی چلی آتی ہے مثلاً ریاض الجنتہ کے سارے ستونوں پر نیا سفید پتھر لگایا گیا۔ باقی عمارت کے ستونوں کی مرمت اور ان پر پیتل کے کڑے چڑھائے مشرق، مغرب اور جنوب میں ساری عمارت کے باہر گرانائٹ لگایا تا کہ عمارتِ ترکی اور سعودی میں یکسانی اور یکرنگی پیدا ہو۔ ترکی عمارت جب سے بنی ہے اندر سے اس پر سرخ عقیق کے رنگ کا روغن کیا گیا تھا۔ ۱۴۱۴ھ میں اس کا رنگ تبدیل کر دیا گیا تا کہ توسیع سعودی کے ساتھ ہم رنگی پیدا ہو جائے۔ اسی طرح گنبدوں اور دیواروں میں جو نقوش وغیرہ تھے انھیں دوبارہ اجاگر کیا گیا جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ پرانے اور سال خوردہ نہیں ہیں۔ بعض آیات قرانیہ پر سونے کا طلا بھی کیا گیا۔ یہ سب کام پاکستان کے محمد صادق معراج الدین اور محمد شفیق وغیرہ فنکاروں کے برش سے سرانجام دیا گیا۔ منارہ رئیسیہ اور منارہ باب السلام کی مرمت بھی کی گئی۔ مشرقی جنوبی کونے میں ۱۴۰۸ میں باب البقیع تعمیر کیا گیا۔ گنبد خضراء کو بھی رغن کیا جاتا ہے۔ جب موسمی اثرات سے اس کا

رنگ اثر انداز ہوتا ہے۔ ۱۴۰۷ھ کی ابتداء میں جدید قندیلیں اور ٹیوبیں نصب کی گئیں بعض قندیلیں مسجد کے ستونوں کے دریان لٹکی ہوئی ہیں۔ جو معدنی ہیں جن پر سونے کا پالش ہے جس کے شیشے منقش ہیں۔ ان پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ ان کی تعداد ۱۷۱ ہے دوسری قسم لمبی قندیلوں کی ہے جو ستونوں کے درمیان فولادی کیس میں قائم ہیں۔ ہر قندیل پر معدنی کور ہے جس پر سونے کا طلاء ہے۔ ان پر اللہ اکبر لکھا ہوا ہے اور ان کی تعداد ۳۶ ہے۔ بڑی چھوٹی ایک سونو ٹیوبیں ہیں جن سے سفید (نیون) روشنی پھوٹتی ہے اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کی تھالیوں میں موتی چمک رہے ہیں۔

حجرہ شریفہ کے نوادرات کا عجائب گھر

سلاطین و امراء حجرہ شریفہ کے لیے قیمتی نوادرات بطور تحفہ بھیجا کرتے تھے جنھیں مقصورہ شریفہ میں رکھا جاتا تھا۔ ۱۴۰۱ھ میں ان کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک خصوصی کمرہ بنا دیا گیا جو مکتبۃ الحرام النبوی الشریف کے اوپر ہے۔ قدیم باب عمرؓ کے دہنی جانب قدیم سعودی مینار کے نیچے وہاں جانے کا راستہ ہے نیز مسجد نبوی شریف میں موجود نادر مخطوطات (مصاحف و کتب) کے لیے بھی ایک مستقل ہال مخصوص کیا گیا ہے جو مکتبۃ الحرم باب عثمانؓ کے اوپر ہے اور دفتری اوقات میں عمومی اطلاع کے لیے کھلا رہتا ہے۔

صحن مسجد میں چھتریاں

ترکی عمارت کے شمال میں صحن ہے جسے درمیان سے تین دالانوں والی سعودی تعمیر دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ موسم سرما میں سردی سے اور گرما میں گرمی سے لوگ نماز ادا کرتے ہوئے اور خطبہ سنتے ہوئے تکلیف اٹھاتے تھے اس لیے ان صحنوں میں بارہ عدد چھتریاں لگادی گئیں جو سفید کپڑے سے بنی ہوئی ہیں جنھیں لوہے کے ستون اٹھائے ہوئے

ہیں۔ انھیں ضرورت کے مطابق کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ کھلی ہوں تو پھول یا فوارہ محسوس ہوتی ہیں اور اگر بند ہوں تو مخروطی سروں والے چھوٹے مینار محسوس ہوتی ہیں۔ ان کے ستونوں میں بھی سوراخ ہیں جو فضا کو عمدہ رکھنے کے لیے ٹھنڈی ہوا پھینکتے ہیں۔ ان ستونوں پر سفید پتھر چڑھا ہوا ہے اور اوپر کی طرف زرد کانسی کا منقش تاج ہے جو اندر سے خالی ہے اور اس میں لائٹیں ہیں جو شیشے کے اندر بند ہیں۔ اس طرح یہ چھتریاں ایئر کنڈیشن کی ٹھنڈی ہوا کو محفوظ کر لیتی ہیں اور موسمی حالات کے مطابق ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

جنوبی مقصورہ

توسیع دوم سعودیہ کے وقت مینارہ رئیسیہ سے مینارہ باب السلام تک عمارت مجیدیہ کے باہر ایک لمبا ہال تعمیر کیا گیا ہے جو ۸۷،۵ میٹر لمبا اور ۵ میٹر چوڑا ہے جس کا رقبہ ۴۳۷،۵ میٹر درمیان میں ایک دروازہ ہے جہاں سے جنازے لا کر مسجد سے باہر رکھے جاتے ہیں۔ چوتھا دروازہ ترکی عمارت کے قبلہ کی دیوار میں کھلتا ہے اور محراب عثمانی کے دائیں جانب ہے وہاں کھڑے ہو کر امام نماز جنازہ پڑھاتا ہے پھر میت کو دفن کے لیے لے جایا جاتا ہے۔

مسجد کے محراب اور صفہ

تحویل قبلہ سے پہلے نبی اکرمؐ کی نماز کی جگہ

مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سولہ ماہ اور چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔ یہ جگہ آپؐ کی مسجد کے آخر میں شمال کی جانب تھی۔ اسطوانہ عائشہ کو پشت کیجیے اور شمال کی طرف ہوتے ہوئے پانچویں ستون کی جگہ باب جبریل کے برابر پہنچئے دروازہ آپ کے داہنے کندھے کے برابر ہو تو یہی جگہ ہے جہاں بیت المقدس کو منہ کر کے آپؐ نماز ادا کرتے تھے۔

محرابِ نبوی

مدینہ منورہ تشریف لا کر سولہ ماہ سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس کو منہ کر کے نماز ادا کی اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

"فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کی طرف رخ پھیر لیا۔ چند روز اسطوانہ عائشہ کے پاس نماز ادا کی اور پھر اس جگہ جہاں اب محراب النبیؐ ہے نماز ادا کرنی شروع کر دی۔ یاد رہے کہ دورِ نبوی میں محراب کی شکل نہ تھی اور نہ ہی خلفائے راشدین کے دور میں۔

۹۱ھ میں عمر بن عبدالعزیز نے محراب کی شکل بنوائی جسے اب محراب النبیؐ کہا جاتا

ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جگہ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ یہاں کھجور کے تنے کا ایک ستون تھا جس کی جگہ پر آج کل محراب سے متصل ستون ہے جسے اسطوانہ مخلقہ کہا جاتا ہے جو شخص محراب کے برابر کھڑا ہوگا تو آپؐ کے کھڑے ہونے کی جگہ اس کے دائیں جانب ہوگی۔ اس محراب کے ذرا مغرب کی جانب اگر کوئی کھڑا ہو تو یہ وہی جگہ ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ہوتی تھی۔ اس جگہ لکھا بھی ہوا ہے:

"هذا مصلى رسول الله"

چونکہ محراب تعمیر کر دیا گیا ہے۔ اس لیے جو شخص بھی وہاں نماز ادا کرے گا تو اس کی پیشانی وہاں ٹکے گی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم ہوا کرتے تھے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تنے کی طرف نماز ادا کیا کرتے تھے جبکہ مسجد چھپر کی صورت میں تھی اور خطبہ بھی اسی تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر دیا کرتے تھے۔ ابن ابی الزناد اس تنے کی جگہ کی تجدید کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ یہ تنا اسطوانہ مخلقہ کی جگہ پر تھا جو محراب نبویؐ کے دائیں طرف ہے۔ محراب کی موجودہ تعمیر سلطان قایتبائی نے ۸۸۸ھ میں کی تھی جیسا کہ محراب کی پشت پر کھدی ہوئی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ تحریر خط ثلث میں ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم و صلى الله على سيدنا محمد أمر بعمارة هذا المحراب الشريف النبوى العبد الفقير المعترف بالتقصير مولانا السلطان الملك الأشرف ابو النصر قايتباى خلد الله ملكه بتاريخ شهر الحجة الحرام سنة ثمان ث ثمانين وثمانمائة من الهجرة النبوية"

۱۴۰۴ھ میں بزمانہ خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز اس کی مکمل مرمت کر دی گئی۔ آخری تین سطروں میں اسی تختی پر خط ثلث میں لکھا گیا:

و بعد ان حصل تفكك و تصدع في الفسيفاء و الرخام أمر
بتجديده جلالة الملك فهد بن عبدالعزيز آل سعود أعزه الله
و ذلك سنة أربع و اربعمائة وألف

مرمت کرتے ہوئے اندرونی حصہ کو کنکریٹ کی پٹی سے سہارا دیا گیا ہے۔ بیرونی حصہ پر پرانے انداز سے ہی پتھر لگا دیا گیا۔ محراب کے اگلے حصہ کے دوستون ختم کر کے ان کی جگہ پاکستانی سبز انیو پتھر کے ستون لگا دیئے ہیں۔ محراب کے پیچھے کی تختی کو نئے سرے سے بنا کر تجدید کی تاریخ کا اضافہ کیا ہے۔

محراب عثمانی

یہ وہی جگہ ہے جہاں توسیع کے بعد خلیفہ دوم حضرت عثمانؓ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ مسجد کی توسیع و عمارت کے وقت آپ نے حفاظتی نقطہ نظر سے اپنی نماز کی جگہ پر مقصورہ بنایا جو اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا تا کہ نماز کے دوران حضرت عمرؓ کی طرح کوئی ان پر حملہ آور نہ ہو۔ لہٰذا آپؓ اس کے اندر نماز پڑھاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب ۹۱ھ میں مسجد کی تجدید کی ہے تو اسے باقاعدہ محراب کی شکل دیدی اور چونکہ وہ مصلیٰ عثمان پر تعمیر کیا گیا تھا اس لیے محراب عثمانی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

محراب تہجد

حجرہ شریفہ کی جالیوں کے شمال کی جانب باہر کو ایک محراب ہے جسے محراب تہجد کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی رات کو یہاں نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ رات کو لوگ جب آپؐ کے پاس سے چلے جاتے تو آپؐ وہاں بوریا بچھا دیتے۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو رات کے وقت وہیں نماز ادا کرتے

دیکھا ہے۔ آج کل دکۃ الاغوات سے ذرا پست اس کے گرد تھلہ ہے۔

سعد بن عبداللہ بن فضیل بیان کرتے ہیں کہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) میرے پاس سے گزرے اور میں اس جگہ نماز ادا کر رہا تھا تو آپ نے پوچھا، ''کیا تجھے اس جگہ کے متعلق کوئی روایت معلوم ہے؟ اس لیے کہ میں تجھے اکثر یہیں نماز پڑھتے دیکھتا ہوں''۔ میں نے عرض کیا، ''نہیں''۔ تو فرمایا، ''یہیں نماز پڑھا کر اسی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز تہجد ادا کیا کرتے تھے''۔ ابن النجار نے اس ستون کی حد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ستون حضرت فاطمہؑ کی رہائش گاہ کے پیچھے تھا۔ اس میں محراب بنا ہوا ہے۔ جب کوئی شخص ادھر متوجہ ہوتا ہے تو باب عثمان (باب جبرائیل) اس کے بائیں ہاتھ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ابن النجار متوفی ۶۴۳ھ میں وہاں محراب موجود تھا۔ عبداللہ بن انیس کا بیان ہے کہ جب لوگ رات کو مسجد سے چلے جاتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بوریا لا کر حضرت علیؑ کے مکان کے پیچھے رکھ کر اس پر نوافل ادا کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رمضان میں نوافل ادا کرتے دیکھا تو اس نے آ کر نوافل شروع کر دیئے۔ دوسرے نے دیکھا تو اس نے بھی وہاں نماز ادا کرنی شروع کر دی حتیٰ کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں دیکھا تو بوریا لپیٹ کر تشریف لے گئے۔ صبح کو جب وہ لوگ آئے تو انھوں نے عرض کیا کہ ہم تو آپ کی رات کی نماز دیکھ کر آپ کی پیروی کر رہے تھے۔ فرمایا میں ڈر گیا کہ کہیں رمضان میں رات کی نماز تم پر فرض ہو جائے پھر تم میں اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رہے گی۔

علامہ سخاوی نے ستونوں کا تذکرہ کرتے ہوئے محراب تہجد کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ستون تہجد میں محراب کی شکل بنی ہوئی ہے اور وہ حجرہ شریفہ کے شمالی طرف واقع ہے اور باب جبرائیل کے قریب ہے۔

تجدید محراب تہجد: سمہودی کا بیان ہے کہ ۸۸۸ھ میں بزمانہ قاتیبائی اس کی

تجدید کی گئی پھر ترکی تعمیر کے زمانے میں تجدید ہوئی اور اسے سرخ پتھر کے ایک ہی ٹکڑے سے بہت خوبصورت بنایا گیا اور اس پر آیت تہجد لکھ کر سونے کے پانی سے سجایا گیا۔ اس کے گرد ایک تھلہ بنایا گیا جو دکۃ الاغوات سے ذرہ پست ہے۔ اس کے اطراف میں پیتل کا خوبصورت جنگلہ لگایا گیا۔ یہ محراب اب تک موجود ہے لیکن اس کے سامنے الماری رکھ دی گئی ہے جس میں قرآن مجید رکھے جاتے ہیں۔ وہ اس محراب کے اوٹ میں آ گیا ہے۔

محرابِ فاطمہؑ

جالیوں کے اندر محراب تہجد سے آگے محراب فاطمہؑ کہلاتا ہے۔ یہ محراب چونکہ حضرت فاطمہؑ کے مکان کی نشاندہی کے لیے بنایا گیا تھا اس لیے محراب فاطمہؑ کہلاتا ہے۔ واضح رہے کہ حجرہ عائشہؓ کی شمال جانب یہ مکان واقع تھا۔

محراب حنفی

جو شخص محراب نبویؐ کے پاس کھڑا ہو اس کی داہنی جانب منبر کی مغربی طرف تیسرے ستون کے پاس محراب حنفی ہے۔ ایک عرصہ تک مسجد نبوی کی امامت مالکی کرتے رہے ہیں پھر بعض لوگوں نے شاہان مصر کی حمایت سے شافعی امام کے تقرر کا فیصلہ کیا جو صبح کی نماز اندھیرے میں مالکیہ سے پہلے پڑھاتا باقی نمازیں پہلے مالکی امام پڑھاتا پھر اس کے بعد شافعی امام نمام پڑھاتا۔ اس پس منظر میں مدینہ منورہ میں موجود احناف نے یہ محراب تعمیر کیا اور حنفی امام کا تقرر کر دیا اس لیے اس محراب کا نام محراب حنفی مشہور ہو گیا۔

علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ شافعی امام کے بعد اس محراب میں پانچوں نمازیں حنفی امام پڑھاتا لیکن تراویح سب اکھٹے پڑھاتے۔ علامہ برزنجی نے لکھا ہے کہ تیرھویں صدی تک امامت کا سلسلہ یوں ہی جاری رہے۔ علی بن موسیٰ نے لکھا ہے ۱۳۰۳ھ میں پہلی

اور بڑی جماعت احناف کی ہوتی بعد میں شوافع کی ہوتی۔ صرف صبح کی نماز پہلے شافعی امام پڑھاتا پھر مالکی اور آخر میں حنفی اور اقامت ان کی اپنے اپنے مسلک کے مطابق ہوتی۔ حکومت سعودیہ کے قیام کے بعد مسجد نبوی شریف میں ایک سے زیادہ جماعتیں نہیں ہوتیں۔ سب لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں جو امام احمد بن حنبل کا متبع ہوتا ہے۔

تجدید محراب حنفی: ۹۰۸ھ میں سلطان سلمان خان قانونی ترکی نے اسے از سرنو تعمیر کے اور سیاہ و سفید پتھروں سے اسے سجایا۔ محراب کی پشت پر جو تختی ہے اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

انشأ هذا المحراب المبارک الملک المظفر السلطان سليمان شاه بن السلطان سليم خان بن سلطان بايزيد خان أعز الله انصاره تاريخ شهر جمادی الاولی سنة ثمان و تسعمائة من الهجرة النبوية

اس لیے اسے محراب سلیمانی بھی کہا جاتا ہے۔ الغرض سلطان سلیمان خان نے اس کی تجدید کی۔ بعض مصنفین کو اس کی پشت پر لکھی تحریر سے غلط فہمی ہوگئی کہ اسے اولاً سلیمان خاں نے بنایا۔ واضح رہے کہ خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اپنے دور حکومت میں اس کی تجدید و مرمت کرائی اور اسے رنگین پتھروں اور سونے کے پانی سے سجایا گیا۔

مقام صفہ و اہل صفہ

مہاجر صحابہؓ جب مدینہ طیبہ پہنچتے تو جن لوگوں سے ان کے سابقہ تعلقات ہوتے ان کے ہاں قیام کرتے اور جن کی کوئی واقفیت نہ ہوتی وہ مسجد نبوی میں ہی قیام کرتے تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوس اور آپ کی زیارت سے فیض یاب ہوں اور دینی تعلیمات سے روشناس ہوتے رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں ہم نشینی کا شرف بخشنے

انھیں دین کی تعلیم دیتے، ان سے محبت فرماتے اوران کی ضروریات کی کفالت فرماتے نیز صحابہ کوبھی ان مہاجر بھائیوں سے تعاون کی ترغیب دیتے۔

دوسرے سال جب قبلہ کا رخ بیت المقدس سے تبدیل ہو کعبۃ اللہ کو ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے شمالی جانب ایک چھپر ڈلوادیا جومسجد کا آخری حصہ تھا۔ یہ جگہ صفہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اہل صفہ اسی کی طرف منسوب ہیں۔ صفہ عربی زبان میں سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں صفہ مسجد نبوی شریف کے آخر میں ایک چھپر تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل صفہ عام حالات میں ستر کے قریب ہوتے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اہل صفہ کی تعداد چھ سو سے سات سو کے لگ بھگ تھی لیکن ایک ہی وقت میں اتنے کبھی نہیں ہوئے جو اہل وعیال والا ہو جاتا یا سفر کر جاتا یا جنگ میں شہید ہو جاتا تو صفہ میں نہ رہتا البتہ ایک وقت میں کم وبیش ستر کی تعداد ہوتی۔

ریاض الجنتہ

ریاض الجنتہ سے مراد وہ جگہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف اور منبر نبوی کے درمیان ہے۔ اس جگہ کی فضیلت احادیث میں مذکور ہے۔ بخاری ومسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر قیامت کے دن حوض (کوثر) پر ہوگا"۔

اس حدیث کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ ذکر و اذکار سے جو سعادت حاصل ہوتی اور نزول رحمت ہوتی ہے۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے جنت کے باغیچہ میں ہوں۔ خصوصاً دور مبارک نبوی میں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی عبادت حصول جنت کا باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ جب دن اچھا ہو کہ یہ تو جنت کا دن ہے یا اس کے معنی ظاہر پر محمول ہوں گے کہ یہ درحقیقت جنت کی باغیچی ہے جسے قیامت کے روز جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔ ان تشریحات میں سے آخری قول قوی ہے۔ علامہ سمہودی نے یہ تشریحات لکھ کر کہا ہے کہ میرے نزدیک آخری رائے ہی زیادہ مضبوط ہے۔ ابن نجار کا بھی یہی خیال ہے۔ امام مالک نے اسے ظاہر پر ہی محمول کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جنت کی باغیچی ہے جسے جنت میں منتقل کر دیا جائے گا اور یہ دوسری زمین کی طرح نہیں جو ختم ہو کر فنا ہو جائے گی۔

ریاض الجنتہ کا رقبہ

علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ میں نے رسی سے ناپا ہے حجرہ شریفہ کے قبلہ کی طرف سے منبر کے قبلہ کی جانب تک ۵۳ ذراع کا فاصلہ ہے یعنی ۲۶،۵ میٹر۔ واضح رہے کہ آج کل ریاض الجنتہ کا کچھ حصہ پیتل کی جالیوں کے اندر آ گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی لمبائی ۲۲ میٹر رہ گئی ہے اور چوڑائی ۱۵ میٹر ہے۔

ریاض الجنتہ کے ستون پر پتھر لگانا

ریاض الجنتہ کے ستونوں کو نصف حصہ تک سفید پتھر لگانے کا کام سلطان سلیم خان بن سلطان عبدالحمید خان کے دور میں ہوگیا تھا پھر تر کی تعمیر کے دوران اس کی تجدید کی گئی اسے صیقل کیا گیا اور سونا بھی لگایا گیا۔ برزنجی کہتے ہیں کہ اس طرح ریاض الجنہ کی حدود واضح ہوگئی ہیں۔ ۱۴۰۴ھ میں ان ستونوں کے پتھروں میں چنداں خرابی واقع ہوگئی تو حکومت سعودیہ نے ان ستونوں پر نیا سفید پتھر لگا دیا۔

منبر شریف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے اور مسجد میں کھڑے ایک تنے کا سہارا لیتے۔ جب کھڑا ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تکلیف دہ ہوا تو آپؐ کے لیے منبر بنا دیا گیا اور اسے آپ کے مصلے کی مغربی جانب رکھ دیا گیا۔ اور منبر آج تک اسی جگہ پر ہی رہا خواہ مسجد میں کتنی ہی توسیع یا تبدیلی کی جاتی رہی۔ بخاری نے حضرت جابرؓ کی روایت بیان کی ہے کہ:

> ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے روز ایک درخت یا کھجور کے تنے کے پاس کھڑے ہوتے تھے تو انصار میں سے کسی نے عرض کی کیا ہم آپ کے لیے منبر نہ بنا دیں تو آپؐ نے فرمایا جیسے تمھاری مرضی ہو تو انھوں نے بنا دیا۔ جب جمعہ کا دن ہوا تو آپؐ اس پر چڑھے تو تنے نے بچے کی طرح چلانا شروع کر دیا۔ آپؐ نے منبر سے اتر کر اسے اپنے سے لپٹا لیا تو اس نے چپ ہونے والے بچے کی طرح ہچکیاں لینی شروع کر دیں۔ حضرت جابر کہتے ہیں چونکہ اس کے پاس اللہ کا ذکر ہوتا تھا (جو نہ رہا) اس لیے وہ رویا''۔

منبر کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کی ایک باغیچی ہے اور قیامت کے دن منبر حوض

(کوثر) پر ہوگا۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ یہ منبر بعینہ اسی حالت میں حوض پر نصب ہوگا جیسا کہ ساری مخلوق زندہ واپس آ جائے گی جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسی روایت کو درست قرار دیا ہے۔ خطابی کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے قریب اعمال صالحہ کے مطابق حوض پر حاضری ہوگی اور اس سے پانی پینا نصیب ہوگا۔ امام احمدؒ نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا منبر جنت کی ترع سے ایک ترع پر ہوگا۔ سہل بن سعد نے ترعہ کے معنی دروازہ کیے ہیں۔ بعض نے اونچی جگہ پر باغیچہ اور بعض نے سیڑھی معنی کیے ہیں۔ نسائی میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے منبر کے پائے بہشت کی سیڑھی ہوں گے۔

منبر کے پاس حلف (قسم کھانا)

حقوق کی ادائیگی اور پاسداری اور اس کی خلاف ورزی نہ کرنا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے اس لیے شریعت میں بوقت ضرورت قسم کھانا جائز ہے اور جھوٹی قسم کی سخت ممانعت ہے۔ اس لیے کہ اس میں حقداروں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور یہ عذاب اور سزا اور زیادہ سخت ہو جائے گی جب کہ منبر نبوی اور مسجد شریف میں جھوٹی قسم کھائی جائے۔ منبر کے پاس قسم کھانے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے۔ طبقات میں ابن سعد نے روایت کی ہے کہ منبر کے پاس حقوق پر قسم کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسنون قرار دیا ہے۔ ابوداؤد میں جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی میرے منبر کے پاس جھوٹی قسم کھائے گا خواہ سبز مسواک کے متعلق ہی ہو اس کا ٹھکانہ دوزخ میں بن گیا یا فرمایا کہ دوزخ اس کے لیے لازم ہو گیا۔

منبر کی تاریخی حیثیت

۸ھ میں مقام غابہ (خلیل) کے جھاؤ سے تین سیڑھیوں کا منبر بنایا گیا۔ اوپر کے حصہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھتے اور دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھتے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ اپنے دورِ خلافت میں دوسری سیڑھی پر بیٹھتے اور نچلی سیڑھی پر پاؤں رکھتے اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ اپنے خلافت میں تیسری سیڑھی پر بیٹھتے اور پاؤں زمین پر رکھتے۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو وہ بھی چھ سال تک حضرت عمر کی طرح کرتے رہے بعد میں انھوں نے اسی جگہ بیٹھنا شروع کر دیا جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جب حج کیا تو کمال بصیرت سے منبر شریف نو سیڑھیوں والا بنا دیا تاکہ اس کی پہلی اور تیسری سیڑھی پر بیٹھنے کی بناء پر آئندہ کوئی اختلاف نمودار نہ ہو اس کے بعد امراء ساتویں سیڑھی پر بیٹھتے چلے آئے اور منبر کی یہی شکل رہی تا آنکہ ۶۵۴ھ، ۱۲۵۶ء مسجد میں آتشزدگی ہوگئی اور منبر بھی جل گیا۔ ۶۵۶ھ، ۱۲۵۸ء میں شاہ یمن نے منبر بنایا۔ ۶۶۶ھ، ۱۲۶۸ء میں سلطان ظاہر بیبرس کا بھیجا ہوا منبر رکھا گیا۔ پھر ۷۹۷ھ سلطان برقوق کا بھیجا ہوا منبر رکھا گیا۔ ۸۲۰ھ میں سلطان مؤید کا بھیجا ہوا منبر رکھا گیا جو ۸۸۶ھ، ۱۴۸۱ء کی آتشزدگی میں جل گیا۔ پھر اہل مدینہ نے اینٹوں کا منبر تعمیر کیا جس پر سفید چونے کا پلستر کیا گیا۔ ۸۸۸ھ، ۱۴۸۳ء میں شاہ اشرف قاتیبائی نے سفید پتھر کا منبر بھیجا جسے بعد میں مسجد قباء میں منتقل کر دیا گیا اور اس کی جگہ ۹۹۸ھ میں سلطان مراد سوم عثمانی کی طرف سے بھیجا ہوا منبر استوار کر دیا گیا۔ یہ منبر انتہائی حسین وجمیل سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اس پر سونا کاری اور اعلیٰ نقش ونگار کیے گئے ہیں اوپر کی جانب ایک چھوٹا سا بڑا خوبصورت گنبد ہے جو سنگ مرمر کے نازک ترین پاؤں پر استوار ہے۔ اس کے دروازے پر کنگرے ہیں جن پر سونا لگا ہوا ہے اس کی چمک دمک ایسی ہے جیسے آج ہی بنا ہو۔ حکومت سعودیہ کے اہتمام

سے اس پر خالص سونے کا پالش کیا گیا ہے۔ یہ منبر اسی جگہ ہے جہاں محراب نبویؐ کے مغرب میں امام المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منبر ہوا کرتا تھا۔ اس منبر کی بارہ سیڑھیاں ہیں۔ تین دروازے سے باہر اور نو اندر، آج تک یہی منبر نبویؐ کی زینت ہے۔ منبر کے دروازے پر عربی اشعار لکھے ہوئے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

''سلطان مراد بن سلیم نے آخرت کے بہترین توشے کے حصول کے لیے اسے بھیجا ہے۔ بلندیوں میں اس کی سلطنت ہمیشہ رہے۔ ہروں میں سے بہترین شہر اس کے زیر سایہ امن میں رہے۔ بخدمت باغیچہ مصطفیٰ ہمارے رب کے درود اس پر جس کے ذریعہ سب دنیا کو اس نے ہدایت بخشی۔ دل کی سچائی سے ہدایت و برکت کے حصول کے لیے اس کے ارکان کی تعمیر کی گئی۔ ایسا منبر کہ اس کی بلندیوں سے ہدیت بلند ہو۔ ہدایت پانے والے جس کا ارادہ کریں''۔

تنے سے خوشبو والے ستون تک (ستون حنانہ)

خوشبو والا ستون اس کھجور کے تنے کی جگہ پر ہے جس کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا کیا کرتے تھے اور منبر بنائے جانے سے پہلے خطبہ دیتے ہوئے اس کا سہارا لیتے تھے۔

یہ تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصلے کے قریب گاڑا گیا تھا۔ ابن جوزی نے ابن بریدہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ دیتے اور قیام لمبا ہوتا جو آپ کے لیے تکلیف دہ ہوتا اس لیے ایک تنا لا کر زمین کھود کر گاڑ دیا گیا جب آپ خطبہ دیتے تو اس کا سہارا لے لیتے۔

تنے کا چلانا

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے جو دوسرے انبیاء میں آپؐ کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے خاص فرما دیا تھا۔ بہت سی احادیث و آثار میں اس کا تذکرہ آیا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تنے کے پاس نماز ادا کیا کرتے تھے جبکہ مسجد پر چھپر تھا اور اس تنے کے پاس ہی خطبہ ارشاد فرماتے۔ صحابہؓ میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کے لیے ایسی چیز بنا دیں کہ جمعہ کے روز آپ اس پر کھڑے ہوں اور لوگ آپ کو دیکھ بھی سکیں اور آپ انھیں اپنا خطاب سنا سکیں۔ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ تو تین سیڑھیاں بنا دی گئیں۔ یہ تیسری ہی ان میں سب سے اونچی

تھی جس جگہ پر آج منبر ہے اسی جگہ پر اسے رکھا گیا۔ جمعہ کے روز جب آپؐ اس تنے سے آگے بڑھے اور منبر پر کھڑے ہوئے تو تنے نے چلانا شروع کر دیا تا آنکہ وہ پھٹنے کو ہو گیا۔ اس کی آواز سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اتر پڑے اور اس پر ہاتھ پھیرا تو اس میں سکون آ گیا۔ پھر آپؐ منبر کی طرف تشریف لائے لیکن جب بھی نماز ادا فرماتے اس کے پاس ادا فرماتے۔ جب مسجد میں توسیع کی گئی تو اس تنے کو حضرت ابی بن کعب لے گئے۔ وہ ان کے گھر میں ہی رہا تا آنکہ بوسیدہ ہو کر مٹی بن گیا۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

بخاری نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ مسجد کی چھت کھجور کے تنوں پر استوار تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے ایک تنے کے پاس کھڑے ہوتے تھے۔ جب آپؐ کے لیے منبر بنا دیا گیا آپ اس پر کھڑے تھے کہ ہم نے اس تنے سے ایسی آواز سنی جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی بلبلاتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ جب حدیث بیان فرماتے تو روتے اور فرماتے اللہ کے بندو یہ لکڑی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے تڑپتی تھی تم کو آپؐ کی زیارت اور آخرت میں ملاقات کا زیادہ شوق اور تڑپ ہونی چاہیے۔ بیہقی فرماتے ہیں کہ تنے کا چلانا اس بات کی دلیل ہے کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ جمادات میں بھی ایسا ادراک پیدا فرما دیتے ہیں جیسے کہ حیوان میں ہوتا ہے بلکہ انسن جیسا امام شافعی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ معجزات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے ہیں کسی اور نبی کو عطا نہیں کیے۔ کسی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کو مردے زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا تھا۔ تو امام شافعی نے فرمایا کہ آپؐ کو ستون کے رونے کا معجزہ دیا گیا کہ خشک تنے سے آواز سنی گئی یہ معجزہ اس سے بڑا ہے۔

تنے کی تدفین کی جگہ

اس جگہ کو متعین کرنے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ ابن ابی الزناد کہتے ہیں کہ یہ

تنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے دور میں اپنی جگہ پر رہا جب حضرت عثمانؓ نے مسجد کو از سر نو تعمیر کیا تو اس موقع پر یہ تنا کہاں گیا؟ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب لے گئے اور ان کے ہاں ہی اسے کیڑے نے کھالیا اور بعض کہتے ہیں کہ اسے اسی جگہ پر دفن کر دیا گیا اور بعض کا خیال ہے کہ منبر کے نیچے دفن کیا گیا۔ بعض منبر کے دائیں جانب کہتے ہیں اور بعض بائیں جانب۔ واللہ اعلم بالصواب

خوشبو والا ستون

یہ ستون دوسرے ستونوں سے اس لیے مختلف ہے کہ یہ اسی جگہ ہے جہاں ستون حنانہ تھا۔ جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر بننے سے پہلے سے تکیہ لگاتے تھے۔ اور فرض نماز اس کے پاس ادا فرماتے تھے۔ صحابہ و تابعین اور بعد میں آنے والے صلحائے امت بھی یہاں نماز ادا کرنا پسند فرماتے تھے۔ یہ ستون محراب نبویؐ سے متصل ہے اور اس پر "هذاہ أسطوانة المخلقة" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں اسے مخلقہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر خلوق کی خوشبو لگائی جاتی تھی۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ ستون حنانہ کی جگہ ہی ستون مخلقہ ہے جو محراب نبویؐ کے عقب میں داہنی جانب ہے۔ اسے اسطوانہ مصحف بھی کہا جاتا رہا اس لیے کہ مالک بن انس کی روایت ہے کہ حجاج نے بڑے بڑے شہروں میں قرآن مجید کے نسخے بھیجے تھے۔ مدینہ منورہ جو نسخہ بھیجا وہ ایک بڑے صندوق میں تھا جو اس ستون کی داہنی جانب رکھا گیا۔

فضیلت اسطوانہ مخلقہ (ستون حنانہ)

اس سلسلہ میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ مثلاً بخاری و مسلم میں یزید بن ابی عبید سے روایت ہے کہ میں حضرت سلمہ بن اکوع کے ہمراہ آتا وہ اس ستون کے پاس نماز

پڑھتے جہاں مصحف رکھا ہوا تھا۔ میں نے ان سے کہا اے ابومسلم آپ اس ستون کے پاس نماز ادا کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمتہ نب اکوع مصحف کی جگہ پر نفل نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ مسجد نبوی میں کہاں نماز ادا کرنا آپ کو پسند ہے؟ فرمایا نفل تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصلے پر اور فرض نماز پہلی صف میں (مصلے سے مراد یہاں ستون مخلقہ (ستون حنانہ) ہی ہے)۔

ستون عائشہ

یہ ستون منبر کی طرف سے تیسرا، قبر کی طرف سے تیسرا اور قبلہ کی طرف سے بھی تیسرا ہے۔ اسے ستون عائشہ، ستون قرعہ اور ستون مہاجرین بھی کہا جاتا ہے۔ اس پر ''اسطوانة عائشة'' لکھا ہوا ہے۔

وجہ تسمیہ: اسے ستون قرعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت معلوم ہو جائے تو وہاں نماز کی ادائیگی کے لیے آپس میں قرعہ اندازی کریں اور ستون عائشہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے حدیث کی مراد واضح کی تھی۔ اور اسطوانہ مہاجرین اس لیے کہتے ہیں کہ قریشی مہاجرین عام طور پر یہاں بیٹھتے تھے۔

روایت قرعہ: طبرانی نے اوسط میں حضرت عائشہؓ سے نقلکیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ستون کے پاس مسجد میں ایسی جگہ ہے اگر لوگوں کو اس کی فضیلت معلوم ہو جائے تو قرعہ اندازی کر کے وہاں نماز ادا کیا کریں (یہ بات بیان کرتے ہوئے) حضرت عائشہؓ کے پاس صحابہ اور مہاجرین کی اولاد بیٹھی تھی انھوں نے

سوال کیا کہ ام المومنینؓ وہ کونسی جگہ ہے؟ تو وہ چپ ہو رہیں۔ چنداں بیٹھنے کے بعد وہ چلے گئے صرف ان کے بھانجے عبداللہ ابن زبیر بیٹھے رہے۔ وہ حضرات آپس میں کہنے لگے کہ اسے بتلا دیں گی تو مسجد میں غور کرتے رہنا کہ وہ آ کر کہاں نماز ادا کرتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ نکلے اور اس ستون کے پاس نماز ادا کی۔ ان کے ساتھی سمجھ گئے کہ حضرت عائشہؓ نے انھیں یہ جگہ متعین کر کے بتادی ہے اس لیے اسے اسطوانہ قرعہ کہا جاتا رہا۔ ابن النجار نے ابن زبیر بن حبیب سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں دس بارہ روز فرض نماز پڑھائی بعد میں اپنے مصلے میں پڑھانی شروع کر دی اور پھر یہ ستون آپ کی پشت پر ہوتا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و زبیرؓ ان کے بیٹے عبداللہ اور عامر بن عبداللہ وہاں نماز ادا کرتے رہے۔ مہاجرین قریش وہاں جمع ہوا کرتے تھے اس لیے اسے مجلس مہاجرین کہا جاتا۔ یہ بھی دعاؤں کی قبولیت کی جگہ ہے۔

ستون ابوالبابہ

یہ منبر سے چوتھا، قبر شریف سے دوسرا اور قبلہ سے تیسرا ستون ہے۔ وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ حضرت ابولبابہؓ نے اپنے آپ کو اس سے باندھ دیا تھا کہ یا وہ اسی حالت میں مر جائیں گے یا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما دیں۔ اسے اسطوانہ توبہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ابولبابہؓ اس سے بندھے تھے کہ ان کی توبہ قبول ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں بھی نماز ادا کرتے رہے ہیں جیسے کہ محمد بن کعب کی روایت ہے کہ یہاں آپؐ نفل نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اس ستون کی اہمیت یہ ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف اور آپؐ کے سر مبارک کے برابر میں ہے۔

واقعہ ابولبابہ اور ان کی قبر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم الٰہی کے مطابق بنو قریظہ یہودیوں کی غداری کی وجہ سے ان کا محاصرہ فرمایا اور انھیں کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو قبول کرلو۔ یہودیوں نے حضرت ابولبابہؓ سے سابقہ شناسائی کی وجہ سے عرض کیا کہ ہم اپنے معاملے میں ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بھیج دیا تو یہودیوں نے انھیں دیکھ کر رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ جس سے حضرت ابولبابہؓ کے دل میں رقت پیدا ہوئی اب بنو قریظہ نے پوچھا کہ تمھارا کیا خیال ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم کرلیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ ساتھ ہی ہاتھ گلے پر لگا کر اشارہ کر دیا کہ اس کا نتیجہ تمھارا قتل ہوگا۔ حضرت ابولبابہ کا بیان ہے کہ بخدا مجھے اسی وقت خیال آیا کہ میں تو خدا اور رسول کی خیانت کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ ابولبابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے بغیر مسجد نبوی میں آئے اور مسجد کے ستون سے اپنے کو باندھ دیا اور کہا میں اسی حال میں رہوں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ میرے اس فعل پر میری توبہ قبول فرمالیں اور عہد کیا کہ اب وہ بنو قریظہ کے ہاں کبھی نہ جائے گا اور نہ ہی اس سرزمین پر پاؤں رکھے گا۔ جہاں وہ اللہ اور رسول کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ انھوں نے جب واپسی میں دیر کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارا قصہ بتلا دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا اگر وہ سیدھا میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لیے استغفار کرتا۔ اب چونکہ اس نے خود یہ کام کیا ہے تو میں اسے کبھی نہ کھولوں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں۔ کچھ دنوں بعد سحری کے قت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ ابولبابہ کی توبہ قبول کر لی گئی ہے۔ اس وقت آپؐ حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں تھے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے سحری کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسکراتے دیکھا تو عرض کی کہ یا رسول اللہ خدا آپ کو ہنستا مسکراتا رکھے کس بات پر آپ مسکرا رہے ہیں؟ فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول کر لی گئی ہے تو انھوں نے عرض کیا: کیا میں اسے خوشخبری نہ دیدوں یا رسول اللہؐ؟ آپ نے فرمایا اگر تماری مرضی ہو تو کیوں نہیں۔ وہ

اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوگئیں اور فرمایا ابولبابہ مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ قبول فرمالی (یہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے) حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں لوگ حضرت ابولبابہ کو کھولنے دوڑ پڑے تو انھوں نے کہا نہیں بخدا اللہ کے رسولؐ ہی مجھے اپنے بابرکت ہاتھوں سے کھولیں گے۔ صبح کی نماز کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب حجرہ سے نکلے تو انھیں کھولا۔

ستون سریر

یہ ستون ستون توبہ کے مشرق میں جالی سے ملحق ہے۔ اس پر ''ھذہ اسطوانۃ السریر'' لکھا ہوا ہے۔ یہ اسکا نام اس لیے ہے کہ مسجد میں اعتکاف کے وقت آپ کی نشست یہاں ہوتی تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف پر بیٹھتے تو اسطوانہ توبہ کی پچھلی طرف آپ کا بستر یا چارپائی بچھادی جاتی۔ جو شخص ریاض الجنۃ میں اسطوانہ سریر کے قریب ہو تو وہ آپؐ کے سر مبارک کے بھی برابر ہوگا۔ اس جگہ کی عظمت کی وجہ سے امام مالک مسجد شریف میں اس جگہ بیٹھتے جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پھر حضرت عمرؓ بیٹھتے جن کا اعتکاف کے لیے یہیں بستر بچھایا جاتا۔

ستون حرس

یہ ستون بھی جالی سے ملحق ہے۔ ستون سریر کے جانب شمال پیچھے واقع ہے اور اس پر لکھا ہوا ہے ''ھذا اسطوانۃ الحرس'' اسے اس لیے محرس کہتے ہیں کہ یہاں وہ صحابہ بیٹھتے تھے جو آپؐ کی حفاظت پر مامور تھے۔ اسطوانہ علی مرتضیٰؑ بھی کہتے ہیں اس لیے کہ یہاں نماز ادا کرتے تھے نیز وہاں حفاظت کی ذمہ داری ادا کرتے تھے۔ اس طرف حضرت

عائشہؓ کے کمرہ کا دروازہ کھلتا تھا جس سے آپؐ تشریف لاتے اور ریاض الجنتہ میں نماز ادا کرتے تھے۔ بہت سے امراء مدینہ بھی اس ستون کے قریب نماز ادا کرتے تھے بروایت حاکم حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہرہ دیا جاتا تھا تا آنکہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس

''اور اللہ لوگوں سے تیری حفاظت خود کرے گا''۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسل نے فرمایا لوگو چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کی ذمہ داری اٹھالی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی حفاظت کرنے والوں میں شامل تھے جب آیت وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفاظت کرانا چھوڑ دیا۔

ستون وفود

یہ بھی جالی کے ساتھ ملحق ہے اور اسطوانہ محرس کے شمال کی جانب ہے۔ جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے ''ھذا اسطوانہ الوفود'' اس کا نام اسطوانہ وفود اس لیے ہے کہ جب عرب کے وفد حاضر خدمت ہوتے تو آپؐ سے اس جگہ ملاقات فرماتے۔ اسے مجلس قلادہ بھی کہتے تھے۔ اس لیے کہ بڑے بڑے صحابہ کی نشست یہاں ہوتی تھی۔

برزنجی کہتے ہیں کہ تینوں ستون، سریر، محرس، وفود دراصل یہ جالی کے اندر ہیں جن کی نشاندہی کے لیے ان سے متصل نصف نصف ستون جالیوں سے باہر بنا دیا گیا ہے جو اشرف قایتبائی کے زمانہ میں ۸۸۸ھ، ۱۴۴۳ء میں جالیاں نصب کرتے وقت تعمیر کیا گیا۔

ستون مربعتہ القبر

یہ اس دیوار حجرہ کے برابر میں ہے جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کیا۔ یہ

اسطوانہ وفود کی مشرقی جانب ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ حجرہ عائشہؓ کے مغربی شمالی کونے میں واقع ہے اور اس سے ملحق ہے۔ اسے مقام جبرئیل بھی کہتے ہیں۔ جس کی وجہ تسمیہ کے متعلق سمہودی کہتے ہیں میں اور تو نہیں جان سکا ماسوائے اس کے کہ ابن جبیر نے اس محل شریفہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس پر پردہ پڑا ہوا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت جبرائیل کے نزول کا مقام ہے۔

مسجد شریف کے ستونوں کی فضیلت

حضرت صحابہؓ نماز کے لیے ستونوں کی طرف جلدی سے پہنچتے۔ بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ مغرب کے وقت مسجد کے ستونوں کی طرف جلدی جلدی پہنچتے۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ باتیں کرنے والوں سے نماز ادا کرنے والوں کا ستونوں پر زیادہ حق ہے۔ حافظ ابن حجر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نماز ادا کرنے والے نے اس سے سترہ کا کام لینا ہے اس لیے اس کا حق زیادہ ہے۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ مسجد کے سب سے ستون متبرک ہیں اور ان کے پاس نماز کی ادائیگی مستحب ہے اس لیے کہ کسی نہ کسی صحابی نے وہاں نماز پڑھی ہوگی۔

یہ بیان ہو چکا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جانب قبلہ کا مسقّف حصہ تین دالانوں پر مشتمل تھا اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ جس نے بھی مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا وہ ستونوں کے اصل مقامات کا خیال کرتا چلا آیا اور یہ ستون اسی جگہ استوار کیے جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں تھے۔ ترکی تعمیر کے دوران صالح آفندی معمار نے ان کی جگہ بدلنے کا پروگرام بنایا تا کہ ان کا فاصلہ بڑھا دیا جائے لیکن ایسا نہ کر سکا چونکہ اس بارہ میں علمائے مدینہ کا اختلاف ہو گیا بعض اسکے حق میں تھے اور بعض مخالف۔ جو علماء تبدیلی کے مخالف تھے وہ یہ کہتے تھے کہ تاریخی ستونوں سے بہت

سی یادیں وابستہ ہیں اور ان کے فضائل احادیث میں آئے ہیں اس لیے ان میں تبدیلی درست نہیں۔ بعض ستون ایسے ہیں جن کے پاس دعا قبول ہوتی ہے اور بعض کے ساتھ حضرات صحابہؓ کی خاص یادیں وابستہ ہیں۔ بہر حال موافق و مخالف نے اپنے دلائل لکھ کر سلطان ترکی کو بھیج دیے۔ جس پر سلطان کا حکم آیا کہ ستونوں کی سابقہ جگہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے اس لیے کہ آثار شریفہ میں تبدیلی نامناسب ہے جیسے اور جہاں بھی دورِ نبوی میں ستون تھے وہیں انھیں تعمیر کیا جائے۔ اور ایسے ہی حکم شاہی کی تعمیل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ستون تاریخی یادگار تھے اور ترکی تعمیر میں بھی انھیں وہیں استوار کیا گیا جہاں وہ دورِ نبویؐ میں تھے۔

قدیم مسجد کے دروازے

دروازے کے متعلق چند تاریخی حقائق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کے تین دروازے رکھے تھے۔ ایک دروازہ مسجد کے جنوب میں دوسرا مغرب کی طرف جسے باب الرحمۃ کہتے ہیں اور تیسرا دروازہ مشرق کی طرف جس سے آپؐ مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ جسے باب جبریل کہا جاتا ہے۔ جب قبلہ کی تبدیلی کا حکم آ گیا تو جنوبی دروازہ بند کر دیا گیا اور اس کی جگہ شمالی جانب دروازہ بنایا گیا۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن خطاب نے مسجد کی توسیع کی تو دروازوں کی تعداد چھ کر دی۔ دو قبلہ کی داہنی جانب، دو بائیں جانب اور دو دروازے مسجد کی شمالی جانب۔ گویا دورِ نبوی کے دروازوں میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی البتہ مشرقی دیوار میں باب النساء مغربی میں باب السلام اور شمال میں ایک دروازہ اضافہ کیا گیا۔ دور عثمانی میں توسیع کرتے ہوئے ان چھ دروازوں کو بحال رکھا گیا اور کوئی ردوبدل نہ کیا گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں دروازوں کی تعداد بیس ہو گئی۔ آٹھ مشرق میں آٹھ مغرب میں اور چار شمال میں۔

مہدی عباسی کے دور میں ان کی تعداد چوبیس ہو گئی۔ قبلہ کی طرف چار خصوصی دروازے از سر نو رکھے گئے اور بیس عمومی دروازے حسب سابق رہے۔ بعد میں رفتہ رفتہ یہ دروازے بند ہو گئے اور صرف چار دروازے کھلے رہ گئے۔ جیسا کہ ابن جبیر نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی میں چار کے علاوہ سب دروازے بند کر دیئے گئے۔ مغرب میں دو دروازے جن

میں سے ایک باب الرحمۃ ہے دوسرا باب السلام۔ مشرق میں دو دروازے باب جبریل اور باب النساء ہیں۔ یاد رہے کہ ابن جبیر نے سنہ ۵۷۸ھ میں مسجد نبوی کی زیارت کی تھی۔ عرصہ دراز تک مسجد کے یہی چار دروازے رہے تا آنکہ ترکی تعمیر کے دوران شمال میں پانچویں دروازے باب مجیدی کا اضافہ کیا گیا۔ اب جبکہ ۱۳۷۵ھ میں سعودی حکومت نے پہلی توسیع کی تو مزید دروازے بنا دیئے۔ جن کی تعداد دس ہوگئی۔ مغرب میں باب صدیق اور باب سعود کا اضافہ کیا گیا اور مشرق میں باب عبدالعزیز بنایا گیا۔ شمال میں باب عمر اور باب عثمان کا اضافہ ہوا۔ ۱۴۰۸ھ میں ایک اور دروازے باب البقیع کا اضافہ ہوا جو مشرقی دیوار میں باب السلام کے بالمقابل ہے۔ اب علیحدہ علیحدہ ہر دروازے کا تعارف ملاحظہ ہو۔

باب جبرئیل

یہ دروازہ مسجد نبوی شریف کی مشرقی دیوار میں ہے اسے باب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی دروازے سے مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ آپؐ کے زمانے میں مشرقی جانب اور کوئی دروازہ نہ تھا۔ اسے باب عثمان بھی کہتے تھے۔ اس لیے کہ یہ حضرت عثمانؓ کی رہائش گاہ کے سامنے تھا اور باب جبریل اس لیے کہتے ہیں کہ جنگ خندق کے بعد حضرت جبریل گھوڑے پر سوار اس دروازے پر کھڑے ہوگئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ پر حملہ کرنے کا پیغام دیا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ خندق سے فارغ ہو کر آئے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو حضرت جبرائیل آئے اور کہا کہ آپ نے تو ہتھیار اتار کر رکھ دیے ہیں بخدا ہم (فرشتے) تو اسی طرح ہتھیار بند ہیں۔ ابھی ادھر چلیئے فرمایا: کدھر؟ تو انھوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں دروازے کی درازوں سے حضرت جبریل کو دیکھ رہی تھی جن کا سر غبار آلود تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم بنوقریظہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سے کوئی شخص گزرا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ابھی سفید و سیاہ رنگ خچر پر سوار وہب کلبی گزرا ہے جس کے نیچے ریشمی چادر تھی۔ فرمایا: ایسے نہیں وہ تو جبریل تھا جسے بنوقریظہ کی طرف بھیجا گیا ہے تا کہ ان کے قلعوں کو ہلا ڈالے اور ان کے دلوں پر رعب ڈال دے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت جبرائیل وہب کلبی کی شکل میں آئے تھے۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت جبریل یہ تاریخی مقام دینے اس مشرقی دروازے پر آئے تھے اس لیے اسے باب جبریل کہا جاتا ہے۔

جب حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنوقریظہ پر حملہ آور ہونے کو کہنے آئے تو حجرہ عائشہ کے پاس مشرقی جانب کھڑے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب مسجد کی توسیع کی تو حجرہ کے بالمقابل اس جگہ دروازہ رکھا بعد میں دیوار کی تجدید کرتے ہوئے اسے بند کر دیا گیا۔ آج کل اس جگہ ایک کھڑکی ہے جو مسجد کے باہر کھلتی ہے۔ یہ باب جبرئیل سے دوسری جالی دار کھڑکی ہے۔ کھڑکی کے پتھر پر یہ آیت کھدی ہوئی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اس کے اوپر گول پتھر ہے۔ یہ اس مقام کی نشاندہی ہے جہاں جبریل کھڑے تھے۔ یہ جگہ حجرہ شریف کے پاس ہی تھی جس کا اشارہ حضرت عائشہؓ کے بیان سے ملتا ہے کہ وہ جبرائیل کو دروازے کی درزوں سے دیکھ رہی تھیں۔

دورِ نبوی میں باب جبرائیل

علامہ سمہودی کہتے ہیں کہ دورِ نبوی میں باب جبرائیل کی جگہ جالیوں کے شمال دروازہ کے سامنے تھی چونکہ نویں صدی میں تعمیر مسجد کے لیے کھدائی کے دوران یہاں ایک

دروازہ کے آثار نمودار ہوئے جو غالباً عہد نبوی میں باب جبرائیل کے تھے۔ جیسے جیسے مشرقی جانب مسجد کی توسیع ہوتی گئی دروازہ پیچھے ہٹتا گیا لیکن پہلے جبرائیل کے محاذات میں ہی رہا۔ ترکی تعمیر میں بھی یہ دروازہ پہلے دروازے کی سیدھ میں ہی تعمیر کیا گیا۔ جو لکڑی کا ہے اور اس پر سلطان عبد المجید خان کا نام لکھا ہوا ہے۔

باب النساء

۱۷ھ میں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن خطاب نے مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر کے وقت مشرقی دیوار کے آخر میں دروازہ کھولا تھا اور اس کا نام باب النساء رکھا تاکہ خواتین اس پچھلے دروازہ سے داخل ہو کر پچھلی صفوں میں نماز ادا کر کے یہیں سے واپس چلی جائیں۔ اور مردوں کے سامنے سے گزرنے کی نوبت نہ آئے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہمیں یہ دروازہ عورتوں کے لیے مخصوص کر دینا چاہیے۔ نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ تا وفات اس دروازہ سے کبھی داخل نہ ہوئے۔ بعد میں جب بھی مسجد میں توسیع کی گئی اس کے بالمقابل یہ دروازہ بنتا چلا آیا۔ ترکی تعمیر میں اس کی تجدید کی گئی اور لکڑی کا دروازہ تا حال موجود ہے جس پر سلطان عبد المجید خاں کا نام لکھا ہوا ہے۔

باب الرحمت

یہ مسجد کی مغربی دیوار میں ہے اور ان تین دروازوں میں سے ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھولے تھے۔ مسجد میں جب بھی توسیع کی گئی اس کے مقابل دروازہ بنتا آیا۔ چونکہ یہ دروازہ عاتکہ بنت عبد اللہ بن یزید بن معاویہ کے مکان کے سامنے تھا اس لیے ایک دور میں اسے باب عاتکہ بھی کہا جاتا رہا۔

بارش کا واقعہ

علامہ سمہودی نے باب الرحمۃ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی دار القضاء کی طرف کے دروازہ سے داخل ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ وہ شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا یا رسول اللہ مال برباد ہو گیا۔ راستے کٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں کہ وہ بارش فرما دیں۔ آپؐ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ ہمیں بارش عطا کر، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش دیدے۔ انسؓ کا بیان ہے کہ بخدا اس وقت ہمیں آسمان میں نہ تو بادل دکھائی دے رہا تھا نہ اس کا کوئی ٹکڑا۔ ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی نہ کوئی مکان تھا نہ گھر (جو دیکھنے میں رکاوٹ بن سکے) اب سلع پہاڑ کی اوٹ سے ایک چھوٹی سی بدلی اٹھی اور آسمان کے درمیان میں آ کر پھیل گئی اور برسنا شروع ہو گئی۔ بخدا ہم نے چھ روز تک سورج کی شکل بھی نہیں دیکھی (اگلے) جمعہ کو اسی دروازہ سے وہی شخص داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپ کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا: مال ہلاک ہو گیا راستے کٹ گئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ بارش رک جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ ہمارے اردگرد نہ ہم پر، اے اللہ ٹیلوں، پہاڑوں، وادیوں کی ترائیوں اور درختوں کے جھنڈوں پر۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ بادل ایک دم پھٹ گیا اور ہم دھوپ میں چلنے لگے (بخاری)

علامہ سمہودی کہتے ہیں کہ حدیث انس سے معلوم ہو گیا کہ ایک دیہاتی نے دار القضاء کی طرف سے داخل ہو کر بارش کی درخواست کی تھی اور یہ پکی بات ہے کہ اس وقت مسجد کے اس طرف باب الرحمۃ کے سوا اور کوئی دروازہ نہ تھا۔ اور بارش رحمت خداوندی ہے

اور اس کی درخواست کے نتیجے میں باران رحمت نازل ہوگئی بظاہر باب رحمت کی وجہ تسمیہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ علامہ سخاویؒ نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے یہی کچھ کہا ہے۔ باب رحمت کی جگہ لکڑی کا موجودہ دروازہ سلطان عبدالمجید خاں کا بنایا ہوا ہے جس پر لکھا ہوا ہے:

"عمره السلطان عبدالمجيد خان"

خوخہ ابوبکر صدیقؓ

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ خوخہ چھوٹے دروازے کو کہتے ہیں جسے دریچہ بھی کہا جاتا ہے۔ جب کے کبھی پٹ ہوتے بھی نہیں۔ یعنی دیوار میں رستہ بنا ہوا ہے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر کے گھر کا دریچہ مسجد کے مغربی جانب منبر کے قریب تھا۔

باب السلام

۱۷ھ میں عمر بن خطابؓ نے توسیع وتعمیر کرتے ہوئے مغربی دیوار میں یہ دروازہ بنایا تھا۔ اس کو باب السلام اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مواجہہ شریف کے برابر میں واقع ہے اور زیارت کرنے والا یہاں سے داخل ہو کر مواجہہ شریف میں سلام کے لیے سیدھا جا سکتا ہے۔ اسے باب الخشیۃ اور باب الخشوع بھی کہتے ہیں۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مروان بن حکم کے گھر کے سامنے مسجد کا دروازہ مغرب کی سمت تعمیر کروایا۔ جب بھی اس سمت میں تعمیرات ہوئیں اور دروازہ کے بالمقابل ہی دروازہ بنتا رہا۔ ترکی تعمیر میں اس کی تجدید کی گئی اور اس پر ایک خوبصورت قبہ بھی تعمیر کیا گیا جو پہلے نہ تھا۔ کاریگروں نے اس میں کاریگری کے ایسے کمالات کا اظہار کیا ہے جو کسی دوسری جگہ میں نہیں۔ اگرچہ دوسرے دروازوں پر بھی محنت کی گئی ہے۔

باب عبدالمجید (باب مجیدی)

۱۲۷۷ھ میں مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر کے وقت مسجد کی شمالی جانب سلطان عبدالمجید خان نے یہ دروازہ تعمیر کروایا تھا اسی جگہ ۱۳۷۵ھ میں جب حکومت سعودیہ نے پہلی توسیع کی تو اس دروازے کو پہلے دروازے کے بالمقابل تعمیر کر دیا گیا اور اب ۱۴۱۴ھ میں توسیع دوم کے بعد یہ دروازہ مسجد کے اندر شامل ہو گیا ہے اور اس کے بالمقابل بننے والے دروازہ کا نام "باب ملک فہد" ہے۔

باب عبدالعزیز

یہ دروازہ توسیع اول سعودی کے وقت مشرقی دیوار میں بنایا گیا تھا اور اس کے تین متصل دروازے تھے اب توسیع دوم میں یہ بھی مسجد کے اندر شامل ہو گیا ہے اور اس کے بالمقابل توسیعی عمارت میں قائم ہونے والے دروازہ کا نام "باب ملک عبدالعزیز" ہے۔

باب عثمان بن عفان

مسجد نبوی کے شمال مشرقی کونے پر یہ دروازہ ہے۔ یہ پہلی توسیع سعودی ۱۳۷۵ھ میں تعمیر ہوا تھا اب دوسری توسیع میں شامل توسیع ہو چکا ہے۔ شاید یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا مکان مشرقی حصہ میں باب جبریل کے قریب تھا۔ مشرقی شمالی کونے پر (قدیم) باب عثمانؓ کا ہونا بھی اسی بات کا اشارہ ہے۔

باب عمر بن الخطاب

مسجد نبوی کے شمال مغربی کونے پر یہ دروازہ پہلی سعودی توسیع میں تعمیر کیا گیا اب

دوسری توسیع میں شاملِ عمارت ہو چکا ہے۔ شاید اس کی وجہ تسمیہ یہ ہو کہ حضرت عمرؓ کا مکان مسجد کی مغربی جانب باب الرحمۃ اور باب السلام کے پاس تھا (جو آپؓ کی شہادت کے بعد دارالقضاء کے نام سے مشہور ہو گیا) اسی پس منظر میں اس دروازہ کا نام باب عمر بن خطابؓ رکھا گیا۔

باب الملک سعود

یہ مغربی دیوار میں باب عبدالعزیز کے بالمقابل تھا۔ پہلی سعودی تعمیر میں بنایا گیا۔ یہ تین متصل دروازوں پر مشتمل تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ کو پہلی توسیع سعودی کا سنگ بنیاد شاہ سعود نے رکھا تھا۔ ہاشم دفتر دار لکھتا ہے کہ شاہ سعود نے سنگ بنیاد رکھنے کے بعد اس دیوار کے اندر تاریخی وثیقے نقشے اور سونے چاندی کے قدیم سکے رکھے۔ سنگ بنیاد پر جو تحریر کندہ ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

"یہ چار پتھر شاہ سعود نے خود اپنے ہاتھوں سے مسجد کی دیوار میں لگائے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی جا سکے اور یہ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ کا واقعہ ہے"۔

محمد اصمعی تحقیق النصرہ پر تعلیق میں لکھتے ہیں:

"یہ دروازہ حضرت تمیم الداریؓ کے گھر کے بالمقابل ہے۔ پرانے زمانہ میں بھی یہاں درواز ہوتا تھا جسے مسجد کی دیوار کی تجدید کے وقت بند کر دیا گیا"۔

مسجد نبوی کے مینار

عہد نبوی اور خلفائے راشدین میں مسجد نبوی کا کوئی مینارہ نہیں تھا۔ ۹۱ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پہلی بار مسجد کے چاروں کونوں پر چار مینار تعمیر کروائے۔ جن کی لمبائی قریباً ساڑھے ستائیں یا تیس میٹر تھی اور چوڑائی ۴x۴ تھی۔

مینار اور اذان

میناروں اور ان کے بنوانے والوں کے ذکر سے پہلے مناسب ہے کہ میناروں کی ضرورت اور فوائد کا ذکر کیا جائے۔ دراصل میناروں کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ اذان کی آواز دور تک پہنچائی جا سکے۔ اس لیے فقہاء کے نزدیک مستحب ہے کہ کسی اونچی جگہ پر اذان دی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اس کی آواز پہنچ سکے۔ مؤذن نبوی حضرت بلالؓ بن رباح مسجد کی جنوبی جانب ایک بلند مکان پر اذان دیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیرؒ کی روایت ہے کہ بنونجار کی ایک عورت نے انھیں بتلایا کہ مسجد کے ارد گرد کے مکانوں میں اس کا مکان سب سے اونچا تھا اور حضرت بلالؓ اس پر فجر کی اذان دیتے تھے۔ وہ سحری کو آ کر اس پر بیٹھ کر پو پھٹنے کا انتظار کرتے جب پو پھٹتی دیکھتے تو اذان دتے۔ (ابوداؤد)

عبدالعزیز بن عمران کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گھر میں مسجد کے قبلہ کی جانب ایک ستون تھا جس پر اذان دی جاتی تھی وہ چوکور تھا اور اسے مطمار کہتے تھے جو دسویں صدی تک موجود رہا۔ اس لیے حضرت فقہاء کے نزدیک مستحب ہے کہ کسی اونچی جگہ پر اذان دی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اسکی آواز پہنچ سکے۔

الغرض ۹۱ھ میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کے چار مینار بنائے تو مؤذنوں نے ان پر کھڑے ہوکر اذان دینی شروع کر دی۔ یوں مینار اور اذان کا تعلق قائم ہوگیا۔ یہ سلسلہ یونہی چلا آیا تا آنکہ لاؤڈ اسپیکر آ گئے۔ تب سے منبر کے سامنے چبوترے پر ہی اذان دی جانے لگی جس پر سپیکر کے مائک لگے ہوئے ہیں۔ میناروں کی اہمیت میں تاہم کمی نہیں آئی اس لیے کہ ان پر سپیکر ہارن لگے ہوئے ہیں جو مدینہ طیبہ کے کونے کونے میں اذان کی آواز پہنچاتے ہیں۔

مؤذنوں کا چبوترہ

پھروں کے چار پاؤں والا تھل جو منبر کے سامنے شمال کی جانب ہے اسے مقصورۃ المبلغین، مکبر یہ اور دکتہ المؤذنین بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس پر مؤذن اذان بھی کہتا ہے اور تکبیر بھی اور نمازیوں تک نماز میں تکبیر پہنچانے کا کام بھی دیتا ہے۔ کافی پرانے زمانہ سیاس کے وجود کے نشانات ملتے ہیں۔ علامہ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے بیان کیا ہے کہ شاہ اشرف قایتبائی نے مؤذنوں کے لیے سنگ مرمر کا چبوترہ بنوایا تھا۔ اور شاید یہ چبوترہ اسی مقام پر استوار کیا گیا ہے جہاں حضرت بلالؓ جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اذان دیتے تھے۔ ۱۴۰۳ھ میں اس کی توسیع و تجدید کی گئی ہے۔

صدر مینار

مسجد نبوی کے جنوب مشرقی کونے پر واقع ہے۔ یہ مینارہ رئیسیہ اس لیے مشہور ہوگیا کہ اس پر رئیس المؤذنین اذان دیتے تھے۔ یہ مینارہ اپنی قدیم وضع قطع پر قائم رہا تا آنکہ ۸۸۶ھ، ۱۴۸۱ء میں اس پر بجلی گری اور اس کا تیسرا حصہ منہدم ہوگیا لہٰذا اسے مکمل منہدم کر کے اس کی بنیادیں پانی تک گہری بنائی گئیں اور تعمیر کرتے ہوئے اس کی لمبائی میں اضافہ کر دیا گیا۔

۸۹۲ھ، ۱۴۸۶ء میں سلطان اشرف قایتبائی نے اس کی تعمیر کا اہتمام کیا۔ سلطان عبدالمجید خاں کے دور میں مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت اس مینار کو اسی طرح باقی رکھا گیا کیونکہ اس کی مضبوطی اور خوبصورتی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ صرف اس کے دروازے کی تجدید کرتے ہوئے اسے سرخ پتھر سے تعمیر کیا جس پر گلکاری کی ہوئی تھی۔ آج کل اس کا دروازہ مسجد کے اندر مینار کے مغرب میں ہے جو مواجہہ شریفہ کے سامنے ہے۔ ۱۴۰۲ھ میں اس کی مرمت کرتے ہوئے اس کی اندرونی سفیدی کو صاف کر کے اسے نئے سرے سے بنایا گیا۔ بڑے کنگروں اور بالکونیوں کے کنگروں کی مرمت کی گئی۔ کھڑکیوں اور دروازوں کو نئے سرے سے بنایا گیا۔ اوپر کے تیسرے حصے کو ختم کر کے پہلے ہی انداز میں کنکریٹ سے تعمیر کر دیا گیا۔ ہلال کو نئے سرے سے ۳،۵ میٹر لمبا بنایا گیا اور ہلال کے نچلے حصے میں سرخ ٹیوب لگائی گئیں جو رمضان المبارک میں کام دیتی ہیں۔ سات ماہ تک اس کی مرمت جاری رہی۔ ۱۴۱۱ھ میں بعض فنی تقاضوں کے پیشِ نظر اس کی دوبارہ مرمت کی گئی۔

منارہ باب السلام

مسجد نبوی کے جنوب مغربی کونے پر واقع ہے۔ ۷۰۶ھ میں شاہ ناصر محمد قلاوون نے دوبارہ اس کی تعمیر کی۔ علامہ سمہودی کہتے ہیں۔ میں نے اس کی پیمائش کی تو ہلال کے اوپر سے لیکر زمین تک ساڑھے سینتالیس میٹر ہے۔ باب السلام میں داخل ہوں تو دائیں ہاتھ اس کا دروازہ ہے۔ ۱۴۰۲ھ میں اس کی مرمت جکرتے ہوئے اندر اور باہر کی سفیدی ختم کر کے اس کی تجدید کر دی گئی۔ پہلی گیلری کو مکمل طور پر ختم کر کے اسی شکل وصورت کی گیلری کنکریٹ اور لوہے سے بنادی گئی۔ اوپر پرانے مخروطی حصہ کو ختم کر کے نیا مخروطی حصہ بنا دیا گیا۔ نیا ہلال ۳،۵ میٹر لمبائی یں نصب کیا گیا۔ ۱۴۱۱ھ میں بعض فنی تقاضوں کے پیش نظر مزید مرمت کی گئی۔

آسودگانِ خاکِ مدینہ

آسودگان خاک مدینہ

عرفانِ مدینہ کی مختلف جہتیں ہیں اس میں ایک جہت ان شخصیتوں کا ذکر بھی ہے جو مدینہ منورہ میں محوِ آرام ہیں۔ ان شخصیتوں میں سب سے اہم و عظیم و قابلِ ذکر شخصیت سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جن کے وجود ذی جود سے طیبہ اور یثرب، مدینہ منورہ بنے۔ سرکار نامدار نے اسے اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف وسعادت عطا کیا اور مرجعِ خلائق آپ کی حیات میں بھی یہ مرکز رہا اور آپ کے وصال کے بعد بھی اسے مرکزیت حاصل ہے۔ مکہ اگر ارض جلال ہے تو مدینۂ منورہ ارض جمال ہے۔ مکہ معظّمہ اگر حرم خدا ہے تو مدینۂ منورہ حرم رسول خدا ہے۔ لوگ اس شہر کی زیارت کی حسرت کرتے ہیں ان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ خدا کبھی وہ دن لائے کہ تقدیر مدینہ لے جائے۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں یہ سعادت نصیب ہوئی ہے۔ یہ شرف ہر کس و ناکس کے مقدر میں نہیں۔ تکبر و غرور، نصاب اخلاقیات میں سب مکروہ چیز ہے مگر بعض مقامات پر صورتحال اس کے برعکس ہوتی ہے۔ خوش نصیب جو اس دیار کے قریب ہیں وہ لوگ مقدر کے سکندر ہیں جنھیں آقا کے دربار کی حاضری نصیب، بوسہ دینے کے قابل ہیں۔ وہ آنکھیں جنھوں نے گنبدِ خضرا کا نظارہ کیا ہو اور چشم تر مواجہہ شریف کی زیارت کی ہو۔ یہاں فخر و تکبر جائز ہے۔ جو لوگ اس بارگاہ میں اپنی جبیں عقیدت خم کر چکے ہیں ان کا اشتیاق اور بڑھ جاتا ہے۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ خالق کون و مکاں اپنے حبیب کے صدقے میں یہ سعادت بار بار عطا فرمائے۔ جو وادی طیبہ کی سیاحت کر چکا ہے، جو مسجد نبوی کے شب و روز دیکھ چکا ہے، جو سرکار کے مرقد کی زیارت کر چکا ہے اس کا اشتیاق اس شخص

سے زیادہ ہو جاتا ہے جو ابھی تک روضہ سرکار تک نہیں پہنچا ہے۔ یہ کوئی مفروضہ نہیں، کوئی قیاس نہیں، صرف خیال نہیں یہ خود اپنی کیفیت ہے جب میں اس بارگاہ میں حاضر نہیں ہوا تھا تو صرف آرزو تھی اب جبکہ مالک دو جہاں کے کرم اور آقا کی عطا سے کئی بار جبیں نیاز اس بارگاہ میں جھکا چکا ہوں اور کئی حاضری دے چکا ہوں بلکہ کئی بار بلاوا آ چکا ہے یہاں بغیر بلاوے کے کوئی نہیں آتا۔ آتا ہے وہی جس کو سرکار بلاتے ہیں۔ تو اضطراب، بیقراری اور بے چینی پہلے سے بڑھ چکی ہے۔ پہلے آرزو میں اس قدر شدت نہ تھی جس قدر بے چینی میں اب اضافہ ہو چکا ہے۔ ہے حکایت صرف میری ہی نہیں بلکہ مجھ جیسے بہت سے لوگوں کی ہے جو بار ہا اس بارگاہ میں آ چکے ہیں۔ یہ بارگاہ ہی ایسی ہے، یہ سفر ہی ایسا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ کبھی ختم نہ ہو اور آنا جانا لگا رہے تاکہ ہجر کی بیقراری کو قرار آتا رہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آسودگان خاکِ مدینہ میں سب سے پہلے ہم حفظ مراتب کے پیشِ نظر آقای دو جہاں کا تذکرہ کریں گے۔ سرکارِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ایک ایسے دور میں ہوئی جب پورے عرب کو جہالت وحیوانیت نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ہر طرف ظلم و جور کی تیرگی تھی۔ عرب اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بیت اللہ میں ننگا طواف ہوتا تھا۔ خود اللہ کے گھر میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے جن کو اہلِ عرب معبود تسلیم کرتے تھے اور ان سے اپنی مختلف حاجات کو پورا کرنے کے لیے نذر و نیاز دیتے۔ قبائلی دشمنی اور گروہی عصبیت عروج پر تھی۔ جنگ وجدل، رقص وموسیقی، قمار بازی، زنا، چوری ڈکیتی، دھوکہ دہی کا بازار گرم تھا۔ دین ابراہیمی موقوف ہو چکا تھا۔ صرف رسول خدا کا خاندان دین ابراہیمی پر قائم تھا۔ یہاں ہم انتہائی اختصار کے ساتھ سیرت نبوی کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں چونکہ سیرتِ رسول خدا ہمارا

موضوع نہیں ہے یہ آسودہ گان خاک مدینہ کے تذکرے میں ایک تذکرہ ہے۔

سوانحی خاکہ

ولادت	....	۱۷ ربیع الاول سن ۱ عام الفیل
بعثت نبوی	....	۹ ربیع ۴۱ ولادت نبوی
معراج	....	۲۷ رجب ۱۰ نبوت
ہجرت	....	۲۷ صفر ۱۳ نبوی
غارِ ثور سے روانگی	....	یکم ربیع الاول ۱۳ نبوت
مدینہ میں آمد	....	۱۲ ربیع الاول ۱ ہجری
غزوہ بدر	....	۱۷ رمضان ۲ ہجری
غزوہ احد	....	۶ شوال ۳ ہجری
غزوہ خندق	....	۲۸ شوال ۵ ہجری
غزوہ حدیبیہ	....	ذی قعد ۶ ہجری
غزوہ خیبر	....	آخر محرم ۷ ہجری
فتح مکہ	....	۲۰ رمضان ۸ ہجری
غزوہ حنین	....	۱۱ شوال ۸ ہجری
غزوہ طائف	....	۱۳ شوال ۸ ہجری
غزوہ تبوک	....	رجب تا رمضان ۹ ہجری
حجۃ الوداع	....	۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری
اعلانِ غدیر	....	۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری
وفات	....	۲۸ صفر ۱۱ ہجری

پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ آپ نے تیرہ سال مکہ میں رہ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور اس دوران آپ نے نہایت سخت مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں۔ اس مدت میں آپ نے ایک اچھے گروہ کی تربیت فرمائی اور اس کے بعد آپ مدینہ ہجرت فرما گئے۔ مدینہ کو آپ نے اپنا مرکز قرار دیا۔ مدینہ میں دس سال آزادانہ تبلیغ کی اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ عرب کے سرکش افراد سے جنگ کی اور انھیں مغلوب کیا۔

دس سال بعد پورا جزیرہ عرب مسلمان ہو گیا۔ قرآن کریم ۲۳ سال کی مدت میں تدریجاً آپ پر نازل ہوا۔ مسلمان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دیوانہ وار اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ پیغمبر اکرم ۱۱ ہجری یعنی مکہ سے مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال ۶۳ کی بابرکت عمر میں اس دار فانی سے دار ابدی کی طرف کوچ کر گئے۔ جبکہ پ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل دے چکے تھے جو روحانی شادابی سے مالا مال اور ایک ایسی تعمیری Ideology کا معتقد تھا جو کہ اسے پوری دنیا کے بارے میں اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتا تھا۔ اس جدید معاشرہ کو عزم و حوصلہ اور اتحاد و استحکام بخشنے والی دو چیزیں تھیں۔ ایک تو قرآن کہ جس کی ہمیشہ تلاوت ہوتی تھی اور دوسرے پیغمبر اکرم کی عظیم شخصیت۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادیں لوگوں کے دلوں میں موجزن تھی۔ ذیل میں ہم آپ کی تعلیمات کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام میں خانقاہی نظام کا کوئی گزر نہیں بلکہ وہ ایک عملی دین ہے جو عصری تقاضوں سے قطعی ہم آہنگ ہے۔ مغرب کا اسے (Out of Date) از کار رفتہ قرار دینا الزام محض ہے۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خدایا میں سستی و کاہلی اور عاجزی و ناتوانی سے تیری پناہ چاہتا ہوں''۔ آپ مسلمانوں کو کام کا شوق دلاتے تھے۔ آپ فرماتے

تھے: ''عبادت کے ستر حصے ہوتے ہیں ان حصوں میں بہترین حصہ حلال روزی حاصل کرنے میں ہے''۔

بعثت سے قبل حضرت خدیجہ (جو بعد میں آپ کی زوجہ قرار پائیں) آپ کے تجارتی قافلے کیساتھ آپ نے شام کا ایک تجارتی سفر کیا۔ اس سفر میں اپ کی صداقت و امانت پہلے سے زیادہ واضح طور پر نمایاں ہوئی۔ آپ لوگوں میں اس قدر مشہور ہوئے کہ آپ کا لقب ''محمد امین'' پڑ گیا۔ لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ بعثت کے بعد بھی اپنی تمام تر دشمنی کے باوجود قریش اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا تھا تاکہ امیر المومنین علیہ السلام لوگوں کی امانتیں ان تک پہنچا دیں۔

زمانہ جاہلیت میں ظلم وستم سے عاجز و پریشان افراد کے ساتھ ظالموں اور ستمگروں کا مقابلہ کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ مکہ کی ایک اہم شخصیت عبداللہ ابن جدعان کے گھر میں کیا گیا۔ اس معاہدہ کا ''حلف الفضول'' نام پڑا۔ آپؐ زمانہ رسالت میں اس معاہدہ میں شرکت کرنے کے لیے مکمل طور پر آمادہ ہوئے۔

آپ گھر پر مہربان تھے آپ اپنی ازواج کے ساتھ کسی بھی قسم کی تندمزاج نہیں کرتے تھے جبکہ آپ کا یہ عمل مکہ والوں کے مزاج کے برخلاف تھا۔ آپ اپنی بعض ازواج کی بدزبانی کو برداشت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض دوسرے افراد آپ کے اس تحمل سے کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیوی کے ساتھ حسنِ معاشرت کی تاکید فرماتے ہوئے کہتے تھے: ''تمام افراد میں اچھی اور بری عادتیں اور خصلتیں پائی جاتی ہیں کسی بھی آدمی کو فقط اپنی زوجہ کی بداخلاقی پر نگاہ نہیں کرنی چاہیے''۔ یہ تھی اس نبیؐ اولعزم کی تعلیم۔ حجۃ الوداع کے بعد آپ نے غدیر خم کے مقام پر اپنا وصی و جانشین مقرر کر کے ۲۸

صفر ۱۱ ہجری کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس طرح محبوبِ خدا سے جا ملے اور دنیا بھر کے پاکیزہ نسب او باضمیر مسلمانوں کے دل میں اپنی محبت چھوڑ گئے۔ ہمیں سرکار سے جو محبت ہے وہ اس لیے ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں انسان بنایا۔ ہمارے اندر کے حیوان کو شائستہ بنایا اور مدینہ کو ہماری آرزوؤں کا محور بنا گئے۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

آسودہ گان خاک پاک مدینہ میں بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری بڑی محترم و باعظمت شخصیت خاتون قیامت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ہے۔ آپ کی قبرِ اقدس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں ہے۔ آیا وہ مسجد نبوی کے اندر خود حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے حجرے میں ہے یا آپ جنت البقیع میں دفن ہیں۔ نہ جانے وہ کون سی مصلحت تھی اور کون سے اندیشے تھے جس کے پیشِ نظر ہمارے آئمہ الطاہرین علیہ السلام نے بھی آپ کے نشانِ قبر کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔ لیکن ہمیں چاہیے کہ حجرہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور جنت البقیع دونوں میں اذن دخول اور زیارت پڑھیں۔

آپ کی ولادت کی تاریخ ۲۰ جمادی الثانیہ ۵ بعثت اور شہادت کی تاریخ ۳ جمادی الثانیہ ۱۱ ہجری ہے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کے وقت حسب دستور قبیلے کو اطلاع دی گئی لیکن کوئی نہ آیا۔ جس کا جناب خدیجہ الکبریٰ کو ملال ہوا تو پروردگار عالم نے غیب سے اعلان فرما دیا۔ اے خدیجہ کیا ہوا؟ اگر قبیلے کی عورتیں نہیں آئیں تو نہ آئیں میں نے تمھاری تیمارداری اور خوشیوں کے لیے ان عورتوں کو بھیج دیا ہے جو میری بارگاہ میں ممتاز ہیں۔ عظمت والی ہیں، بلندی والی ہیں، برتر ہیں اور اعلیٰ ہیں۔ کیا میں نے حورانِ جنت کو نہیں بھیجا، کیا میں نے صفورا بنت شعیب کو نہیں بھیجا، کیا میں نے کلثوم خواہر

موسیٰ کو نہیں بھیجا۔ آپ پریشان نہ ہوں یہ مقام میں نے کسی کو نہیں دیا۔ ان حالات میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ظہور ہوا۔ جب جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے دنیا میں قدم رکھا تو یہ نبوت کا پہلا سال تھا جس میں حضور کو کفار مکہ و مشرکین مکہ اور منافقین مکہ کی تکلیف کا سامنا تھا۔ گویا جناب سیدہ کا ظہور بڑے پر آشوب دور میں ہوا چونکہ جناب خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا نے اپنے قبیلے کی مرضی کے خلاف سرور کائنات سے شادی کی تھی اس لیے پوری قوم نے جناب خدیجہ کا بائیکاٹ کیا تھا مگر مالک دو جہاں نے اپنی کنیز خاص کے لیے حورانِ بہشت کو بھیج دیا تھا۔

مقام خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی والدۂ ماجدہ وہ ہیں:

جن کے لیے عرش سے خالق دو جہاں کا سلام آتا تھا۔

جنھوں نے اپنا سارا مال راہِ خدا میں لٹا دیا تھا۔

آپ نے عوتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور رسالت کی گواہی دی۔

آپ نے عورتوں میں سب سے پہلے نماز پڑھی اور اسلامی احکامات بجالائیں۔

آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرور کائنات کی محرم راز ہونے کا شرف حاصل ہے۔

آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہیں۔

آپ کے وصال کے سال کو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام الحزن قرار دیا تھا۔

آپ کا لقب طاہرہ تھا۔

سرکارِ دو عالم ہمیشہ آپ کو اور آپ کے احسانات کو یاد فرما کر رنجیدہ ہو جاتے تھے۔

آپ آقائے نامدار کی اکلوتی اولاد فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ماں تھیں۔

فاطمہ کے معنی

آپ کے نام فاطمہ کے معنی ہیں ''آزاد کرنے والی''۔ مالک دو جہاں انھیں ہم جیسے گنہگاروں اور نفس کے غاموں کو آزاد کرنے کے لیے خلق فرمایا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: 'میری بیٹی طاہرہ ہے، مطہرہ ہے اور تطہیر ہے۔ اس کا لقب بتول ہے او بتول اس خاتون کو کہتے ہیں جو نجاست سے دوز ہو۔ آپ وہ ہیں جس کی پاکیزگی پر آیہ انما شاہد ہے۔ ہجرت کے تیسرے سال ماہ مبارک رمضان کی پندرہویں تاریخ کو آپ کے گھر حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ خبر سن کر سرکار رسالت مآب تشریف لائے اور امام حسن علیہ السلام کے ایک کان میں اذان اور ایک میں اقامت کہی ار اپنی زبان مبارک شہزادہ حسن کے دہن مبارک میں دے دی۔ اس طرح دہن رسالت کا آب زلال آپ کی پہلی غذا قرار پائی۔ اس کے بعد آپ نے شہزادہ حسن کو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے حوالے کر کے مسجد نبوی کی طرف تشریف لے گئے۔ ادھر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اٹھیں، وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑی ہوگئیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس نے جناب سیدہ کو نماز پڑھتے دیکھا تو حیران ہوگئیں۔ پھر سرکارِ رسالت مآب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا تو حضور نے فرمایا عمیس اللہ تعالیٰ نے میرے اہلبیت علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

'انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

دنیا میں سب سے اجمل اور افضل میری بیٹی فاطمہؑ ہے۔

دنیا میں سب سے بلند میری بیٹی فاطمہؑ ہے

دنیا میں سب سے بالا میری بیٹی فاطمہؑ ہے۔

دنیا میں سب سے اعلیٰ میری بیٹی فاطمہؑ ہے۔

دنیا میں سب سے فضیلت والی میری بیٹی فاطمہؑ ہے

پھر فرمایا مجھے اپنی اہلبیت میں سب سے زیادہ پیاری فاطمہ زہراؑ ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ نبوت، خلافت، نجابت، امامت، امارت، شرافت، ولایت، سیادت، صداقت، عزت، منزلت، عظمت سب کی گواہ حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں اور یہ سب حضرت فاطمہؑ پر گواہ ہیں۔ لیکن بعدِ رسولؐ بے وفا و مفاد پرست مسلمانوں نے آپ سے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا اور امت کی ستائی زہرا شکستہ پہلو لیے ۳ جمادی الثانی کو اپنے بابا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ شہزادی کونین کی مظلومیت و مصائب کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ چودہ صدیوں بعد بھی ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کہاں دفن ہیں۔ بس ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ آسودۂ خاک مدینہ ہیں۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

آسودگان خاک مدینہ میں ایک محترم ترین شخصیت حضرت امام حسن علیہ السلام ہے۔ آپ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دلبند علی علیہ السلام و بتول علیہ السلام، معمور من اللہ امام اور چوتھے معصوم ہیں۔

سوانحی خاکہ

اسم گرامی	:	حسن، شبر
تاریخ پیدائش	:	یکم ذی الحجہ ۲ ہجری
القابات	:	زکی، طیب، سبط رسول، نبض رسول اور سید مشہور لقب ہیں
کنیت	:	ابو محمد

ازواج کی تعداد : ۹

تاریخ شہادت : ۲۸صفر ۵۰ہجری۔

تاریخ اسلام میں پہلی بار عقیقہ کی رسم حضرت امام حسن علیہ السلام سے چلی۔امام حسن علیہ السلام کے عقیقہ کی رسم سرکارِ دوعالم نے ادا کی اوراس طرح اسلام میں اس مبارک رسم یا سنت رسول کا آغاز ہوگیا۔

تاریخ اسلام آپ کے دور میں مرتب ہوئی۔ابھی آپ ایک سال کے تھے کہ ۳ ہجری میں جنگ احد واقع ہوئی۔ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی تو آپ کی عمر مبارک چار سال کی تھی اور مامور من اللہ امام و معصوم ہونے کی وجہ سے آپ کا شعور وادراک بہت زیادہ تھا۔ ۷ہجری میں آپ نے جنگ خیبر کا مشاہدہ کیا۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ کا منظر دیکھا کہ کس طرح اسلام اوررسول کے دشمنوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور یہ منافقین کس طرح چند برسوں میں اسلام کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کی سازش میں مصروف ہوگئے اور بانیان اسلام وزمحافظین ووارثین اسلام کے خلاف دبے پاؤں سازشوں کے کارواں چلے۔تاریخ جبر حکومت آگے خاموش ہے۔ ۹ ہجری میں آپ اپنے نانا، اپنی ماں اوراپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ معرکہ حق وصداقت، معرکہ اسلام وعیسائیت یعنی مباہلہ کے لیے تشریف لے گئے اور فتح یاب ہوئے۔ ۱۰ ہجری میں جب آپ کی عمر آٹھ سال بانی اسلام نے اپنے آخری حج کی واپسی پر ازروئے حکم خداوندی اپنی جانشینی کا اعلان کیا اور غدیرخم کے مقام پر ایک لاکھ چالیس ہزار حجاج کے سامنے آپ کے پدر گرامی حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی اور ولایت کا اعلان کیا ۔آپ نے صحابہ کی ایک بڑی تعداد کو مبارک باد دیتے بھی دیکھا اور پھر اس اعلان سے منحرف ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔

۱۱ ہجری میں آپ کے شفیق، کریم اور عظیم المرتبت نانا کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ

گیا۔ آپ نے دیکھا کہ شمع نبوت کے پروانے آپ کے جنازے کو چھوڑ کر غدیر خم کے اعلان کے باوصف اور خدا کے مقرر کردہ خلیفہ و جانشین کو چھوڑ کر اور اعلامیہ غدیر سے منہ موڑ کر خدا کے بجائے خود خلیفہ کے انتخاب میں مصروف ہو گئے اور رسول کا جنازہ چند اصحاب نے اٹھایا۔ حضرت امام حسن کے لیے نانا کا سایہ سر سے اٹھنا ہی کیا کم غم تھا کہ اپنے پدر گرامی کو حق سے محروم ہوتے ہوئے بھی دیکھا اور دنیا کی نگاہیں بدلتی ہوئی دیکھیں۔

پھر آپ نے دیکھا کہ نانا کے سانحۂ ارتحال کے ۷۵ یا ۹۵ دن کے بعد یہ درد یہ صدمات سے والدۂ ماجدہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ اپنے شوہر کے حقوق کی پامالی، فدک سے محرومی اور مسلمانوں کا آگ اور لکڑیاں لے کر آپ کے دروازے پر آنا، آپ پر ستم کرنا اور اپنے بھائی محسن کی شکم مادر میں شہادت کے غمزدہ مناظر نے آپ کو چونکا دیا لیکن غم کے سوا کوئی مونس اور صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

آپ جبر حکومت کے ہاتھوں لکھی گئی تاریخ کی بے انصافی اور بے ظرف و بے ضمیر مورخین کی قلمی کمینگی کا اس طرح شکار ہوئے کہ جن کی عظمت و صداقت و کردار و عمل کا قرآن بھی گواہ ہو اور حدیث بھی اس کے کردار کو مسخ کیا جائے اور ان پر کثرت ازواج کا الزام لگا کر ان کی کردار کشی کی جائے۔ حیف ہے ان مسلمانوں پر جنھوں نے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنی ہو کہ حسین علیہ السلام و حسین علیہ السلام جوانانِ جنت کے سردار ہیں، جو شامل آیۂ تطہیر ہوں اور نجاست ان سے کوسوں دور ہو۔

ابوداو، میراء، حافظ عبداللہ بخاری راوی ہیں کہ سرکار دو عالم نے امام حسن علیہ السلام کو اپنے کاندھے پر بٹھائے ہوئے فرمارہے تھے کہ جسے مجھ سے محبت کرنا ہے وہ اس سے محبت کرے۔ آپ ایک عظیم اخلاق کے مالک تھے۔ اسی لیے خلق حسن آپ کے نام کے ساتھ چسپاں ہو کر رہ گیا ہے۔ آپ بڑے سخی اور مہمان نواز تھے۔ آپ کا دسترخوان

پورے عرب میں مشہور تھا۔ آپ بہترین عبادت گزار تھے۔

جب آپ وضو فرماتے تھے تو آپ کے چہرے کا رنگ خوف خدا سے بدل جاتا تھا۔ آپ نے کئی بار اپنا مال راہِ خدا میں تقسیم کیا۔ آپ نے پا پیادہ پچیس (۲۵) حج کیے۔ آپ علم میں اپنے دور کے تمام انسانوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ انتہائی رحم دل اور قناعت پسند تھے۔ رسول کے اصحاب نے آپ کے مرتبہ کو جاننے کے باوجود آپ علیہ السلامکو اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں دفن نہ ہونے دیا۔ آپ جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہیں۔

حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام

آسودگانِ خاک مدینہ میں عظیم ترین ہستیوں میں ایک محترم ہستی حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام کی بھی۔ آپ اپنے چچا سرکار حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور اپنے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام کے پہلو میں محوِ خواب ہیں۔

سوانحی خاکہ

اسم گرامی	:	علی
لقب	:	زین العابدین، سید الساجدین، سجاد، ذوالثفنات ہے
کنیت	:	ابو محمد
تاریخِ پیدائش	:	۱۵ جمادی الاولیٰ ۳۸ ہجری
مقامِ پیدائش	:	مدینہ منورہ
آغازِ امامت	:	۱۰ محرم ۶۱ ہجری
والد گرامی	:	حضرت امام حسین علیہ السلام

والدہ ماجدہ : جناب شہر بانو بنت یزدجرد شہنشاہِ ایران

شہادت : ۲۵ محرم ۹۵ ہجری۔

زین العابدین کا لقب آپ کو سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا تھا اور اپنی زندگی میں یہ خبر دے گئے تھے کہ روزِ قیامت جب زین العابدین کو آواز دی جائے گی تو میرا ایک فرزند علی ابن الحسین لبیک کہتا ہوا بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا۔

۱۰ محرم ۶۱ ہجری سے آپ کا دورِ امامت اس وقت شروع ہوا جب آسمان سے خون برس رہا تھا اور فرات کا پانی نیزوں پر اچھل رہا تھا۔ سیاہ آندھیاں چل رہی تھیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہو چکے تھے۔ بطورِ امام آپ سے پہلا مسئلہ آپ کی پھوپھی نے اس وقت دریافت کیا جب اشقیاء نے خیمے میں آگ لگا دی تھی۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے حضرت سید سجاد سے دریافت فرمایا بیٹا تم امام وقت ہو بتاؤ کہ ہم خیمے میں جل کر مر جائیں یا خیمے سے باہر نکل جائیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا خیمے سے باہر نکل جائیں۔ بحیثیتِ امام آپ نے دنیا کو یہ سبق دیا کہ زندگی متاع عزیز اور نعمت خداوندی ہے اس کی حفاظت ضروری ہے خواہ حالات کتنے ہی نا مساعد ہی کیوں نہ ہو۔ پھر ابھی تو آپ کو اور آپ کی عالمہ غیر معلّمہ پھوپھی حضرت زینب علیہ السلام کو کوفہ کے بازار اور شام کے دربار میں مقصد شہادت حسینؑ کی وضاحت و تشریح کرنا تھی۔ اگر حضرت سید سجاد اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا مقصد شہادت امام حسین علیہ السلام کی وضاحت نہ فرماتیں تو یہ خون ناحق تاریخ کی گرد میں چھپ جاتا بلکہ چھپا دیا جاتا۔ آپ علیہ السلام نے ۶۴ ہجری تک یزید کا دور دیکھا۔ ۶۵ ہجری میں معاویہ بن یزید اور مروان بن الحکم کی حکومت قائم ہوئی لیکن حرف حق کہنے پر معاویہ بن یزید کو بڑی عیاری کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ۶۵ ہجری سے ۸۶ ہجری تک عبد الملک بن مروان کی حکومت رہی اور ۸۶ ہجری سے ۹۶ ہجری تک ولید بن عبد الملک تخت حکومت پر

قابض رہا جس نے ۲۵ محرم ۹۵ ہجری کو آپ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا۔

معروف صوفی بزرگ جناب ابراہیم ابن ادہم سے روایت ہے کہ میں نے راہِ مکہ میں ایک کمسن بچے کو مکہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو گھبرا کر پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ کے ساتھ سواری کیوں نہیں ہے اور نہ آپ کے پاس زادِ راہ ہے؟ تو اس بچے نے جواب دیا:

زادی تقویٰ و راحلتی رجلالی و قصدی مولائی

''میرا زادِ راہ میرا تقویٰ ہے اور میری سواری میرے دونوں پیر ہیں
اور میرا مقصود میرا مولا ہے''۔

ابراہیم ابن ادہم اس بچے کا یہ مدلل اور پُر از معرفت بیان سن کر حیران رہ گئے۔ آپ کی عبادت کا کیا کہنا اتنی عبادت کی کہ آپ کا لقب ہی زین العابدین مشہور ہو گیا۔ جب امام محمد باقر علیہ السلام نے آپ کے ضعف اور عبادت کی کثرت سے روکنا چاہا تو فرمایا کہ ذرا وہ صحیفہ تو لے آؤ جس میں میرے جد امیر المومنین علیہ السلام کی عبادتوں کا تذکرہ ہے اور پھر اس صحیفے کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ: ''من یبلغ ذلک'' اس منزلِ عبادت کو کون پا سکتا ہے؟ اور کیوں نہ ہو آپ کے جد کی ایک ضربت عبادتِ ثقلین پر بھاری تھی تو آپ کے جد کے سجدے کی قیمت کیا ہو گی۔

ایک دفعہ آپ نماز میں مصروف تھے کہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی مگر آپ عبادت میں مصروف رہے۔ لوگوں نے کہا کہ مولا علیہ السلام آپ نماز مختصر فرما دیتے۔ آپ نے فرمایا میں جہنم کی آگ کو بجھانے میں مصروف تھا، گھر کی آگ تو محلے والے بھی بجھا سکتے تھے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کریمانہ اخلاق کے مالک تھے، آپ نے ۲۵ حج پا پیادہ گئے، آپ نے بے شمار کنیزیں اور غلام خدا کی راہ میں آزاد کیے۔ آپ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

مکتب اہلبیت کے پانچویں ہادی اور امام حضرت امام محمد باقر علیہ السلام مدینہ منورہ میں اپنے پدر گرامی حضرت سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام اپنے فرزند صادق آل محمد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور اپنے بزرگوار شہزادہ سبز قبا حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہیں۔ بقیع المرقد جہاں آپ کے خاندان کے بہت سے افراد آسودۂ خاک آپ کا اجڑا ہوا مزار بھی وہیں ہیں جبکہ ظاہری حالت کے قطع نظر ہر شیعہ کے دل میں اپنے آئمہ کی آباد و منور قبر ہے۔

سوانحی خاکہ

ولادت	:	یکم رجب ۵۷ ہجری بروز جمعہ
اسم گرامی	:	محمد
کنیت	:	ابو جعفر
القاب	:	باقر، شاکر، ہادی
والد ماجد	:	امام زین العابدین علی بن الحسین علیہ السلام
والدۂ گرامی	:	فاطمہ بنت الحسن
دورِ امامت	:	۱۹ سال
شہادت	:	۷ ذی الحجہ ۱۱۴ ہجری

آپ طرفین سے حصار عصمت میں ہیں آپ کے دادا امام حسین علیہ السلام اور نانا امام حسن علیہ السلام ہیں۔ آپ کو باقر العلوم اس لیے کہتے ہیں کہ آپ نے علم خداوندی کو ظاہر کیا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے بارے میں سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میرا بیٹا محمد علوم ومعارف کو اس طرح شگافتہ کردے گا جس طرح کھیتی کے لیے زمین کو شگافتہ کیا جاتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی عظمت وافضیلت کے حوالے سے صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابی ''جابر بن عبداللہ انصاری'' کے ذریعے سلام کہلوایا تھا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابر بن عبداللہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا' اے جابر! خداوند بزرگ و برتر نے تجھے طویل عمر عطا فرمائی ہے۔ تمھیں میرے فرزند حسین علیہ السلام کی ذریت میں سے ایک فرزند کی زیارت نصیب ہوگی جو میرا ہی نام ہوگا اور جس کا نام توریت میں باقر بیان ہوا ہے۔ پس ایک جابر جب بھی تمھیں زیارت کا شرف حاصل ہو میرا سلام کہنا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد عبداللہ انصاری کو ایک طویل عمر نصیب ہوئی۔ اک دن آپ امام زین العابدین کے گھر گئے تو وہاں آپ کی نظر ایک کمسن بچے پر پڑی۔ آپ نے بچے کو مخاطب کر کے کہا ذرا ادھر تشریف لائیے۔ جب وہ بچہ آپ کے نزدیک پہنچا تو آپ نے کہا ذرا پیچھے تشریف لے جائیے۔ بچہ پیچھے کی طرف چل دیا۔ جابر نے کہا ذرا پھر آگے آیئے جب آپ قریب پہنچے تو جابر نے کہا رب کعبہ کی قسم یہ بچہ ہو بہو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر ہے۔ آپ نے بچے سے اس کا نام دریافت کیا ۔ بچے نے فرمایا محمد اور میرے پدر بزرگوار کا نام علی بن الحسین علیہ السلام زین العابدین ہے۔ یہ سننا تھا کہ جابر نے آگے بڑھ کر امام محمد باقر علیہ السلام کے قدم مبارک کا بوسہ لے لیا اور کہا میں آپ پر فدا ہو جاوں ۔ اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے جد بزرگوار جناب رسول خدا صلی ... وآلہ وسلم نے آپ کو سلام کہلایا ہے۔ یہ سن کر امام محمد باقر علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور آپ علیہ السلام نے فرمایا ''اے جدِ بزرگوار (نانا رسول اللہ) آپ پر لاکھوں درود وسلام ہو جب تک زمین وآسمان قائم ہیں اور تم پر بھی اے جابر میرا

سلام ہو کہ تم نے مجھ تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام پہنچایا۔

قدرت نے آپ علیہ السلام کو اور آپ کے فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو موقع عطا کیا کہ آپ علوم کی ترویج فرما سکیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آپ کا حساب و کتاب اس کی عقل کے مطابق ہوگا۔ دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: عالم کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے تھوڑی ہی دیر کیوں نہ ہو۔ ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ایک بار طاؤس یمانی نے امام کی خدمت میں حاضر ہو کر چند سوالات کیے:

۱۔ وہ کیا چیز ہے جس کا تھوڑا سا استعمال حلال اور زیادہ استعمال حرام ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا! وہ نہر طالوت کا پانی تھا جس کا صرف ایک چلو پانی پینا حلال تھا اور اس سے زیادہ پانی پینا حرام تھا۔

۲۔ وہ کون سا روزہ ہے جس میں کھانا پینا جائز ہے؟

۳۔ وہ کیا شے ہے جو خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے بڑھتی نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا انسانی زندگی ہے جو خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے بڑھتی نہیں ہے۔

۴۔ وہ کیا چیز ہے جو بڑھتی ہے گھٹتی نہیں ہے۔ فرمایا! سمندر کا پانی۔

۵۔ وہ کیا چیز ہے جو صرف ایک بار اڑا؟ آپ نے فرمایا وہ کوہ طور ہے جو حکم خدا سے اڑ کر بنی اسرائیل کے سروں تک پہنچ گیا۔

۷ ذی الحجہ ۱۱۴ ہجری کو ہشام بن عبد الملک نے آپ کو زہر دغا سے شہید کر دیا اور اپنے بزرگوں کی طرح جام شہادت نوش فرما کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

انتقال سے پہلے اپنے فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے غسل و کفن وغیرہ سے متعلق وصیتیں فرمائیں اور خصوصیت کے ساتھ یہ وصیت فرمائی کہ میرے مال میں ۸۰۰ درہم

عزاداری کے لیے مخصوص کر دیئے جائیں اور دس سال تک حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں میرے جد سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کا غم منایا جائے۔ چونکہ اس تاریخ کو عام طور سے حجاج ان علاقوں میں رہتے ہیں اور سارا عالم اسلام حج بیت اللہ کے لیے اکٹھا ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو حکام وقت کے مظالم اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلؑ کی مظلومیت کا پتہ چل سکے اور اعلانِ غدیر کی طرح شہادت امام حسین علیہ السلام پر پردہ نہ ڈال دیا جائے۔

صادق آل محمد علیہ السلام

آسودگان خاکِ پاک مدینہ منورہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت بڑی نمایاں ہے بلکہ تاریخ مدینہ سے اگر آپ کی عظیم شخصیت چند لحظہ کے لیے بھی ہٹا لیا جائے تو تاریخ کا چہرہ ماند پڑ جائے گا کیونکہ دین اسلام کا طلوع سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا تو عروج اور تجدید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مرہون منت ہے ورنہ تاریخ اسلام کے دامن میں ایسے بہت سے واقعات سوالیہ نشان بنے ہوئے ہیں کہ کسی اسلامی حاکم نے فجر کی دو رکعت کے بجائے دس رکعت نماز پڑھادی اور کہا کہ کہو تو اور پڑھا دوں۔ دین میں بدعت حسنہ کے نام پر بہت سی تبدیلیاں واقع ہو چکی تھیں۔ ۶۱ ہجری میں حرا بن ریاحی نے جب لشکر حسینی علیہ السلام کا راستہ روکا اور امام عالی مقام نے اس کے پیاس سے جاں بلب لشکر کو سیراب کر کے اپنے کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ کیا اور حر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی اقتداء میں نماز ادا کی تو نماز کے بعد بے ساختہ کہا کہ آج آپ نے اپنے جد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا والی نماز پڑھائی ہے۔ حر کا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ نماز میں بھی تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسلامی شریعت کی تدوین کی اور اس کی ضرورت محسوس کی کیونکہ تقریباً ایک سو سال میں بہت سے فقہا وجود میں آ چکے تھے

اور اپنے اپنے طور پر فقہ کی تدوین کر کے نئے نئے مسلک ایجاد کر رہے تھے اور خود کو ان مسلک کا امام کہلواتے تھے لہٰذا خلیفہ کی طرح بہت سے امام بھی بن گئے تھے۔ یہ سب مسلک کے امام تھے جبکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام امت کے امام تھے۔ آپ نے شریعت محمدی اور اسلامی فقہ کو مسلک کے بنیاد پر تدوین نہیں کی بلکہ اپنے جد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی شریعت اور فقہ کی از سر نو تدوین کی تاکہ حقیقی فقہ اور تبدیل شدہ فقہ اور شریعت کا فرق لوگ محسوس کر سکیں۔ اب یہ دنیا کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ امت کے امام کو چھوڑ کر مسلک کے امام کو تسلیم کیا گیا جبکہ بہت سے مسلک کے امام یا تو آپ کے براہِ راست شاگرد تھے یا آپ کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔

مدینہ منورہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یونیورسٹی کے آثار چند سال پہلے تک موجود تھے جس کی اس خاکسار نے بھی زیارت کی تھی لیکن افسوس کہ صادق آل محمد علیہ السلام کی اس یونیورسٹی کا نام ونشانی بھی مٹا دیا گیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس یونیورسٹی کے تمام آثار کو باقی رکھنا چاہیے تھا تاکہ اسے عالم اسلام کی پہلی یونیورسٹی کے طور پر دنیا کو دکھایا جاسکتا۔ اس یونیورسٹی میں تقریباً چار ہزار اور بعض روایات کے مطابق چھ ہزار طلاب درس لیتے تھے۔ عرب کی آبادی اور شرح خواندگی کے تناسب سے اگر حساب لگایا جائے تو اس وقت عیسائیت، یہودیت اور ہندومت میں بھی اتنا بڑا تعلیمی ادارہ نہ تھا چرچ اور خانقاہیں عبادت کے لیے تھیں یہاں صرف روحانی تعلیم دی جاتی تھی جبکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی یونیورسٹی میں فزکس، کیمسٹری ہیئت، تفسیر، تاریخ، فقہ، علم الکلام، قرأت و تجوید، علم حدیث، علم الرجال، عرفانیات اور دیگر علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے چند شاگرد

۱۔ آپ کے شاگردوں میں مسلک اہل سنت کے سب سے بڑے فرقے کے بانی

امام ابوحنیفہ آپ کے شاگرد تھے۔

۲۔ جابرابن احیان کیمسٹری کے بہت بڑے ماہر تھے۔

۳۔ ابان بن تغلب علم قرأت میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے اوران کی اپنی قرأت تھی جوقراء کے درمیان مشہور ہے۔

۴۔ اسحٰق بن عمار صیر فی کوفی شیوخ احادیث میں شمار ہوتے تھے۔علماء رجال انھیں فطحی المذہب۔

۵۔ حریز بن عبد سجستانی اپنے دور کے معروف عالم اور فقیہ تھے۔آپ کی کتاب الصلوٰۃ علماء میں خاصی مقبول ہے۔

۶۔ زرادہ بن اعین۔اپنے وقت کے عظیم محدثین میں شمار ہوتا ہے۔

۷۔ لیث بن البختری المعروف بہ ابوبصیر

۸۔ محمد بن مسلم بن ریاح الطحان الثقفی الکوفی۔آپ معروف محدث ہیں۔آپ نے ۳۰ ہزار حدیثیں امام محمد باقر علیہ السلام سے اور ۱۶ ہزار حدیثیں امام دصادق علیہ السلام میں ہوتا ہے۔

۹۔ ہشام بن محمد بن السائب کلبی۔علم الانساب کے ماہر تھے۔

۱۰۔ یونس بن ظبیان کوفی کا شمار معروف محدثین میں ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۳ ہجری اور شہادت ۲۵ شوال ۱۴۸ ہجری ہے۔آپ کا نام جعفر تھا جس کے معنی نہر کے ہیں۔یہ جبت کی ایک نہر کا نام ہے۔آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور القاب صابر، فاضل اور صادق تھے۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب

حضرت عبدالمطلبؓ کے بیٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا۔ نام حمزہ تھا اور کنیت ابو عمارہ۔ عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف دو سال بڑے تھے۔ آپ کی والدہ ہالہ بنت وہب تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؑ کی چچازاد بہن تھیں۔ حضرت حمزہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔

آپ کی طبیعت مہجو اور خطر آزما بھی۔ آپ کے والد حضرت عبدالمطلبؓ کا انتقال ہوا تو آپ کی عمر صرف دس سال تھی۔ اس لئے آپ کی تعلیم و تربیت ننھیال میں ہوئی۔ عرب میں اس وقت شاعری اور انساب کا علم ہی تعلیم کے زمرے میں آتا تھا۔ جنگی مہارت، گھڑ سواری اور شکار وغیرہ معزز فنون میں شامل تھے۔ شائد اسی لیے حضرت حمزہؓ کو شعر و شاعری سے لگاؤ تھا۔ آپ بہت دلیر اور جنگجو تھے۔ اکثر جنگوں میں جا کر گھڑ سواری، نیزہ بازی، شمشیر زنی اور تیر اندازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شکار سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک عورت ملی جس نے بتایا کہ ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی ہیں۔ آپ یہ سن کر جوش میں آ گئے اور سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے اور کہنے لگے "کیا تو سمجھتا ہے کہ محمد بن عبداللہ بے سہارا ہے؟ کیا تو نے سمجھ لیا ہے کہ بنو ہاشم سارے کے سارے مر گئے ہیں؟"

ابوجہل کے ساتھی یہ سنتے ہی جوش میں آ گئے لیکن انھیں ابوجہل نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ "اسے کچھ نہ کہو کیونکہ میں نے بھی آج اس کے بھتیجے کو گالیں دی تھیں"۔

حضرت حمزہؓ اس کے بعد سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے تمام واقعہ سن کر کہا کہ "چچا

جان میں اس وقت زیادہ جوش میں ہوں گا جب آپ اس دین میں داخل ہو جائیں گے جس کو لے کر میں آیا ہوں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ حضرت حمزہؓ مسلمان ہو گئے۔ ہجرت کے وقت آپ بھی مکہ سے مدینہ آ گئے تھے۔ حضور نے مدینہ میں حضرت حمزہؓ اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ میں بھائی چارہ کرا دیا۔ ہجرت کے فوراً بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کی ایک جماعت کو کفار کے مقابلے کے لے بھیجا۔ میدان جنگ میں کفار اور مسلمان باقاعدہ صف بندی کر چکے تھے کہ اسی دوران میں قبیلہ بنو جہیفہ کے سردار ابن عمرو نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اس مہم میں اسلامی تاریخ میں پہلی بار جسے علم دیا گیا وہ آپ ہی تھے۔

۲ ہجری میں غزوۂ بدر کے آغاز میں جب قریش کا سردار عتبہ اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید میدان میں نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مقابلے کے لیے چند انصاری صحابہؓ کو بھیجا لیکن عتبہ کہنے لگا کہ ہم صرف قریش لوگوں ہی سے مقابلہ کرے گے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہؓ، ابو عبیدہؓ اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو مقابلہ پر بھیجا۔ حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی وار میں عفیہ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ آپ غزوۂ بدر میں بے جگری سے لڑے۔ ۳ ہجری میں غزوۂ احد میں بھی آپ نے کفار کے کتنے ہی لوگوں کو تہہ و تیغ کر دیا۔ آپ کی شمشیر بے نیام دشمنوں کا صفایا کر رہی تھی کہ ایک نیزہ آپ کے آ کر لگا اور جگر کے پار ہو گیا۔ جس نیزے سے آپؓ شہید ہوئے وہ ایک حبشی غلام نے آپ پر پھینکا تھا جسے قریش کے سرداروں نے آزادی کا لالچ دے کر کئی جگہ تاک میں بھی رکھا تھا۔ جب آپ شہید ہو گئے تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آپؓ کے جگر کے ٹکڑے کیے اور انھیں چبا کر تھوک دیا۔ بعد میں ناک کان کاٹ کر ان کا ہار بنایا اور گلے میں

ڈال دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے محبوب چچا کی لاش دیکھی تو آنکھیں بھر آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'''' تم پر خدا کی رحمت ہو تم رشتہ داروں کے حقوق کا بہت خیال رکھتے تھے اور تمام نیک کاموں میں سب سے آگے رہتے تھے۔ اگر مجھے صفیہ کے رنج وغم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمھیں اس طرح چھوڑ دیتا کہ درندے اور پرندے تمھیں کھا جائیں اور قیامت کے دن تم ان کے پیٹ سے اٹھائے جاؤ خدا کی قسم مجھ پر تمھارا انتقام واجب ہے میں تمھارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا''۔ بعد میں وحی کے ذریعے اللہ نے آپ کو اس بدلے سے ممانعت کر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارہ ادا کر کے قسم توڑ دی۔

حبشی غلام نے آپؑ کو شہید کرنے کے بعد آزادی تو حاصل کر لی تھی لیکن بعد میں اسے ندامت ہوئی اور اس نے کچھ عرصہ بعد اسلام قبول کر لیا۔ جب وہ حضور کے پاس آ کر اسلام قبول کر چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے سامنے آنے سے منع فرما دیا تھا۔

حضرت فاطمہ بنت اسدؓ

ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے باپ ابو طالب علیہ السلام آنحضرتؐ کے باپ نہیں چچا تھے۔ مگر ایسے چچا جو لاکھوں میں نہیں نظر آتے اور ہزاروں میں نہیں ملتے۔ ایسا چچا نہ ہوا نہ ہے اور نہ ہوگا۔ چچا نہیں باپ تھے۔ باپ بھی ہوتے تو ان جیسے ہوتے ان سے بڑھ کر نہ ہوتے۔ آنحضرتؐ کی محبت ان کا مذہب اور آنحضرتؐ کی خدمت ان کا مشرف تھا۔ ہر وقت یہی کام اور ہر لحظہ یہی مشغلہ۔ الفت محمدؐ میں سرشار آپ کی یاد میں بے قرار یعنی آپؐ کے پرستار تھے۔ ان کا سینہ عشق محمدؐ سے موجزن ان کا دل تصور محمدؐ سے معمور اور ان کی آنکھیں محمدؐ کا البم تھیں۔ ابو طالب علیہ السلام کے دین و ایمان محمدؐ تھے،

ابوطالب علیہ السلام کے روح رواں محمدؐ تھے، ابوطالب علیہ السلام کا مقصود و حیات محمد تھے اور ابوطالب کا سارا سرمایہ محمدؐ تھے۔ ابوطالب کے پاس دہن تھی نہ دولت جاگیر تھی نہ منصب۔ دولت تھی تو محمد تھے، جاگیر تھی تو محمدؐ تھے۔ ابوطالب علیہ السلام کے تن من میں عشق محمدیؐ لہریں مار رہا تھا۔ بلکہ ابوطالب علیہ السلام کی روح عشق محمدی میں ایسی ہوئی تھی۔ آنخضرتؐ کے بغیر قرار تھا نہ سکون، چین تھا نہ آرام بلکہ آنخضرتؐ کے بغیر زندگی دوبھر اور وبال تھی۔ دن کو سو بار آپ کو دریافت کرتے او شب میں سو مرتبہ آپ کو دیکھا کرتے تو کہیں دل بیقرار کو سکون ہوتا۔

یہ بار امانت ابوطالب علیہ السلام ہی کے شایانِ شان تھا اور یہ کفالت ابوطالب ہی کے قابل تھی محبوبِ خداؐ کا عشق ابوطالب ہی کا حوصلہ تھا۔ افضل انبیاءؐ کی محبت ابوطالب ہی کا حصہ تھی۔ یہ دل وگروہ ابوطالب ہی کا تھا کہ اس بار عظیم کو اٹھایا اور یہ ہمت ابوطالب ہی کی تھی کہ خدا کی اس امانت کا اپنے کو اہل ثابت کیا۔ سوال یہ ہے کہ ابوطالب علیہ السلام کو محبت کرنا سکھایا کس نے؟ میں بھی کہوں گا کہ خود آنخضرتؐ نے، آنخضرتؐ کی بھولی بھالی اور پیاری صورت نے، آنخضرت کی پاک صاف اور عالی فطرت نے، آنخضرتؐ کی فطری جاذبیت نے اور آنخضرتؐ کی بے کسی اور یتیمی نے ابوطالب کو موہ لیا۔ ابوطالب علیہ السلام آپ کے دیوانہ ہوگئے۔ انھیں نہ گھر کی خبر تھی اور نہ باہر کی، نہ تن کا ہوش تھا نہ من کا، نہ اپنی پرواہ تھی نہ اہل وعیال کی، نہ قریش کی فکر تھی نہ بنی ہاشم کی۔ خبر تھی تو محمدؐ کی، پرواہ تھی تو محمدؐ کی تھی، ہوش تھا تو محمدؐ کا اور فکر تھی تو محمدؐ کی۔ آٹھ پہر محمدؐ کو دیکھتے دیکھتے گزرتے اور محمد کو دیکھتے دیکھتے رات کو تارے گنا کرتے۔ دن ذکر محمد میں بسر ہوتے اور رات فکر محمد میں کٹتی۔ فرماتے بھی تو ہیں:

لعمری لقد کلفت وجدًا یا محمد راحیتهُ حبُّ الحب الواصل

''میری جان کی قسم مجھے محمدؐ سے اندھی محبت ہے اور میں محمدؐ کی محبت میں دیوانہ ہو چکا ہوں''۔
خوشا بخت وز ہے قسمت اسی عشق و محبت میں بال سفید کر لیے اور اسی خدمت میں عمر کے اسی برس پورے کر دیئے۔ آنحضرت کی سنبھال میں جوانی گزری اور آنحضرت کی حمایت و نصرت میں بوڑھے ہوگئے۔ جس کام کے لیے آئے تھے اس کو پورا کیا، جس خدمت کے لیے پیدا ہوئے اس کا حق ادا کر دیا۔ پیدا ہوئے محمدؐ کے لیے اور محمدؐ کے ہی ہو رہے۔ خدمت کرتے تمام عمر کٹی اور مرتے دم بھی خدمت کی حسرت باقی رہی۔ آخری سانسیں چل رہی ہیں مگر فکر محمدؐ ہے، وصیت کر رہے ہیں مگر وصیت ہے محمدؐ کی، دم توڑ رہے ہیں مگر محمدؐ کا نام لب پر ہے، آنکھیں پتھرائی جا رہی ہیں مگر ڈھونڈتی ہیں محمدؐ کو۔ یہ تھے حضرت ابوطالب علیہ السلام آنحضرتؐ کے چچا۔

رہی حضرت علی علیہ السلام کی ماں فاطمہ بنت اسد۔ یہ تھیں حضرت المطلب علیہ السلام کے بھائی اسد کی بیٹی۔ ہاشم کی پوتی رشتہ میں آنحضرت کی پھوپھی۔ ناتے میں چچی اور بارشاد مبارک ماں کے بعد ماں۔ حضورؐ نے ماں کی گود کا آرام اور سکھ دیکھا نہ تھا تو قدرت نے یہ ماں دی۔ ابوطالب آپ کی دیکھ بھال کے لیے بہت تھے۔ پھر بھی اس یتیم کو ماں کی محبت بھی چاہیے تھی۔ فاطمہ بنت اسد ماں کے عوض ماں بن گئیں۔ آنحضرتؐ نے اس بی بی میں وہی تن دہی دیکھی جو ماں میں ہو سکتی ہے، وہی دلسوزی پائی جو ماں کے شایان شان تھی اور وہی دلدہی محسوس کی جو صرف ماں ہی سے ممکن تھی۔ اس بی بی کو آنحضرتؐ سے اتنی الفت تھی کہ اپنی اولاد کو آپ کے کھائے پیئے بغیر نہ طالب علیہ السلام کو دیا نہ عقیل کو آپ کے پہنے بغیر نہ طالب کو نیا پہنایا نہ عقیل کو، آپ کو سلائے بغیر نہ اُس کو سلایا نہ اس کو آپ کی پاسبانی کرتے آنکھوں کو شمع بنا لیا اور ایک نہیں دو نہیں سترہ برس جاگ جاگ کر اپنی راتیں کاٹیں یہی یتیم پرور ماں تھیں جس کی الم یجدک یتیماً فاوی کے خدائی لفظوں میں

آج بھی اُمت کو یاد آ رہی۔ یہی وہ دلسوزیاں تھیں جن کی بنا پر انّ بغض ابی طالب کُفر'' کا فتویٰ دشمنان ابوطالب کے حق میں صادر ہو چکا ہے اور یہی وہ جان نثاریاں تھیں جن کی وجہ سے حضرت ابوطالب و فاطمہ بنت اسد کے نام سیرت نبویؐ میں ابھرے ہوئے حرفوں میں نظر آ رہے ہیں۔

ان بزرگ ہستیوں کے لیے اخرت کے نعیم تو رہے علیحدہ مگر دنیا میں بھی ان کو یہ صلہ ملا کہ ان کا چمن سدا ہرا بھرا رہا۔ علی علیہ السلام و اولادِ علی علیہ السلام سے تا ابد سرسبز و شاداب رہا۔ اوران کے فرزندوں کے مراتب بھی سدا ہوئے۔ فاطمہؑ کے ایک لخت جگر جعفر طیار کہلائے اور دوسرا نور نظر امام المشارق والمغارب ہوئے۔ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کو خدا نے اپنا گھر دیا۔ اور خانہ خدا آپ کا زچہ خانہ ہوا۔ چنانچہ عام الفیل کے ۳۰ برس بعد ۱۳ رجب کو جمعہ کے دن صبح سویرے فاطمہؓ بنت اسد طواف کر رہی تھیں کہ شدت سے درد زدہ ہونے لگا۔ عورت ذات تھیں پریشان ہوگئیں کہ کہاں سر چھپائیں۔ دیکھتی کیا ہیں کہ دیوار کعبہ شق ہوگئی ہے۔ آپ اس کے اندر چلی گئیں۔ زچگی بھی ہوئی اور چاند جیسا فرزند بھی تولد ہوا۔ مگر آنکھیں بند اور آواز پکار کچھ نہیں۔ حیران ہو کر بچہ کو لیے باہر نکلیں۔ آنحضرتؐ نے بڑھ کر بچہ کو لے لیا۔ سینہ سے لگایا، پیار پر پیار کیا اور اپنی زبان منہ میں ڈال دی۔ بچہ دودھ کی طرح پینے لگا اور بوئے محمدیؐ سے مشام معطر ہوا تو آنکھیں کھولیں اور سب سے پہلے جمال محمدیؐ دیکھا۔ آنحضرتؐ نے اس بچہ کا نام علی علیہ السلام رکھا ہے تو بس اتنا سا واقعہ مگر بڑا ہی عجیب انوکھا اور معنی خیز آخر مظہر العجائب کے ولادت کا واقعہ ہے کہ مانے یا نہ مانے ہمارے بیسیوں محدثین ثقات نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ چنانچہ امام عبداللہ الحاکم مستدرک میں اور حافظ حدیث ذہبی تلیص میں بعد صحت حدیث لکھتے ہیں:

وقد تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امیر المومنین

علی ابن ابی طالب فی جوف الکعبه

علامہ ابن صباغ المالکی فصول مہمہ میں رقم طراز ہیں:

ولو بولد قبله احد فی بیت الحرم

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الحقاء میں رقم طراز ہیں:

قد تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امیر المومنین علیاً فی جوف الکعبة فانه ولد فی یوم الجمعته والثالث عشر من شهو رجب بعد عام الفیل بثلاثین سنةٍ ولم یولد فیها احدٌ سواه قبله ولا بعده

اور کتنی شہادتیں چاہتے ہیں۔ ماننے والے کے لیے یہی کافی ہیں۔

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

اسکا خلاصہ بس اتنا ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کا جوف کعبہ میں تولد ہونا بالتواتر مروی وثابت ہے اور آپ کے سوائے کوئی اور شخص کعبہ میں پیدا نہ ہوا نہ آپ کے پہلے نہ آپ کے بعد۔

چار دن کے بعد بچہ کا ماں کی گود سے آنحضرتؐ کے پاس ہمک کر آنا آغوشِ محمدؐ میں آنکھیں کھولنا پیہم آپ کو دیکھتے رہنا اور آپ کی زبان چومتے رہنا فطرتاً آپ سے مانوس رہنے اور آئندہ چل کر آپ ہی کے ہو رہنے کی علامت تھی اور مرور ایام نے دکھا بھی دیا کہ علی علیہ السلام کا قیام وطعام نماز وروزہ رہنا سہنا سب آنحضرتؐ سے وابستہ ہو چکا اور حضرت علی علیہ السلام کا تمام لگاؤ کمالاً رسالتمآب کے ہو گئے۔ ماں باپ اس پر بھی اپنے لخت جگر کو تاکید کرتے رہے۔ الزِم ابن عمک اسی حال میں پورے بارہ برس نکل جاتے ہیں۔ خاتم الانبیاء کی نبوت ورسالت کا اعلان ہوتا ہے۔ ام المومنین علیہ السلام حضرت خدیجہؓ کے بعد نبیؐ کے بھائی علی علیہ السلام تصدیق میں سابق رہتے ہیں اور بارگاہِ نبوت سے انت

انت صدیق الاکبر کے خطابات سے مخاطب اورانت اول المومنین ایمانا کے شرف سے مشرف اوراول من صلی صعی علی کے امتیاز سے ممتاز ہوتے ہیں تو ماں باپ کے مسرت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی ہے۔ چار سال بعد آیت و انذر عشیرتک الاقربین کا نزول ہوتا ہے۔ قوم آنحضرت سے کنارہ کش ہو جاتی ہے۔ قریش دامن کترا کر چلتے ہیں اور اپنے بیگانے بن جاتے ہیں تو ان میں صرف علی علیہ السلام ابن ابی طالب تا دم زیست وابستہ دامن اقدس رہنے کا علی الاعلان اقرار کرتے ہیں اور اس خلوص اور جانبازی پر ھذا اخی و وصی و وزیری و خلیفتی فیکم فاسموا له و اطیعوا چہارگانہ مناصب سے بیک وقت سرفراز ہوتے ہیں۔

ابتدائے تبلیغ کی کٹھن منزلیں طے ہو رہی ہیں اوائل رسالت کی سختیاں جھیلی جارہی ہیں بائیکاٹ کیا جاتا ہے، یگانے بیگانے ہو جاتے ہیں مگر علی علیہ السلام نبیؐ کا دامن نہیں چھوڑتے شعب ابی طالب کا محاصرہ ہوتا ہے۔ علی علیہ السلام بھی نبیؐ کے ساتھ فاقے کر رہے ہیں۔ ابوطالب علیہ السلام دنیا سے گزر جاتے ہیں مگر علی علیہ السلام ہیں اور نبیؐ حضرت خدیجہؓ دنیا سے سدھارتی ہیں اور آنحضرتؐ تنہا ہیں۔ مگر علی علیہ السلام آپ کے رفیق ہیں۔ ہجرت کا حکم ہوتا ہے علی علیہ السلام نبیؐ کے لباس میں نبیؐ کے بستر پر شبیہ نبیؐ بنکر تیروں اور سنگباریوں میں رات گزارتے ہیں اور ادھر حضرت ابوبکر جوکھم میں ڈال کر آنحضرتؐ کے ہمراہ دشمنوں کو نرغہ سے بچتے بچاتے غار ثور پر پہنچتے ہیں۔ علی علیہ السلام کو و من الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضاة الله کا تمغہ ملتا ہے۔

نبیؐ کے ساتھ مکہ میں پہنچ چکے ہیں دیس سے نکالے جا کر پردیس میں آ بسے ہیں، اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدا اور رسولؐ کے لیے ہجرت کر چکے ہیں، نئے دیس میں نئی زندگی بسر کرنے کو سوں چلتے آئے ہیں مگر ذرا تیوریوں پر بل نہیں۔ فاقے کر رہے ہیں مگر مست

ہیں، سختیاں جھیل رہے ہیں مگر ہشاش بشاش ہیں، ڈال ڈال پات پات سر چھپا رہے ہیں مگر شاکر ہیں۔ اس پر بھی مکہ نے انھیں نہ چھوڑا چین سے بیٹھنے نہ دیا اور ان پر چڑھائی کر دی۔ ستانے بھی نہ پائے تھے کہ بدر کی لڑائیہونے لگی میدان لاشوں سے پٹا پڑا ہے، عرب کی ریت انسانی خون سے سرخ ہوچکی ہے۔ ھل من مبارز کی فلک دوز صدائیں بلند ہیں مگر فاطمہؓ بنت اسد اپنے اٹھارہ سالہ نوجوان کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ بیٹے کی پہلی لڑائی دیکھنے آئی ہیں انا الذی سمیت أمی حیدرہ کی آواز سن کر لپک پڑتی ہیں۔ علی علیہ السلام کی بہادری اور تیغ زنی دیکھتی ہیں۔ ایک ایک وار میں ایک ایک سورہ مکہ کا دو نیم ہو رہا ہے۔ ولید و حنظلہ کی لاشیں پھڑک رہی ہیں۔ عتبہ و شیبہ کے کفر بھرے سر ٹھوکریں کھا رہے ہیں، عامر و عاص کے مردہ جسم علی علیہ السلام کے قدموں کو چوم رہے ہیں۔ پھر بھی پکار کر کہتی ہیں کہ علیک باب الصفیان بافتی غرض یہ کہ فتح و نصرت نبیؐ کے قدم چومتی ہے۔ مسلمان فاتح و منصور رہتے ہیں اور کافر رو بفرار ہوتے ہیں۔ اور قافلہ نبویؐ مال غنیمت لیے ہوئے مدینہ واپس آتا ہے۔

مدینہ واپس آکر فاطمہ بنت اسد کو یہ فکر دامن گیر رہی کہ حضرت علی علیہ السلام کا گھر دار ہو نظر انتخاب سیدۃ النسا العالمین فاطمہ زہراؑ پر تھی مگر آنحضرت کا ادب مانع درخواست ہے۔ خدا سے لو لگاتی ہیں کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا علیؑ ابن ابی طالب کی دلہن بنیں۔ دعا قبول ہوتی ہے۔ وحی خداوندی سے حضرت علی علیہ السلام و حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا عقد ہوا ہے۔ بڑے ارمانوں سے ساس اپنی بہو کو گھر لاتی ہیں۔ گھر ذاتی نہ تھا۔ حارثؓ بن نعمان کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ آنحضرت کے جب مکان بنے تو بی بی عائشہؓ کے مکان کے متصل حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے بھی مکان بنوا دیا۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اسی میں رہیں، بسیں اسی میں جنی پالیں، اسی میں بال بچوں والی ہوئیں، اسی میں فراق پدر میں بیمار پڑی اور اسی میں جنت سدھاریں اور اسی میں مدفون

ہوئیں۔ یہ مکان عرصہ تک بنی فاطمہ کے قبضہ میں رہا مگر ۹۶ء میں ولید بن عبدالمالک نے حضرت حسن علیہ السلام مثنیٰ اور ان کی زوجہ فاطمہ صغراؑ بنت امام حسین علیہ السلام کو عین نماز جمعہ کے دوران میں اس گھر سے دن دہاڑے نکلوا دیا۔ اور بیت فاطمہؑ کو توڑ کر شریک مسجد نبوی کر لیا گیا۔

۴ ہجری میں جنگ احد چھڑی۔ ماں نے پھر اپنے بیٹے کی حب داریاں دیکھیں اور آنحضرتؐ کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام نے جو جاں نثاریاں کیں انھیں بچشم خود دیکھا **علی منی و انا منه** کی بشارت سنی اور **لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار** کی صدائیں آسمانی سماعت کی۔ کبھی خدا کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کرتی تھیں اور کبھی آنحضرتؐ کی ممنون ہوتی تھیں۔ یہ بھاگوان بی بی اب پوری عمر کی ہو چکیں، پیری وصف کے آثار نمایاں ہو چکے اب اگر جیتی ہیں تو آنحضرتؐ کو دیکھ کر، علی علیہ السلام و جعفر کو دیکھ کر اور فاطمہ سلام اللہ علیہا زہار کو دیکھ کر مگر ان کی خوش بختی میں خدا نے ایک اور اضافہ فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام اور بی بی فاطمہ علیہ السلام کے نور نظر حسن علیہ السلام مجتبیٰ کو بھی دکھا دیا۔ اور پھر شعبان ۴ ہجری میں دوسرے پوتے امام حسین علیہ السلام کو بھی اپنی آغوش میں لوریاں دے کر سلانا نصیب ہوا۔ مگر رمضان ۴ ہجری کی وسط میں داعی اجل کو لبیک کہتی ہوئیں یہ بزرگ خاندان بی بی جنت سدھاریں۔

انس راوی ہیں فاطمہ بنت اسد کی وفات کی خبر آئی۔ آنحضرتؐ بے اختیار اٹھ گئے فرمایا چلو میری ماں کے پاس چلو۔ بیٹی کے گھر آئے۔ مولیٰ کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا اے میری جماں کے بعد کی ماں خدا تجھ پر اپنی رحمت کرے۔ میں نے صرف تیری محبت دیکھی پھر مرحومہ کی اور بھی ساری خوبیاں فرمائیں۔ اپنی چادر اتار کر کفن کے لیے دی۔ حضرت عمر و اسامہ بن زید و ابوایوبؓ انصاری کو قبر کی تیاری کا حکم دیا اور خود بھی اس میں

شریک رہے۔ اپنے دستِ اقدس سے مٹی نکالی، ہاتھ سے قبر بنائی خود بھی قبر میں لیٹ رہے اور دعا فرمائی:

اللہ الذی یحی و یمیت وھو حی" لا یموت اغفر لامی فاطمة بنت الا سد ووسع علیھا مدخلھا بحق نبیک والا نبیاء قبلے فانک ارحم الراحمین

حضرت جابرؓ راوی ہیں۔ آنحضرتؐ صحابہ سے گفتگو فرماتے مسجد میں رونق افروز تھے کہ اطلاع ملی امّ جعفر علیہ السلام وعلی علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ فرمایا اٹھو اور میری ماں کے پاس چلو۔ آپ کے رنج وملال کا یہ عالم تھا کہ راستہ بھر صحابہ کچھ بول نہ سکے۔ **کان علیٰ روسھم الطیر** بیٹی کے گھر آئے فاطمہ بنت اسد کی لاش دیکھی اور فرمایا اے میری ماں کے بعد کی ماں خدا تجھ پر اپنی رحمت کرے پھر اپنی چادر کفن کے لیے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا میری ماں کو اس میں کفن دو۔ جنازہ اٹھا تو بقیع تک کاندھا دیتے چلے تو تکبیروں سے نماز پڑھائی قبر میں اترے اور تھوڑی دیر لیٹ رہے۔ پھر کھڑے ہو کر فرمایا **بسم اللہ و علیٰ ھم اللہ** حضرت عباسؓ قبر میں اترا، باہر سے حضرت علی علیہ السلام و جعفر علیہ السلام و عبداللہ بن جابر انصاری نے میت قبر میں اتاری۔ آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے میت کو قبر میں سلایا جب باہر نکلے تو بے اختیار رو رہے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ دفن کے بعد صحابہ نے عرض کی کہ چنداں دیکھی باتیں آج ہم نے دیکھیں۔ فرمایا یہ میری ماں تھیں میں نے اپنی چادر میں کفنایا تا کہ حلۂ بہشتی انھیں ملے اپنے ہاتھ سے قبر بنائی تا کہ قصر جنت کی یہ مستحق ہوں اور قبر میں اس لیے لیٹ رہا تا کہ قبر کی کوئی تکلیف ان کو نہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام راوی ہیں میری والدہ کی وفات پر آنحضرتؐ پھوٹ پھوٹ

کر رونے لگے۔ میرے گھر آئے کفن کے لیے اپنی چادر دی۔ بقیع میں ان کی قبر خود بنائی۔ راستہ بھر جنازہ کو کاندھا دیا، تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے دفن کیا۔

حضرت سعید بن میبّبؓ اپنے والد میبّبؓ سے راوی ہیں کہ فاطمہ بنت اسد کی وفات پر آنحضرتؐ کو بڑا رنج ہوا۔ اپنی چادر میں انھیں کفن دیا۔ نو تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ اپنے ہاتھوں سے قبر کی توسیع کی، قبر کی مٹی نکالی۔ قبر بنائی اور قبر میں لیٹے رہے جب باہر نکلے تو رو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی سرکار کو آج بڑا صدمہ ہوا۔ فرمایا اے عمر یہ میری ماں تھی۔ ابو طالب کے بعد انھیں کی محبت میں نے دیکھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے خدا کا پیغام دیا ہے کہ فاطمہ بنت اسد جنتی ہے۔ اور اس کی قبر پر رحمت کے ستر ہزار فرشتے درود پڑھتے رہیں گے۔

حضرت فاطمہ بنت اسد کی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آنحضرتؐ کی پرورش کا انھیں سترہ و برس شرف رہا۔ جعفر علیہ السلام اور علی علیہ السلام جیسے سپوت جنے۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جیسی مقدس بہو ملیں۔ حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام جیسے پوتے کھلائے، کفن کو نبیؐ کی چادر پائی۔ نبیؐ کے ہاتھوں مٹی رحمت کے ستر ہزار فرشتے قبر پر متعین ہو رہے۔ یازدہ امم کی وادی ہوئیں۔ اولادِ علی علیہ السلام کی جدہ اعلیٰ بنیں اور آج بھی سید حسین علیہ السلام چھاتی سے لگائے حسن علیہ السلام و علی علیہ السلام و محمد علیہ السلام و جعفر علیہ السلام کو اپنی آغوش میں لیے میٹھی نیند سو رہی ہیں۔

حضرت ام البنّین سلام اللہ علیہا

والدۂ گرامی سقائے سکینہ علمدار کربلا حضرت عباس ابن ابی طالب علیہ السلام کی والدۂ ماجدہ حضرت ام البنین سلام اللہ علیہا کی قبر مبارک جنت البقیع کے مرکزی دروازے

کے بائیں طرف ہے۔

حضرت ام البنین فاطمہ دختر خرام کلابیہ کی ولادت ہجرت کے بعد ۵ ہجری میں واقع ہوئی۔ ان کی وفات ۱۳ جمادی الثانی روز جمعہ ۶۴ ہجری حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے تین سال بعد ہوئی اور جنت البقیع میں حضرت فاطمہ بنت اسد، امامین کریمین اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبور کے نزدیک ہے۔ آپ کے بطن مبارک سے چار بچے پیدا ہوئے (۱) حضرت عباسؑ علمدار (۲) عبداللہ ابن علی (۳) عمر ابن علی (۴) جعفر بن علی۔

ام البنین کے والد خرام ابن خالد ابن ربیعہ ابن کعب ابن عامر الوحید ابن کلاب ہیں۔ عربوں کے درمیان خاندان کلاب بہت مشہور و معروف تھا۔ اس زمانے میں قبائل عرب کے درمیان دو قبیلوں کا نام کلاب تھا اور یہ دونوں قبیلے عرب میں بہت مشہور تھا۔ (۱) کلاب ابن روا ابن کعب (۲) کلاب ام البنین کے دادا (جد)۔

ام البنین کی والدہ ثمامہ دختر سہیل بن عار ابن مالک ابن جعفر ابن کلاب تھیں۔ اس زمانے میں بنو کلاب بادشاہوں کی طرح جاہ وجلال کے مالک تھے اور قبائل عرب کے سردار تھے۔

آپ ننھیالی بزرگوں میں عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب ''ملاعب الانسہ'' کے لقب سے مشہور تھے اور ان کی شجاعت کی وہ دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ ان کو ''نیزوں سے کھیلنے والا'' کہا جاتا تھا۔ آپ کی نانی کے بھائی ابو برہ عامر بن طفیل بن مالک ''اشجع عرب'' تھے۔ ان کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ ''قیصر روم'' کے پاس جب بھی کوئی عرب آتا تو سب سے پہلا سوال یہ کرتا کہ تمھارا عامر سے کیا رشتہ ہے۔ اگر کوئی رشتہ نکل آتا تو بے حد احترام کرتا تھا ورنہ قابل توجہ بھی نہیں سمجھتا تھا۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شہادت کے بعد مولا

علیؑ کے پیش نظر پورا واقعہ کربلا تھا۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کی فرمائش پر کہ میرے لیے کس بہادر خاندان کا انتخاب کیا جائے۔ مولا علیؑ چاہتے تھے کہ ان کی شادی ایک ایسے بہادر خاندان میں ہو جوان کے بیٹے فرزند رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کی کربلا میں نصرت کے فرائض انجام دے سکے۔ آپ کے برادر بزرگ حضرت عقیل ابن ابو طالب ابن عبدالمطلب نے حضرت علی علیہ السلام کے قبیلہ بنو کلاب کا انتخاب کیا جو اپنی شجاعت و بہادری اور شمشیر زنی میں پورے عرب میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ جناب عقیل عرب بھر میں ماہر انساب مشہور تھے لہٰذا بنو کلاب اور بنو ہاشم کے درمیان یہ رشتہ طے پایا اور فاطمہ بنت خزام مولائے کائنات کی شریک حیات بن کر آپ کے بیت الشرف تشریف لائیں۔ فرزند رسول اور فاطمہ زہراؑ کی اولادوں کی کنیز بن کر خدمت کی اور ہماری مخدومہ قرار پائیں۔ چونکہ آپ کے چار بیٹے تھے پھر فرزندان رسول بھی آپ کو ماں کہتے تھے لہٰذا آپ کا لقب ام البنین قرار پایا۔ آج بھی سعودی حکومت کی مذموم بندشوں کے باوجود آپ کی قبر مرجع خلائق بنی رہی ہے۔

عباس بن عبدالمطلب

جناب عباس بن عبدالمطلب کی کنیت ابوالفضل تھی۔ آپ سرکارِ دو عالم کے چچا تھے اور آپ کے والد بزرگوار جناب عبداللہ کے سوتیلے بھائی تھے۔ ان کی والدہ قبیلہ نمر کی نتیلہ بنت جناب تھیں۔ خاندان عباسیہ جو اُن کے بیٹے عبداللہ کی اولاد میں سے ہے۔ انہی سے منسوب ہے۔ عہد عباسیہ کے مورخین ان کی بے حد تکریم و تعظیم کرتے ہیں اور اسی بنا پر ان کی حالت زندگی کے بارے میں شدت عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ وہ تجارت کرتے تھے حجاج کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے۔ مہمانداری آپ کے ذمہ اور سقائی آپ کے

بھائی حضرت ابو طالب کے حصے میں تھی جو زم زم کے کنویں کو کشمس سے بھر دیتے تھے اور حجاج کو ایام حج میں کشمش کا شربت وافر پینے کو ملتا تھا۔ اگر چہ طائف میں ان کا اک باغ بھی تھا پھر وہ دولت و ثروت کے اعتبار سے قبائل عبدالشمس اور مخزوم کے ہمسر نہ تھے۔ حضرت عباس بڑے قد آور، بارعب، عقل منداور حسین و جمیل آدمیتھے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔ آپ سے تین برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔

بنو ہاشم کے بے کسوں محتاجوں اور غریبوں کے لیے روٹی کپڑا اور دیگر ضروریات کی فراہمی اپنے ذمہ لے رکھتی تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمیشہ حمایت کی۔ ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے عقبہ کے اجتماع میں حضور کی حمایت کی تھی۔

جناب عباس جنگ بدر میں قریش کی طرف سے لڑتے ہوئے قید ہو گئے لیکن بعد میں رہا کر دیئے گئے۔ انھوں نے ۸ ہجری مطابق ۶۳۰ء میں فتح مکہ کے وقت اسلام کا کھلم کھلا اظہار کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرطِ مسرت سے ان کی پذیرائی کی اور فتح مکہ کے بعد سقائیہ کا موروثی منصب انھیں کے پاس رہنے دیا۔ روایت ہے کہ انھوں نے غزوہ حنین میں بڑے بہادری کا ثبوت دیا اور اپنے گرجدار نعرے سے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ انھوں نے مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کی اور غزوہ تبوک میں مالی امداد دی تھی۔ بعض روایات کے مطابق انھوں نے محاربات شام میں حصہ لیا تھا۔

جب خلیفہ دوم کے زمانے میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع کی جانے لگی تو آپ نے اپنا مکان اس مقصد کے لیے نذر کر دیا۔ آپ کا انتقال ۳۲ ہجری مطابق ۶۵۳ عیسوی میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۸ یا ۸۶ برس تھی۔

آپ مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے قبرستان میں دفن ہیں۔ آپ کے نامور

فرزند عبداللہ معروف مفسرین میں ہوتا ہے۔ عبداللہ ابن عباس باب مدینۂ علم حضرت علی ابن ابی طالب علیہم السلام کے خاص شاگرد تھے۔

عبدالرحمٰن بن عوف

اصل نام عبد عمرو، اسلامی نام عبدالرحمٰن، کنیت ابومحمد۔ ان کی والدہ بھی ان کے والد کی طرح بنوزہرہ سے تھیں۔ یہ دونوں چچازاد تھے۔ ابن سعد کے مطابق ان کی ولادت عام الفیل (وہ سال جب ابرہنہ نے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پہ انہدام کعبہ کی نیت سے حملہ کیا تھا) کے دس برس بعد ہوئی۔ عبدالرحمٰن نے حبش اور مدینہ کی ہجرتوں میں حصہ لیا تھا۔ صحیح بخاری میں عبدالرحمٰن بن عوف کا یہ قول نقل ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور سعد بن ربیع کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا۔ مواخات کا مقصد مہاجرین کی اعانت تھی۔ عبدالرحمٰن کے اسلامی بھائی نے ان کی بھرپور اعانت کی۔ مدینہ آ کر عبدالرحمٰن نے ایک انصار خاتون سے شادی کی۔ یہ بیوی غالباً سہلہ بنت عاصم تھیں۔ بعض قرائن وروایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اپنے بعد خلافت کی ذمہ داری عبدالرحمٰن پر ڈالنا چاہتے تھے لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کو جن پانچ صحابہ نے قبر میں اتارا ان میں ایک عبدالرحمٰن بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کی تجہیز وتکفین کے بعد ارباب شوریٰ جب خلافت کا مسئلہ طے کرنے کے لیے جمع ہوئے تو مشکل پیدا ہوگئی لیکن عبدالرحمٰن نے اپنا نام واپس لے لیا اور یہ فیصلہ حضرت عثمانؓ کے حق میں ہوا۔ عبدالرحمٰن نے ۳۲ ہجری میں وفات پائی۔ ابن سعد کے مطابق ان کی عمر پچھتر (۷۵) برس لیکن الاصابہ کے مطابق ۷۲ سال تھی۔ جنازہ کی نماز وصیت کے مطابق حضرت عثمانؓ نے پڑھائی اور مدینہ منورہ میں بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

عبداللہ ابن عبداللہ بن اولی

نام عبداللہ، قبیلہ خزرج، خاندان حبلی عبداللہ بن ابی (اس کے والد مشہور منافقین میں تھے)۔ اپنے خاندان میں وہ اپنی قوت، اثر ورسوخ اور چالاکی کے باعث اتنا ممتاز تھا کہ لوگ اسے مدینے کا بادشاہ بنانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی وجہ سے اس کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوسکا اور اسے یہ عزت حاصل نہ ہوسکی۔ اس لیے وہ اسلام کا دشمن ہو گیا لیکن بظاہر اس نے اکثریت قوت کو دیکھتے ہوئے اسلام قبول کرلیا مگر اس کے باوجود ریشہ دوانیوں سے باز نہ آیا اور کسی نہ کسی طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا۔ لیکن عبداللہ بن عبداللہ بن ابی پر شاید اپنے باپ ک عادت واطوار وافعال کا پتہ نہیں کچھ اثر پڑا یا نہیں۔ مورخ کہتے ہیں کہ یہ ہجرت سے قبل مسلمان ہو چکے تھے اور غزوات میں بھی حصہ لیا۔ جنگ بدر میں دو دانت شہید ہو گئے اور ناک بھی کٹ گئی۔ اس نے اپنے باپ کی حرکات کے پیشِ نظر سرکار دو عالم سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی کہ اس کا باپ عبداللہ ابن ابی مشہور منافق و گستاخِ رسول تھا لیکن سرکار کے رحمت العالمین مزاج نے اس کی اجازت نہ دی۔ عبداللہ نے ١٢ ہجری میں جنگ یمامہ میں شہادت پائی اور مدینہ منورہ میں دفن ہوا۔

ابان بن عثمان

محدث اور فقیہہ، تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ کے فرزند ام عمرو بنت جندب کے بیٹے، جنگ جمل جمادی الاول ٣٦ء مدینہ کا والی مقرر کیا جہاں سات سال تین ماہ اور تیرہ دن رہے پھر ان کی جگہ ہشام بن اسماعیل کو مقرر کیا گیا۔ یزید بن عبدالملک کے عہد میں

۱۰۵ ہجری ۷۲۳ء کو مدینہ میں انتقال کیا۔

ابان کی شہرت محدث اور فقیہہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ طبری کے بقول ۷۶ ہجری سے ۸۰ ہجری تک وہ امیر حج بھی بنے رہے۔ ایک کتاب بھی ان کی تصنیف کہی جاتی ہے۔

ابراہیم بن محمدؐ

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری فرزند، ۸ ماہ ذی الحجہ ۸ ہجری/ ۲۹ مارچ ۶۳۰ء کو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے بمقام عالیہ پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی سلمیٰ نے دایہ گیری کے فرائض انجام دیئے۔ سلمیٰ کے شوہر ابو رافعؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ولادت کا مژدہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ایک غلام عطا کیا۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالوں کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر نام رکھا۔

ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ام بردہ خولد بنت منذر بن زید الانصاری نے دودھ پلایا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یہ خدمت ام سیفؓ نے انجام دی۔ ہوسکتا ہے کہ ام سیف اور ام بردہ ایک ہی شخصیت ہوں۔

ام سیفؓ مدینہ کے نواح میں رہتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق ابراہیم ۱۷ یا ۱۸ ماہ زندہ رہے اور ام سیف کے ہاں انتقال کیا۔ ابوداؤد اور بیہقی کے نزدیک صرف دو مہینے دس دن کے بعد انتقال ہوا۔ واقدی کے نزدیک ابراہیم نے ماہ ربیع الاول ۱۰ ہجری/ جولائی ۶۳۱ء کو انتقال کیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ابراہیم کے انتقال کی خبر ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عوف کے ہمراہ تشریف لائے۔ انھیں گود میں اٹھالیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں عثمان بن مظعون کی قبر کے ساتھ دفن کیا۔ قبر میں فضل بن عباسؓ اور اسامہ نے اتارا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر کھڑے رہے اس کے بعد قبر پر پانی چھڑکا گیا اور ایک امتیازی علامت قائم کی گئی۔

اس موقعہ پر سورج گرہن بھی ہوا۔ چونکہ عربوں کے نزدیک یہ روایت مشہور تھی کہ بڑے آدمی کے انتقال کے موقع پر سورج گرہن لگتا ہے اس لیے اس گرہن کو بھی ابراہیم کی موت سے منسوب کیا گیا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں کسی کی موت سے اُن میں گہن نہیں لگ سکتا۔

ابن ام کلتومؓ

(وفات ۱۵ ہجری/۶۳۶ء) نابینا صحابی، عبداللہ یا عمر بن قیس نام تھا مگر اپنی کنیت ابن ام مکتوم کے نام سے مشہور تھے۔ مکہ ہی میں ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کر لیا۔ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے لوگوں کو تبلیغ فرما رہے تھے کہ ابن ام مکتوب آ گئے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ عرض کرنا چاہتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید اس قدر منہمک تھے کہ توجہ نہ دے سکے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس کی آیات اتاریں۔ اس کے الفاظ اس طرح شروع ہوتے ہیں "تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا اس لیے کہ اس کے پاس اندھا آیا اور تجھے کیا خبر شاید وہی پاکیزگی اختیار کرے"۔ (سورۃ عبس)

ان آیات کے نزول کے بعد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم ابن مکتوم کا خاص طور پر لحاظ فرماتے تھے۔ مدینہ منورہ آ جانے کے بعد انھیں موذن اور امام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ قرآن مجید کے حافظ اور قاری تھے۔ مدینہ کے اکثر لوگوں کو قرأت

سکھاتے تھے۔ زبیر بن بکار کے بقول جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے اور واقدی کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

ابوالخیر الاشبیلی

ماہر اشجار، فنِ زراعت پر ایک کتاب کے مصنف۔ ان کا لقب اشجار ہے۔ یہ اشبیلیہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی تاریخِ پیدائش اور وفات معلوم نہیں ہے۔ ابن العوام نے جو بارہویں صدی عیسوی میں گزرے ہیں ان کی کتاب سے اقتباس کیا ہے اس لیے کہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ان سے پہلے گزرے ہیں۔ امکان غالب ہے کہ یہ گیارہویں صدی عیسوی کے ان اطباء کے معاصر تھے جو علم نباتات اور فن باغبانی کے بھی فاضل تھے۔ مثلاً ابن وافد اللخمی، ابن بصال، ابنِ حجاج الاشبیلی الطغری۔

ان کی کاتب الفلاحۃ مخطوطے کی شکل میں پیرس کے کتب خانے نیز تونس کی مسجد زیتونہ اور شمالی افریقہ کے بعض نجی کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ ان کی کتاب کے خاص مضامین یعنی پودے لگنے کے متعلق عام باتیں، موزوں مہینے، پودوں پر چاند کے اثرات، وہ عرصہ جو پودوں کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے میں درکار ہوتا ہے۔ اشجار کی عمر نقصانات (موسم، جاندار، آگ اور پانی) اور زیتون، انگور، انجیر اور کھجور کی مخصوص غور پرداخت مثلاً اشجار، جھاڑیاں، غلہ، بیج، ٹہنی لگانا، کاٹ چھانٹ، پیوندکاری، پھلوں اور سبزیوں کو محفوظ رکھنے کے طریقے، خوشبودار پودے، پھول، لہسن اور کپاس، کیلا اور گنا وغیرہ۔ جانور پائیں باغ کے بالخصوص کبوتر، شہد کی مکھی اور جنگلی جانور، ضرررساں جانور (رینگنے والے، کترنے والے جانور، کیڑے مکوڑے) بالآخر تجارت العام پر دو صفحات جن میں موسم اور جوتش کی پیش گوئیاں درج ہیں۔

ابوالخیر کی تحریریں ان ذاتی تجربوں اور مشاہدوں پر مبنی ہیں جو انھوں نے ضلع اشبیلیہ کے علاقہ الشرف کے باغوں، خیابانوں، کھیتوں، تاکستانوں اور جنگلوں میں کئے تھے۔ ادبی اسناد میں وہ غالباً بالواسطہ حسب ذیل کتب سے حوالہ دیتے ہیں۔ ابوحنیفہ الدینوری کی کتاب الفبات جس کی شرح ابن اخت غنم نے ساٹھ جلدوں میں لکھی ہے نفح الطیب ابن وحشیہ کی کتاب "الفلاحۃ القبطیۃ" کے واسطے سے۔ بالعموم یہ کتاب ایک ایسی عملی تحقیق اور تصنیف ہے جو ذاتی تجربات پر مبنی ہے لیکن زراعت سے متعلق عام ادب کی طرح یہ بھی توہمات عامہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ اس میں تعویزوں کے کلمات اور طلسماتی نقوش بھی درج ہیں۔

ابوبکر صدیقؓ

حضرت عائشہ کے والد ماجد، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خسر۔ والدین نے عبداللہ نام رکھا تھا۔ ابوبکر کنیت اور عتیق اور صدیق لقب تھا۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ والدہ ماجدہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر تھی۔ قریش کی ایک شاخ تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ شجرۂ نسب یہ تھا: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔

حضرت ابوبکر کی ولادت سن ہجری سے پچپاس برس قبل یعنی ۵۷۱ء میں ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین برس چھوٹے تھے۔ آپ کے والد ابوقحافہ نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا اور ۱۴ ہجری/۶۳۵ء کو ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔

مواخات میں آپ کے انصاری بھائی حضرت خارجہؓ بن زید تھے جو بعد میں آپ کے خسر بھی ہو گئے۔ مسلمانوں میں آپ کی مخصوص حیثیت اس سے اور نمایاں ہو گئی کہ آنحضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ صدیقہ سے شادی کر لی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حلیہ حضرت عائشہؓ نے اس طرح سے بیان فرمایا ہے: ''وہ گورے چٹے دبلے پتے آدمی تھے۔ دونوں رخسار سُتے ہوئے تھے۔ کمر ذرا خمیدہ تھی۔ تہمد کمر پر رک نہیں سکتا تھا۔ کھسک کر نیچے آ جاتا۔ آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ پیشانی بلند، انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی تھے۔ پنڈلیاں اور رانیں پُر گوشت نہیں تھیں۔ قد موزوں تھا۔ مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

طبری میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کل چار نکاح کیے۔ دو اسلام سے پہلے اور دو اسلام لانے کے بعد۔ ازواج کے نام یہ تھے: قتیلہ بنت عبدالعزیٰ، ام رومان بنت عامر بن عمیرہ، اسماء بنت عمیس اور حبیبہؓ بنت خارجہ۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے پانچویں بیوی کی روایت بھی ہے کہ آپ نے بنوکلب کی ایک عورت ام بکر سے شادی کی تھی اور ہجرت کے وقت طلاق دے دی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کی اولاد کی تعداد چھ تھی۔ تین لڑکے عبدالرحمٰن، عبداللہ اور محمد اور تین لڑکیاں اسماء، عائشہ اور ام کلثوم تھیں۔ عبدالرحمٰن نے صلح حدیبیہ کے وقت اسلام قبول کیا اور مدینہ آ کر رہنے لگے۔ عبداللہ نے حضرت ابوبکر کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔ ان کی والدہ اسماء بنت عمیس نے جب حضرت علی علیہ السلام سے نکاح کر لیا تو انھیں آغوشِ مرتضوی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسماء بنت ابوبکر اسلام لانے والوں میں اٹھارہویں نمبر پر تھیں اور حضرت زبیر بن عوام کے نکاح میں تھیں۔ ان کے بطن سے عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔

ابو جندلؓ

صلح حدیبیہ کے وقت کفار کی قید سے بھاگ کر آنے والے معزز صحابی سہیل بن

عمر کے بیٹے تھے۔ صلح حدیبیہ کے وقت ان کے والد قریش مکہ کی طرف سے صلح کے لیے آئے تھے۔ جب شرائط لکھی جا رہی تھیں تو ابو جندل جو اسلام قبول کر چکے تھے اور جنھیں کفار نے بیڑیوں میں قید کر رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پابہ زنجیر حاضر ہوئے اور اپنے زخم دکھا کر مدینہ لے جانے کی درخواست کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی حالت پر بے حد رحم آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی مخالفت کے باوجود صلح کی شرائط بموجب ابو جندلؓ کو کفار کے حوالے کر دیا تاکہ مسلمانوں کے ایفائے عہد پر کوئی حرف نہ آئے۔ چنانچہ ابو جندلؓ کفار کے ظلم وستم کا شکار رہے بعد ازاں جب مسلمانوں نے عیص کے مقام پر ایک جائے پناہ بنا لی تو یہ بھی وہاں چلے گئے اور معاہدے کے خاتمے پر مدینہ چلے آئے۔

ابو حذیفہؓ

ہشیم بن عتبہ، صحابی رسول، ابتداء میں اسلام قبول کر لیا۔ بڑی خواہش کرتے تھے کہ باپ بھی مشرف بہ اسلام ہو جائے مگر اُسے یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ جنگ بدر میں قریش کا سپہ سالار بنا اور اسی جنگ میں مارا گیا۔ ابو حذیفہؓ حبشہ کو دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ وہاں سے لوٹ کر مدینہ ہجرت کی۔ عہد نبوی کے تمام اہم معرکوں میں شریک ہوئے۔ جنگ بدر میں تو اپنے باپ کو بھی للکارتے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں مسلیمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور اسی میں ۵۴ برس کی عمر میں شہادت پائی۔ ایک عظیم انسان اور بے مثل صحابی تھے۔ اخلاقِ حسنہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ نہایت حق پسند اور حق گو تھے۔ مذہبی جوش اور حمیت بے حد تھی۔ اسی لیے تمام غزوات میں شریک رہے۔

ابو حمید ساعدیؓ

عبدالرحمان ساعدی، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا۔ مدینہ کے قبیلہ خزرج کی شاخ ساعد سے تعلق رکھتے تھے۔ احد کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ امیر معاویہ کے آخری ایام خلافت میں وفات پائی۔ آپ کا شمار جلیل القدر انصار میں ہوتا ہے۔ اکثر احادیث کی روایت آپ سے منسوب ہیں۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی آپ کا خاص شعار تھا۔ آپ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقۂ نماز کو اپنایا تھا۔ دیگر صحابہ نے یہ طریقہ آپ ہی سے سیکھا۔

ابو سلمہؓ

عبداللہ بن عبدالاسد، صحابی رسول۔ ان کی والدہ حضرت برہؓ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ ہجرت حبشہ سے پہلے اپنی اہلیہ ام سلمہؓ سمیت مسلمان ہوئے۔ حبشہ میں دونوں بار ہجرت کی۔ واپس آ کر مدینہ میں سکونت اختیار کی۔ غزوۂ بدر اور احد میں حصہ لیا۔ جنگ احد میں بازو پر زخم آیا جس کی بنا پر ۳ جمادی الثانی ۴ ہجری کو وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی اہلیہ ام سلمہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

ابو عبسؓ بن جُبیر

عبدالرحمٰن بن جبیر، ممتاز صحابی، خاندان حارثہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجرت سے قبل اسلام لائے اور کعبہ کے بتوں کو توڑنے میں حصہ لیا۔ غزوۂ بدر کے وقت ۴۸ برس کے تھے۔ بڑھاپے میں ایک آنکھ کی بینائی کھو گئی تھی۔ جس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عصا مرحمت فرمایا جس کے سہارے چل پھر لیا کرتے تھے۔ ۳۴ ہجری کو فوت ہوئے۔

حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ان کا شمار ممتاز صحابہ حدیث میں ہوتا ہے۔ عالم فاضل اور صاحبِ روایت تھے۔

ابوقتادہ

(وفات ۵۴ ہجری/۶۷۴ء) حارث بن ربعی انصاری خزرجی، صحابی رسول۔ ان سے ڈیڑھ سو احادیث کی روایت کی جاتی ہے۔ ہجرت سے دس سال قبل مدینہ میں پیدا ہوئے اور عقبہ ثانیہ کے بعد اسلام لائے۔ بہترین تیر انداز اور شہسوار تھے۔ اس لیے تمام غزوات میں بڑی بہادری سے لڑے۔ یہ پہلے شخص تھے جنھوں نے مال غنیمت بیچ کر اپنے لیے ایک باغ خریدا۔ شکار کا بھی بے حد شوق رکھتے تھے۔ مدینہ میں انتقال کیا۔ نماز جنازہ حضرت علی علیہ السلام نے پڑھائی۔

ابوقیس حرمہؓ

صحابی رسول جن کی روزہ داری کی حالت میں دیکھ کر یہ آیت نازل ہوئی کہ "تم طلوع فجر تک کھانا کھا سکتے ہو"۔ بنو نجار میں سے تھے۔ ابتداء ہی سے بت پرستی کے مخالف تھے۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے قبل بھی ایک ایسی عبادت گاہ بنائی تھی جس میں کسی نجس مرد اور عورت کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ ہجرت کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اگرچہ یہ ضعیف و ناتواں تھے اس کے باوجود بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ نہایت پاک صاف زاہد اور عابد تھے۔ دن کو محنت مزدوری کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ روزہ رکھتے تھے۔ اس وقت تک سحری کے وقت کھانے کی اجازت نہ ملی تھی۔ ان کی خراب حالت دیکھ کر ان کی اہلیہ

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا بیان کیا۔ اس پر حکم باری نازل ہوا اور مسلمانوں کو صبح کے وقت کھا پی لینے کی اجازت مل گئی۔

ابو مسعود بدری

(وفات ۴۰ ہجری/ ۶۶۰ء) عتبہ نام۔ صحابی، عقبہ ثانیہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تمام غزوات میں شرکت کی۔ بدر میں کچھ عرصہ رہنے کی وجہ سے بدری کہلائے۔ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام نے انھیں اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس عہد کے خاتمے کے بعد آپ مدینہ واپس لوٹ آئے۔ ان کی ایک لڑکی کی شادی حضرت امام حسین سے ہوئی جن سے زیدؓ پیدا ہوئے۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

والدہ کا نام شموس تھا۔ والدہ بنونجار خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح کران بن عمرو سے ہوا۔ یہ سابقون الاولون میں سے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا۔ مہر چار سو درہم ادا کیا گیا۔ ان کا تعلق عامر قریش کے خاندان سے تھا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر تیں سال تھی۔ ان کا انتقال حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوا۔ پہلے شوہر سے ایک بیٹا عبدالرحمٰن جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر

صدیقہ اور حمیرا القب تھا اور کنیت ام عبداللہ ہے۔ والدہ کا نام زینب ہے۔ جن کی کنیت ام رمان ہے۔ غنم بن مالک قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپؓ کی پہلی نسبت جبیر بن مطعم کے لڑکے سے ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے پر نسبت قطع کر دی گئی۔

حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ

آپؓ بعثت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ عدی قریش خاندان سے تعلق تھا۔ پہلے شوہر خنیس بن خذافہ خاندان بنوسہم سے تعلق رکھتے تھے۔ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ شعبان ۴۵ ہجری کو انتقال ہوا۔

حضرت ام سلمہؓ ہند بنت خذیفہ

سلسلہ نسب ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخدوم ہے۔ پہلے شوہر کا نام عبداللہ بن عبدالاسد ابوسلمہ ہے۔ شہید احد ہیں۔ نکاح کے وقت ان کی عمر انتیس سال تھی۔ وفات پہلی روایت کے مطابق ۴۳ ہجری اور دوسری روایت میں ۶۱ ہجری بعمر چوراسی سال ہے۔

حضرت زینبؓ بنت خذیمہ

آپؓ کو ام المساکین بھی کہتے ہیں۔ عامر بنو معصعہ قریش خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ پہلے شوہر کا نام حضرت عبداللہؓ تھا جو شہید بدر تھے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت آپؓ کی عمر تیس سال تھی۔ ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے بعد دو ماہ زندگی پائی اور ۳ ہجری کو وفات پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر بارہ اوقیہ ادا فرمایا۔

حضرت زینبؓ بن جحش

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے ہوا۔ والدہ کا نام امیمہ تھا۔ حضرت زیدؓ سے طلاق ۵ ہجری میں ہوئی۔ ۳۵ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا۔ آیت حجاب ان کی دعوت ولیمہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

حضرت جویریہؓ بنت حارث بن ضرار

قبیلہ مصطلق خذائع تھا۔ پہلا شوہر مسافع ابن صفوان جنگ میں مارا گیا۔ گرفتار ہو کر حضرت ثابتؓ انصاری کے حصہ میں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد سے مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہوئیں اور بیس سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کیا۔ اصل نام برہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کے وقت ان کا نام بدل کر جویریہ رکھا۔

حضرت صفیہؓ بنت حی

اصل نام زینب عرف صفیہ ہے۔ بنو نضیر یہودی قبیلہ سے تعلق تھا۔ پہلے شوہر سلام بن مشکم یہودی نے طلاق دی تو کنانہ سے نکاح ہوا۔ کنانہ خیبر میں مسلمانوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔ آپؓ گرفتار ہو کر دیہ ملبی کے حصہ میں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فدیہ ادا کر کے آزاد فرمایا اور نکاح کر لیا۔ اس وقت حضرت صفیہ کی عمر ۱۷ سال تھی۔

حضرت ریحانہؓ بنت زید نضریہ

ان کا خاندان بنی نضر النا ہر تھا۔ پہلا نکاح بنی قریظہ کے ایک شخص سے ہوا۔ مسلمان

جب بنی قطریظہ پر غالب آئے تو یہ مال غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

ابن سعد سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد فرما کر بارہ اوقیہ مہر دے کر نکاح کر لیا۔ یہ واقعہ محرم ۶ ہجری کا ہے۔

سوائے دو مورخوں ابن سعد اور حافظ ابن حجر کے دیگر تمام ارباب سیر بالاتفاق حضرت ریحانہؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بطور ملک حرم میں رکھا۔ اور نکاح نہیں فرمایا تھا۔ حضور کی وفات سے دس سال قبل وفات پائی۔

حضرت ماریہ قبطیہ

یہ مصری تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیس سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ آپؓ باندی تھیں۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ایک بیٹا ابراہیم پیدا ہوا جو چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث

ان کا پہلا نکاح مسعود بن عمر بن عمیر سے ہوا۔ طلاق کے بعد ابودہم بن عبدالعزیٰ سے نکاح کیا۔ جس نے ۷ ہجری میں انتقال کیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا۔ اسی وقت کی عمر ۲۷ سال تھی۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری منکوحہ تھیں۔ انھوں نے ۵۱ ہجری میں انتقال کیا۔

اسامہ بن زیدؓ

(ولادت رجب ۵۴ ہجری / جون ۶۷۴ء) ابنِ زید بن حارثہ بن شرجیل الکلبی

الہاشمی۔ ابومحمد اور ابو زید کنیت تھی۔ حضرت برکتہ ام ایمن کے بطن سے پیدا ہوا۔ ان کے والد آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ اسلام کی گود میں پرورش پائی۔ فتح خیبر کے بعد آپ کا وظیفہ مقرر رہوا۔ اسی پر گزارہ کرتے رہے حتیٰ کہ جب فوت ہوئے تو وراثت میں کچھ نہ چھوڑا۔

اسامہ نب زید نے پہلی بار جس غزوہ میں شرکت کی وہ فتح مکہ تھی۔ اس سے پہلے غزوۂ احد میں انھیں عمر کم ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں ملی تھی۔ ۱۱ ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اس رسالے کا سردار مقرر کیا جو موتہ میں حضرت زیدؓ اور حضرتِ جعفرؓ طیار کی شہادت کے بعد تیار کیا گیا۔ اس رسالے کا مقصد رومی علاقے پر یلغار کرنا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے علم دے کر روانہ کیا۔ ابھی آپ پہلی منزل پر پہنچے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کا سن کر لوٹ آئے مگر جب آپ مدینہ پہنچے تو مرض میں کسی قدر افاقہ تھا۔ آپ دوبارہ مہم پر روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ اور متعدد صحابہ شریک لشکر تھے۔ ابھی اسی منزل پر پہنچے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت کی خبر پہنچی۔ چنانچہ یہ لشکر واپس آ گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں یہ لشکر اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ اس کی کامیابیاں تسخیر شام کی تمہید تھیں۔ ابھی تک کے معرکے کو فتح کرنے کے بعد آپ مدینہ لوٹ آئے۔ ان دنوں حضرت ابوبکرؓ فتنہ زدہ کو فرد کرنے کے لیے ابرق کی طرف روانہ ہوئے تو انھوں نے آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

حضرت عمرؓ نے آپ کا وظیفہ اپنے بیٹے کی نسبت زیادہ مقرر کر رکھا تھا۔ ان کے عہدِ خلافت سے آپ معاملاتِ سیاست سے الگ تھلگ رہے۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں آپؓ نے اپنا دامن فتنہ و فساد سے بچائے رکھا۔ حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کے

تنازعات میں بھی غیر جانب دار رہے۔ اگرچہ آپ نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت نہ کی تاہم انھیں برحق سمجھتے تھے۔ معاویہ کے عہد میں انتقال ہوا اور مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

حضرت اسامہ کی ساری تربیت گہوارہ اسلام اور آغوشِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کبھی کفر وشرک کی آلودگیوں میں ملوث نہیں ہوئے۔ زہد و تقویٰ انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب اور راز دار تھے۔ جب حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے وظیفہ کے کم مقرر کیے جانے پر اعتراض کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھ سے زیادہ عزیز تھے اور ان کا باپ ترے باپ سے زیادہ عزیز تھا"۔

اسماعیلؒ

امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے فرزند۔ والد کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔ ان کے نام سے شیعوں کا ایک فرقہ اسماعیلیہ وجود میں آیا۔ اس کے نزدیک اسماعیل ساتویں امام ہیں۔ نہ کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔ جیسا کہ امامیہ (اثناءعشری) عقیدہ ہے۔ اسماعیل، امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات سے پانچ سال قبل ہی ۱۴۳ ہجری/۷۶۲ء میں مدینہ منورہ میں فوت ہو گئے اور بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے جبکہ اسماعیلیوں کے نزدیک امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے پانچ سال بعد بھی امام اسماعیلؒ زندہ تھے۔ اسماعیلیہ فرقہ جو سات اماموں کو مانتا ہے اس لیے سبعیہ بھی کہلاتا ہے۔ اس کے اسماعیلی کہلانے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بڑے فرزند اسماعیل کی جگہ دوسرے فرزند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ولایت عطا کی۔ اس پر ان کے ماننے والوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک سابق امامیہ جو اثناءعشری بھی کہلاتا ہے اور دوسرا سبعیہ یا اسماعیلی

کہلایا جو اسماعیلؒ کی امامت کا قائل ہے۔ امام اسماعیل چونکہ والد کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے اس لیے انھوں نے ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل کو ساتویں امام کی جگہ پر فائز تسلیم کر لیا۔ مختلف علاقوں میں یہ فرقہ مختلف ناموں سے مشہور ہے۔

اُمِّ ابی ہریرہؓ

امیمہ بنت صفیح بن حارث، مشہور صحابیہ، حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کے مسلمان ہونے کے لیے دعا فرمائی تھی۔ ایک دن انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نامناسب الفاظ کہے۔ ابو ہریرہ کو سخت صدمہ ہوا اور روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ میری ماں کے لیے دعا فرمائیں کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ چنانچہ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔

اُمِّ الفضل

لبابہ بنت حارث بن حزن، مشہور صحابیہ، ام المومنین حضرت میمونہؓ اور حضرت اسماءؓ بنت عمیس کی بہن تھیں اور آپ کی ماں ہند بنت عوف تھیں۔ آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے بیاہی گئیں۔ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد ایمان لائیں۔ اپنے شوہر حضرت عباسؓ کے ایمان لانے کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بیٹوں میں فضل، عبداللہ، معبد، عبیداللہ، قثم، عبدالرحمان اور بیٹی اُم حبیبہ ہیں۔ حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

آپ سے تیس احادیث مروی ہیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ام الفضلؓ، سلمیٰؓ، میمونہ اور اسماءؓ چاروں مومنہ بہنیں ہیں۔ نہایت پرہیز گار اور عبادت

گزارتھیں۔ حجتہ الوداع کے موقع پر حضرت ام الفضلؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

اُمِّ ایمنؓ

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی کنیز، نام برکہ اور ام ایمن کنیت تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش بھی انہی نے کی۔ پہلا نکاح حضرت عبیدؓ بن زید سے ہوا۔ ان کے جنگ حنین میں شہید ہونے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح زیدؓ بن حارثہؓ سے کر دیا۔ حبش کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں۔ وہیں سے مدینہ ہجرت کی۔

آپ کا شمار ان خواتین میں ہوتا ہے جو غزوات میں مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور امی کہہ کر خطاب فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ میرے اہل خانہ سے ہیں۔ حضرت ام ایمن کے صاحبزادے ایمن بن عبیدؓ نے جنگ خیبر میں شہادت پائی تو آپ نے بڑے صبر وضبط سے کام لیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔
جب آپ کے خاوند حضرت عبیدؓ بن زید نے وفات پائی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص جنت کی عورت سے عقد کرنا چاہے وہ ام ایمن سے نکاح کرے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر آپ بہت روئیں۔ جب صحابہ نے تسلی دی تو کہنے لگیں کہ میں اس لیے روتی ہوں کہ آج وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔

آپ کے بطن سے دولڑکے پیدا ہوئے۔ پہلے شوہر سے ایمنؓ اور دوسرے شوہر

سے حضرت اسامہؓ جو کم عمری ہی میں صحابہ میں نمایاں مقام حاصل کر چکے تھے۔ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

اُمِّ رومانؓ

(وفات ۹ ہجری/ ۶۳۰ء) بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس مشہور صحابیہ حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ اور حضرت عائشہ کی والدہ بنو کنانہ کے خاندان فراس سے تھیں۔ پہلا نکاح عبداللہ بن حارث سے ہوا اور انھیں کے ساتھ مکہ آ کر سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصہ بعد عبداللہ بن حارث نے وفات پائی تو حضرت ابوبکرؓ نے نکاح کر لیا۔ پہلے شوہر سے ایک لڑکا طفیل پیدا ہوا۔ حضرت ابوبکر سے حضرت عائشہؓ صدیقہ اور حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہی مشرف باسلام ہوئیں اور سابقون الاولون میں شمار ہوئیں۔

اُمِّ سلمہؓ

(۲۸ قبل ھ/ ۶۷۹ء) ام المومنین ہند بنت ابوامیہ حذیفہ بنی مخزوم سے تھیں۔ والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ پہلا نکاح چچیرے بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد سے ہوا۔ آغاز نبوت ہی میں دونوں میاں بیوی اسلام لائے۔ اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت حبشہ میں شریک ہوئیں۔ اور اصلاح احوال کے بعد مکہ مکرمہ واپس آئیں۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملی تو ابو سلمہ کے ساتھ آپ بھی نکلیں لیکن سسرال والے ان کے بیٹے کو چھین کر لے گئے۔ دوسری طرف بنو مغیرہ آپ کے راستے میں حائل ہو گئے۔ چنانچہ ابوسلمہ نے اکیلے ہی ہجرت کی۔ آپ شام کو اس جگہ پہنچ جاتیں جہاں شوہر سے جدائی ہوئی تھی اور روتی تھیں چند روز بعد بنو مغیرہ نے ان کا بچہ ان کے حوالے کر دیا اور انھیں مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔

ابو سلمہؓ سے آپ کے دو لڑکے سلمہ اور عمر اور دو لڑکیاں زینب اور رقیہ تھیں۔ عدت گزرنے کے بعد نکاح کے بہت سے پیغام آتے رہے لیکن آپ انکار کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو پیغام بھجوایا اور ۴ ہجری کو ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں۔ آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

امہات المومنین میں سب سے زیادہ عمر آپ ہی نے پائی۔ وفات کے بعد بقیع میں دفن ہوئیں۔ آپ بڑی بلند سیرت اور فیاض تھیں۔ نہایت دانا اور معاملہ فہم تھیں۔ فہم مسائل میں خاص ملکہ تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے میں ام سلمہ کی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ مسند امام احمد بن حنبل میں آپ سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں۔

امِّ سلیمؓ

رملہ یا سہلہ بنت ملحان بن خالد، مشہور صحابیہ ام حرامؓ کی بہن تھیں۔ ام سلیم اور ام انس کنیت تھی۔ غمصاء اور امیصاء لقب تھا۔

پہلا نکاح مالک بن نضر سے ہوا جو ان کے ہم قبیلہ تھے۔ مشہور صحابی حضرت انسؓ انہی سے پیدا ہوئے۔ شوہر مسلمان نہ ہوا بلکہ ان کے اسلام قبول کرنے پر خفا ہوا۔ یہی بات کشیدگی اختیار کرگئی۔ وہ ناراض ہو کر شام چلا گیا اور وہیں فوت ہوا۔ حضرت انسؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرکے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنے خادموں میں جگہ دیں۔

دوسرا نکاح ابوطلحہؓ سے ہوا یہ بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ نکاح کا پیغام بھیجنے کے بعد مسلمان ہوئے۔ ام سلیم نے اپنا مہر اسلام قرار دیا۔ حضرت ابوطلحہ سے ام سلیم کے دو فرزند

ابو عمیر اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

آپ بڑی اولوالعزم اور شجاع صحابیہ تھیں۔ غزوات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں چند اور دوسری عورتوں کو اپنے ساتھ رکھتے۔ یہ خواتین لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیون کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت صفیہؓ بنت حی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے پر رضامندی کا اظہار کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں آپ ہی کے سپرد کیا کہ نہلا دہلا کر دلہن بنائیں۔ کیونکہ جنگ کی صعوبتوں نے حضرت صفیہ کو نہایت خستہ حال کر دیا تھا۔

ام سلیمؓ اپنی جانثاری اور عقیدت کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں بے حد محترم تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر خود چل کر ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے مجھے ام سلیمؓ پر رحم آتا ہے۔

حضرت ام سلیمؓ سے حضرت انس عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت اور عمرو بن عاصم نے احادیث روایت کی ہیں۔ لوگ آپ سے اکثر مسائل دریافت کرتے تھے اور اسی طرح اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔

اُمِّ عمارہؓ

نسیبہ بنت کعب مشہور صحابیہ بنو نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہجرت سے تقریباً چالیس سال قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔

پہلا نکاح زیدؓ بن عاصم سے ہوا۔ ان سے دو لڑکے عبداللہؓ اور حبیبؓ پیدا ہوئے۔ دوسرا نکاح عربہ بن عمرو سے ہوا اور ان سے بھی دو بچے پیدا ہوئے۔

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو مدینہ میں دوسرے بارہ مدنی مسلمانوں کے ساتھ تبلیغ کے لیے بھیجا تو ان کی کوششوں سے جو لوگ پہل پہل مسلمان ہوئے ان میں ام عمارہ بھی ہیں۔

غزوۂ احد میں حضرت ام عمارہؓ اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کیساتھ شامل تھیں اور مشکیزہ میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلاتی تھیں۔ اس غزوہ میں جب ایک مشکل مقام آیا تو یہ بھی تلوار اور ڈھال سنبھال کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے کھڑی ہوگئیں۔ اور کفار میں سے جب کوئی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب حملہ کرنے کے لیے آتا تو اس کا وار اپنی ڈھال پر روکتیں اور اس کے گھوڑے کے پاؤں پر ایسا بھرپور وار کرتیں کہ وہ گر پڑتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بیٹوں کو آواز دیتے تو وہ دونوں اپنی ماں کے قریب جا کر دشمن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واصل جہنم کر دیتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے غزوۂ احد میں امِ عمارہ کو اپنے دائیں اور بائیں برابر لڑتے دیکھا ہے۔ اسی غزوہ میں ابن قمیہ کے وار سے ام عمارہ کا کندھا زخمی ہوگیا اور تیزی سے خون بہنے لگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے زخم پر پٹی بندھوائی اور کئی بہادر صحابہ کا نام لے کر فرمایا "آج ام عمارہ نے ان سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی ہے"۔ نیز فرمایا "اے امِ عمارہؓ جتنی طاقت تجھ میں ہے کسی اور میں کہاں ہوگی"۔ آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی سلمہ کے خلاف جہاد میں شریک ہوئیں اور اس معرکہ میں انھیں گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ کلائی سے کٹ گیا۔

اُمِّ ورقہ بنت عبداللہ

مشہور صحابیہ، انصار کے ایک قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ جب آنحضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی تو انھوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ غزوہ بدر کی تیاری ہونے لگی تو ام ورقہ نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غزوہ میں شرکت کی اجازت مانگی اور شہادت کی آرزو کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم گھر میں رہو۔ اللہ تم کو یہیں شہادت عطا کر دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیش گوئی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں پوری ہوئی۔

ام ورقہ قرآن پڑھی ہوئی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں گھر کی عورتوں کا امام بنایا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ام ورقہ نے اپنے ایک غلام اور لونڈی سے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ ان دونوں کی نیت خراب ہوگئی اور رات کو چادر ڈال کر اپنی مالکہ کو شہید کر ڈالا۔ حضرت عمر فاروقؓ صبح کو ان کی آواز سن کر گھر میں آگئے تو آپ کی نعش دیکھی۔ چنانچہ حضرت عمر نے دونوں مجرموں کو پھانسی کا حکم دیا۔

اُمِّ ھانیؓ

فاختہ بنت ابوطالب، حضرت علی کی بہن، مشہور صحابیہ تھیں۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ ۸ ہجری کو فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔

نکاح ہبیرہ بن عمر مخزومی سے ہوا لیکن وہ اسلام نہ لایا اور نجران کی طرف بھاگ گیا۔ معاویہ کے دور حکومت میں وفات پائی۔ کثیر الاولاد تھیں۔ بیٹوں میں عمرو، ہانی یوسف اور جعدہ مشہور ہیں۔ آپ حضرت جعفر طیار کی حقیقی بہن تھیں۔

فقہ میں دل چسپی رکھتی تھیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف مسائل دریافت کرتی رہتی تھیں۔ ام ہانی نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھیالیس احادیث روایت کی ہیں۔ راویوں میں حضرت علی علیہ السلام، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن

حارث جیسے اصحاب شامل ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں آپ ہی کے گھر سے معراج پر روانہ ہوئے تھے۔ واقعہ کربلا کے وقت زندہ تھیں اور مدینہ میں حضرت فاطمہ صغرا سلام اللہ علیہا اور حضرت ام البنین کے ساتھ تھیں۔

انسؓ بن مالک

(۱۰ قبل ہجری ۹۳ھ) ماں کا نام ام سلیم ہے۔ کنیت ابوحمزہ، قبیلہ خزرج سے تھے۔ صحابی خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ امام مفتی قاری ومعلم قرآن محدث، نامور راوی۔ ان کے والد مالک نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ والدہ اسلام لائیں ہجرت کے بعد انھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور خادم کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ انسؓ (آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گزاری میں رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی والدہ کے کہنے پر ان کے لیے دعا کی جو قبول ہوئی اور انھوں نے ایک لمبی عمر پائی۔ ان کی اولاد قریباً ایک سو کے قریب ہے۔ بعض کے نزدیک اسی ہے جن میں سے ۷۸ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ مشہور بصری محدث ابوعمیر عبدالکریم بن محمد بن عبداللہ بن حفص بن ہشام انھیں کی اولاد میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے لیکن کم سنی کی وجہ سے جنگ میں حصہ نہ لیا۔ آٹھ جنگوں میں شرکت کی۔ بصرہ میں ۱۰۳ سال کی عمر میں صحابہ کرام میں سب سے آخر میں وفات پائی۔

حضرت انسؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کبار صحابہ سے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں۔ قریباً سو راویوں نے ان سے روایت کی ہے۔ ان سے جو احادیث مروی ہیں ان کی تعداد ۲۲۸۶ ہے۔

انسؓ بن نضر

صحابی، حضرت انسؓ بن مالک کے چچا اور مدینہ کے خاندان نجّار کے رئیس تھے۔ غزوۂ احد میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا میدان میں رہ گئے اور تمام جان نثاروں کے قدم اکھڑ گئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچانے کے لئیے آگے بڑھے۔ تقریباً پورے جسم پر ۸۰ زخم کھائے۔ کفار نے ان کی لاش کو بری طرح مسلا کیا۔ ان کی بہن ربیعہ بنت نضر نے ان کو انگلی سے پہچانا۔

براءؓ بن معرور

صحابیِ رسول، ابوالبشر کنیت، قبیلہ خزرج سے تھے اور رئیسِ قبیلہ تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بنو سلمہ کا نقیب مقرر فرمایا۔ ۶۲۲ء میں حج کے موقع پر جو بچھتر انصار آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے آئے تھے ان میں سے سب سے زیادہ معمر یہی تھے۔ ان سب کی طرف سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت و نصرت کا عہد انھوں نے ہی کیا تھا۔ یہ پہلے ہی سے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ بعد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میری میت قبلہ رخ رکھنا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے ایک ماہ پہلے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ہجرت کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قبر پر صحابہ کی معیت میں دعائے مغفرت کی اور ان کے بیٹے حضرت بشرؓ کو جو بدری صحابی تھے ان کی جگہ بنو سلمہ کا سردار نامزد فرمایا۔ حضرت براءؓ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ میرے مال کا تیسرا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس طرح چاہیں استعمال میں لائیں۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مال ان کے وارثوں میں تقسیم کردیا۔ ان کے بھائی قیسؓ بن معرور بھی صحابی تھے۔

بریرہؓ

صحابیہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ لونڈی۔ حضرت بریرہؓ کا آقا ایک غیر مسلم تھا جسے انھوں نے اس شرط پر راضی کرلیا تھا کہ اگر وہ نو (یا پانچ) سالانہ قسطیں یک مشت ادا کردیں تو آزاد ہوجائیں گی۔ اپنے آقا سے یہ شرط منوا لینے کے بعد وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور مدد کی درخواست کی۔ حضرت عائشہؓ نے انھیں پوری رقم ادا کر کے خرید لیا اور آزاد کر دیا لیکن انھوں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت ہی میں رہنے کو ترجیح دی۔ ان کا نکاح ایک حبشی غلام مغیث سے ہوا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مغیث کے ساتھ رہنے کی سفارش بھی کی۔ لیکن جب انھوں نے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کردیا تو انھیں حکم دیا گیا کہ ایک مطلقہ عورت کی طرح عدت پوری کریں اور مغیث ان کی جدائی میں مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرا کرتے تھے۔

حضرت بریرہؓ سے چند احادیث مروی ہیں اور وہ حضرت عائشہؓ ابن عباسؓ اور عروہ ابن زبیرؓ سے روایت کرتی ہیں۔ ان کا انتقال یزید اول کے عہد میں ہوا۔

بشرؓ بن براءؓ

صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنوسلمہ سے تھے۔ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے والد کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا اور بیعت عقبہ کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بدر، احد، خندق اور خیبر کے

غزوات میں بھی شریک رہے۔ خیبر میں جب ایک یہودیہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر ملا بھیڑ کا گوشت کھلانا چاہا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو چکھ کر زہر معلوم کر کے گوشت تھوک دیا لیکن بشرؓ نے کھالیا اور اسی کے اثر سے وفات پا گئے۔ بعض کے نزدیک گوشت کھانے کے فوراً بعد انتقال کیا اور بعض کے نزدیک ایک سال بیمار رہنے کے بعد وفات پائی۔ بشرؓ بڑے پر جوش اور بہادر مسلمان تھے۔ تیر اندازی میں بڑے مشہور تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں قبیلہ بنوسلمہ کے سید کے نام سے یاد فرماتے تھے۔

حارثہؓ بنت سراقہ

آپ قبیلہ خزرج کے نجار خاندان سے تھے۔ والد ہجرت سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ ہجرت سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: حارثہ بن سراقہ بن حارث بن عدی بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔ ان کی والدہ اُم حارثہ تھیں۔ نام ربیع بنت النضر بن ضمضم بن زید بن حرام ابن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم انس بن مالک کی پھوپھی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارثہ بن سراقہ اور السائب بن عثمان ابن مظعون کے درمیان عقد مواخات قائم کیا۔ غزوہ بدر کے روز سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہو کر میدانِ جنگ کو روانہ ہوئے۔ ایک حوض پر پانی پینے گئے۔ حیان بن العقہ نے تیر مارا۔ آپؓ وہیں شہید ہو گئے۔ حضرت حارثؓ کو انصار میں سب سے پہلے شہادت نصیب ہوئی۔ والدہ کے بہت فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے۔ والدہ بھی آپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ جب آپ شہید ہوئے تو آپؓ کی والدہ نے آنحضورؐ سے عرض کی یا رسول اللہ صلعم آپ کو حارثہ سے میرا تعلق معلوم ہے اگر وہ جنت میں ہوں تو صبر کروں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

جو رائے ہو کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے والدۂ حارثہ جنت ایک نہیں ہے بلکہ بہت سی جنتیں ہیں اور حارثہ اس کے افضل یا اعلیٰ درجے فردوس میں ہیں۔ حارثہؓ بن سراقہ عبادت اور ریاضت میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔

حارثہؓ بن نعمان

(صحابی) ابن نفع زید بن ثعلبہ بن غنم۔ ان کی والدہ جعدہ بنت عبید بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم تھیں۔ ابو عبداللہ کنیت تھی۔

حضرت حارثہ بدر واحد وخندق تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے زندگی بھر میں دو مرتبہ جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا۔ ایک دفعہ تو یوم الصورین میں جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے اور جبرئیل وحید بن حنیفۃ الکلبی کی شکل میں ہمارے پاس سے گزرے اور انھوں نے ہمیں مسلح ہونے کا حکم دیا۔

دوسرے موضع الجنائز کے دن جس وقت ہم لوگ حنین سے واپس آئے میں اس حالت میں گزرا کہ وہ آنحضور سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے سلام نہیں کیا۔ جبرائیل نے پوچھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حارثہ بن نعمان ہیں"۔ انھوں نے کہا کہ کیا یہ یوم حنین میں ان سو صابروں میں سے نہیں ہیں جن کے جنت میں رزق کا اللہ کفیل ہے؟ اگر یہ سلام کرتے تو ہم انھیں ضرور جواب دیتے۔

آخر عمر میں حارثہ بن نعمان کی نظر جاتی رہی تھی۔ انھوں نے اپنی جانماز سے حجرے کے دروازے تک ایک ڈوری باندھ رکھی تھی۔ پاس ہی ایک ٹوکری رکھ لی تھی جس میں کھجوریں وغیرہ تھیں۔ جب کوئی مسکین سلام کرتا تو وہ ان کا سلام کھجوروں سے لیتے۔

ڈوری پکڑ کر دروازے تک آتے اور مسکین کو دیتے۔ گھر والے کہتے کہ ہم آپ کے لیے کافی ہیں۔ جواب دیتے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ مسکین کو دینا بری موت سے بچنا ہے۔ حضرت حارثہ بن نعمان کے مکانات مدینے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکانات کے قریب تھے۔

حسان بن ثابت

ایک بلند پایہ صحابی، شاعر، قبیلہ خزرج سے تھے۔ کنیت ابو الولید انصاری تھی۔

بقول ابو عبیدہؓ تمام اہل عرب اس کے مداح خواں تھے۔ آپؐ کے حق میں فرمایا:

"مشرکین کی ہجو کرو کیونکہ جبرائیل علیہ السلام تمھاری مدد کرتے ہیں اور تمھارے ساتھ ہیں"۔

آپؓ ۱۲۰ برس زندہ رہے۔ ۶۰ سال بت پرستی میں اور ۶۰ سال اسلام کے دامن میں زندگی بسر کی۔

آپ سے حضرت عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ آپؓ کے لیے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منبر بچھایا جاتا تھا اور آپؓ سردار عالی میں میلاد شریف اور مناقب ومحامد فرمایا کرتے تھے۔

حمنہ بنت جحش

جحش کی بیٹی حضرت زینبؓ کی رضاعی بہن۔ حضرت مصبؓ بن عمیر کے ہمراہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور انہی سے نکاح ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے

مدینہ ہجرت کرنے لگے تو آپ بھی مدینہ ہجرت کر گئیں۔ آپ نے کئی جنگوں میں حصہ لیا۔

غزوۂ احد میں آپ شریک تھیں۔ آپ کے شوہر مصعبؓ بن عمیر نے اس غزوہ میں شہادت پائی۔ بعد میں حضرت حمنہ نے طلحہؓ سے نکاح کر لیا۔ آپ کی درست تاریخ وفات کا علم نہیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت زینبؓ کی وفات تک زندہ تھیں اور حضرت زینبؓ نے ۲۰ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کے حضرت طلحہؓ سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام محمد تھا جو محمد سجاد کے لقب سے مشہور ہوئے دوسرے کا نام عمران تھا۔

حنظلہؓ بن ابی عامر

آپ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ آپ کا باپ قبیلے کا بااثر مگر مسلمان دشمن آدمی تھا۔ حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر مسلمان ہو گئے مگر کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ جب آپ نے غزوۂ احد کے لیے نفیرِ عام سنی تو فوراً شمشیر بدست میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ جس وقت آپ نے غزوۂ احد کا اعلان نامہ سنا تو آپ اپنی زوجہ سے ہم بستر تھے اسی وقت اٹھے اور نہائے بغیر میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ ابوسفیان بن حرب رئیس کفار سے آپ کا مقابلہ ہوا۔ آپ اسے اٹھا کر زمین پر دے مارنا چاہتے تھے کہ شداد بن اسود لیسی نے دیکھ لیا۔ اس نے جھپٹ کر ایسا وار کیا کہ حضرت حنظلہؓ کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ حضرت حنظلہؓ چونکہ حالت جنابت میں شہید ہوئے تھے اس لیے فرشتوں نے آپ کو غسل دیا۔ حضور نے جب یہ حالت دیکھی تو فوراً فرمایا ان کی زوجہ سے دریافت کرو کیا بات تھی؟ حضرت حنظلہؓ کی بیوی نے پورا واقعہ بیان کیا جس پر حضور نے ارشاد کیا "اسی وجہ سے ملائکہ غسل دے رہے تھے"۔ اسی دن سے آپ کا لقب غسیل الملائکہ پڑ گیا۔

خارجہ بن زید

ایک صحابی جو قبیلہ خزرج کے مشہور خاندان اغبر سے تعلق رکھتے تھے۔ بیعت عقبہ میں اسلام قبول کیا۔ ہجرت کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ آ کر آپ کے ہاں قیام کیا تھا۔ آپ نے اپنی ایک بیٹی حبیبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نکاح میں دی تھی۔ ام کلثوم بنت ابی بکرؓ ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ اسی وجہ سے حضرت خارجہ حضرت ابوبکرؓ کے اسلامی بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ خسر بھی تھے۔ آپ غزوۂ بدر میں شریک رہے۔ اس غزوہ میں اُمیہ بن خلف کو آپ نے کئی آدمیوں کے ساتھ مل کر مارا۔ آپ غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئے اور بہادر کے جوہر دکھائے۔ اسی غزوہ میں آپ نے نیزوں کے دس سے زیادہ زخم کھائے اور شہید ہوئے۔ آپ کے بیٹے سعد بن ربیع بھی اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

خوات بن جبیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی، آپ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تمام غزوات میں حصہ لیا۔ بہادر اور شجاع تھے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنا سوار مقرر کیا تھا۔ شاعر مزاج اور زندہ دل صحابی تھے۔ آخری عمر میں بصارت جاتی رہی۔

خولہ بن حکیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیہ۔ آ سے کم وبیش پندرہ حدیثیں مروی

ہیں۔آپ کا نکاح حضرت عثمان بن مظعون سے ہوا۔ مدینہ میں ہجرت کی۔۲ ہجری میں حضرت عثمان نے وفات پائی تو خولہؓ نے دوسرا نکاح کیا۔

زید بن حارثہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آماد کردہ غلام اور صحابی۔ حضرت زیدؓ قبیلۂ کلب کے حارثہ بن شراحیل کے بیٹے تھے۔ ان کی ماں سعدیٰ بنت ثعبہ قبیلۂ طے کی شاخ بنی معن سے تھیں۔ حضرت زیدؓ کی عمر آٹھ سال تھی کہ ان کی ماں انھیں اپنے میکے لے کر گئیں۔ وہاں بنی قین بن جسر کے لوگوں نے ان کے پڑاو پر حملہ کیا اور لوٹ مار کے ساتھ جن آدمیوں کو وہ پکڑ کر لے گئے ان میں حضرت زیدؓ بھی تھے۔ پھر انھوں نے طائف کے قریب عکاظ کے میلے میں زیدؓ کو بیچ دیا۔ خریدنے والے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ انھوں نے زیدؓ کو مکہ لا کر اپنی پھوپھی کی خدمت میں نذر کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت خدیجہ کا نکاح ہوا تو حضرت خدیجہؓ نے زیدؓ کو بعثت سے قبل ہدیتاً آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر پندرہ سال تھی۔ کچھ مدت بعد حضرت زیدؓ کے باپ اور چچا کو پتہ چلا تو وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو چاہیں فدیہ لے لیں مگر ہمارا بچہ ہمیں دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اگر وہ تمھارے ساتھ جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ لیے بغیر چھوڑ دوں گا لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ اسے خواہ مخواہ نکال دوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بلا کر ان سے ان کی خواہش دریافت فرمائی۔ حضرت زیدؓ نے جواب دیا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت

زیدؓ کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع میں اعلان فرمایا کہ آپ سب گواہ رہیں آج سے زید میرا بیٹا ہے یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔ اسی بنا پر لوگ ان کو زیدؓ بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصب نبوت سے سرفراز ہوئے تو چار ہستیاں ایسی تھیں جنھوں نے ایک لمحہ شک و تردد کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کر لیا۔ ایک حضرت خدیجہؓ، دوسرے حضرت زیدؓ، تیسرے حضرت علی علیہ السلام اور چوتھے حضرت ابوبکرؓ۔ اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر ۳۰ سال تھی۔ ۴ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت زینبؓ اور ان کے رشتہ داروں نے اسے نامنظور کر دیا۔ اس پر قرآن مجید کی سورۂ احزاب کی آیت ۳۶ نازل ہوئی:

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی معاملے پر فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا"۔

اس آیت کے سنتے ہی حضرت زینبؓ اور ان کے خاندان والے راضی ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح پڑھایا۔ زیدؓ کی طرف سے دس دینار اور ۶۰ درہم مہر ادا کیا۔ کپڑے دیئے اور کچھ سامان خوراک گھر کے خرچ کے لیے بھجوا دیا۔ حضرت زینبؓ نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان کر زیدؓ کے نکاح میں جانا قبول کر لیا تھا لیکن اپنے دل سے وہ اس احساس کو نہ مٹا سکیں کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام ہیں اور ان کے اپنے ہی خاندان کے پروردہ ہیں۔ یہی بات تلخیوں کو بڑھانے کا سبب بنی۔ ایک سال سے کچھ ہی مدت زیادہ گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ حضرت زینبؓ کے بعد حضرت زیدؓ نے ام کلثوم بنت

عقبہ سے شادی کی جن کے بطن سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ان کی شادی ذرہ بنت ابی لہب سے ہوئی لیکن ان دونوں کو بھی حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔ انھوں نے ہند بنت عوام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ کنیز ام ایمنؓ سے بھی شادی کی تھی۔ ام ایمنؓ سے ان کے ہاں اسامہؓ پیدا ہوئے۔

حضرت زیدؓ بہادر سپاہی تھے۔ بدر سے موتہ تک تمام اہم غزوات میں شریک رہے۔ غزوہ مریسیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مدینہ منورہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں زیدؓ شریک ہوتے امارت کا عہدہ انہی کو عطا ہوتا۔ اس طرح وہ نو بار سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے۔ غزوہ موتہ میں شہادت پائی۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ اگر زیدؓ زندہ رہتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھی کو جانشین بناتے۔

زینبؓ بنتِ ابی سلمہ

بن عبدالاسد بن عمرو بن مخزوم، صحابیہ۔ حبشہ میں ام سلمہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ انھی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا (ابن سعد)۔ پہلے برہ نام تھا۔ آنحضور ؐ نے زینب نام رکھا (مسلم)۔ ۴ ہجری میں ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو حضرت ام سلمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ والدہ ماجدہ کے ساتھ زینب آنحضرتؐ کے آغوشِ تربیت میں آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل فرماتے تو انؐ کے منہ پر پانی چھڑکتے۔ اسی کی برکت سے بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب ورنگ باقی رہا۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی۔ دو لڑکے ہوئے ایک کا نام ابو عبیدہ تھا۔ ۶۳ ہجری میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام

آئے۔ حضرت زینبؓ نے ۷۳ ہجری میں انتقال فرمایا۔ وہ اپنے زمانے کی فقیہہ بیوی تھیں (اسد الغابہ)۔ جن محدثین نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: امام زین العابدین علیہ السلام، ابوعبیدہ، محمد بن عطاء، عراک بن مالک، حمید بن نافع، ابوسلمہ، کلب بن دائل، ابوقلابہ حرمی۔

زینبؓ بنتِ جحش

بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ، آنخضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن۔ امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی۔ نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں۔ ابتداء ہی میں سارا کنبہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلا گیا اوران کے خالی مکانوں پر قریش نے قبضہ کرلیا۔ ۴ ہجری میں حضرت زینبؓ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متنبیٰ زیدؓ بن حارثہ سے ہوا۔ ایک سال کے بعد حضرت زیدؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاع دینا چاہتا ہوں (ترمذی)۔ آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ شکایتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ربانی حکم نازل ہوا (احزاب ۲۸) اور حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔ نسائی اور طبری نے حضرت زینبؓ کے مزاج کی تیزی کا ذکر کیا ہے۔ حضرت زینبؓ ابتداء میں حضرت زیدؓ سے نکاح پر راضی تھیں لیکن جب آنخضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ احزاب کی یت ۳۶ پڑھ کر سنائی جو بطورِ خاص نازل ہوئی تھی تو حضرت زینبؓ تیار ہوگئی تھیں۔

عدت گزارنے کے بعد حضرت زینبؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ چار سو درہم مہر بندھا۔ دعوت ولیمہ میں تین سو افراد شریک ہوئے۔ آنخضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس دس کی ٹولیاں کر دی تھیں۔ باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے۔ ولیمے کی دعوت کے بعد آیت حجاب اتری (احزاب ۵۳)۔ یہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینبؓ کی عبادت و ریاضت کے باعث انھیں بہت محبوب رکھتے (نسائی)۔ ابن سعد کے مطابق وہ ہاتھ کی محنت میں اعتقاد رکھتی تھیں۔ چمڑوں کی دباغت اور منکوں کے ہار پرونے سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ راہِ خدا میں خیرات کر دیتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بارہ ہزار درہم سالانہ ان کا وظیفہ آیا تو آپؓ نے اس رقم کو ہاتھ تک نہ لگایا اور سب خیرات کر دی۔ تمام رقم تقسیم ہو چکی تو دعا کی خدایا اس سال کے بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ دعا قبول ہوئی اور اسی سال آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ازواج نبوی میں سے وہی (حضرت زینبؓ) رسول اللہ کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست گفتار، مخیرّ اور خدا کی رضا جوئی میں اتنی سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی (مسلم)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشن گوئی کی تھی کہ "مجھ سے میری بیویوں میں سب سے پہلے وہ آ ملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے"۔ ہاتھوں کی لمبائی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد فیاضی تھی۔ حضرت زینبؓ نہایت قانع اور فیاض تھیں۔ آپ نے ۲۰ ہجری میں ۵۳ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے آپ نے انتقال فرمایا۔ کفن کا سامان آپ نے خود کر لیا تھا۔ اسامہ بن زیدؓ محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے انھیں قبر میں اتارا۔ بقیع میں دفن ہوئیں۔ مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا جس کو ولید بن عبدالملک نے اپنے عہدِ حکومت میں پچاس ہزار درہم میں خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دیا (طبری)۔

زینبؓ بنت خزیمہ

بن حارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمناف بن بلال بن عامر بن صعصعہ۔ ازواج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے تھیں۔ فقراء اور مساکین کی خدمت کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت ہی میں آپ کا نام ام المساکین مشہور ہو گیا تھا۔ آپ کے پہلے شوہر طفیل بن حارث نے آپ کو طلاق دے دی تو آپ عبداللہؓ بن جحش کے نکاح میں آئیں۔ وہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان ۴ ہجری میں آپ سے شادی کی۔ چار سو درہم مہر ادا ہوا۔ دو تین ماہ بعد حضرت زینبؓ رحلت کر گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

سعد بن ابی وقاص

ایک نامور سپہ سالار اور صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ آپ کا نام سعد اور کنیت ابواسحاق ہے۔ سعد بن ابی وقاص کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کے چچازاد بھائی تھے۔ اسی لیے کئی مواقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ماموں کہہ کر بھی مخاطب کر لیا کرتے تھے۔ آپ اسلام کے آغاز میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں بعض علماء انھیں چھٹے اور بعض چوتھے مسلمان قرار دیتے ہیں۔ قبولِ اسلام کے وقت انکی عمر ۱۷ سال تھی۔ آپ نہ صرف تمام غزوات میں بھی شریک رہے بلکہ اسلام اور کفر کے تقریباً ہر معرکے میں شامل ہوئے۔ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں خالدؓ بن ولید کے واپس چلے جانے کے بعد الحیرہ میں المثنیٰ بن حارثہ نے فوج کی قیادت سنبھال لی لیکن جب ایران کے حملہ کر دینے کا خطرہ محسوس ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ سے کمک کی درخواست کی۔ اس پر حضرت عمرؓ پہلے تو فوج کی

کمان خود اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے تیار ہو گئے لیکن بعد میں آپ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو سپہ سالارِ اعظم کا عہدہ سونپ دیا۔ اس کے بعد آپ نے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ ایرانیوں پر چڑھائی کر دی اور قادسیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیئے۔ یہاں ۱۶ ہجری میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں سعدؓ خود عملی حصہ نہ لے سکے کیونکہ وہ بیمار تھے لیکن اپنی فوجوں کو برابر احکامات اور جنگی نقل و حرکت کے بارے میں ہدایات جاری کرتے رہے۔ بالآخر ساسانی سردار رستم کے مارے جانے کے بعد یہ جنگ ختم ہو گئی اور ایرانی شکست کھا کر مدائن کی طرف کوچ کر گئے۔

یہ شہر دریائے دجلہ کے کنارے آباد ہے لیکن ایرانی زیادہ عرصہ تک مدائن پر بھی قابض نہ رہ سکے اور ساسانی بادشاہ یزدگرد کو یہاں سے بھی بھاگ جانا پڑا۔ اس کے بعد سعدؓ اس شہر میں داخل ہوئے یہاں سے آپ کو بے شمار مالِ غنیمت بھی ہاتھ لگا۔ آپ نے مدائن کو ہی اپنا عارضی طور پر صدر مقام بنا لیا۔ اس سال حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص نے ایرانیوں کو جلولاء کے مقام پر شکستِ فاش سے دوچار کیا اور اس کے قریب ہی کوفے کی بنیاد رکھ دی۔ حضرت سعدؓ نے کوفے آ کر فوجی چھاؤنی قائم کر دی۔ یہ مسلمانوں کی پہلی چھاؤنی تھی۔ یہ نیا شہر تیزی سے ترقی کی جانب منازل طے کرنے لگا تو خلیفہ حضرتِ عمرؓ نے سعدؓ کو اس شہر کا حاکم مقرر کر دیا۔ یہاں آپ نے طاقِ خسرو سے ملتا جلتا ایک محل تعمیر کرایا۔ جسے حضرت عمرؓ نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ وہ مسلمانوں کو سادہ زندگی گزارتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو ۲۰ ہجری ۶۴۱ء میں اس عہدے سے برخاست کر دیا لیکن حضرت عمرؓ نے آپ کی عظیم الشان فوجی اور انتظامی خدمات کا شایانِ شان اعتراف کیا۔ جب حضرت عمرؓ بسترِ علالت پر تھے تو انھوں نے نئے خلیفہ کا چناؤ کرنے کے لیے جن چھ صحابہ کرام کو منتخب کیا تھا ان میں سے ایک

آپ بھی تھے۔

بعد میں حضرت عثمانؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو دوبارہ کوفے کی گورنری سونپ دی لیکن سعدؓ زیادہ عرصہ تک گورنر نہ رہے بلکہ جلد ہی انھیں ایک بار پھر برخاست کر دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپ نے سپاہیانہ زندگی گزار دی۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا انتقال ۵۰ ہجری/ ۶۷۱ء میں تقریباً ستر سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کو مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

سعد بن ربیع

خزرج قبیلہ کے سردار اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ممتاز صحابہ میں سے ایک تھے۔ آپ بیعت عقبہ اولیٰ میں مسلمان ہوئے۔ آپ کا نام اسلامی بھائی چارہ کا بہترین مظاہرہ کرنے والے انصاروں میں شامل ہے۔ آپ نے اپنے تمام مال و دولت، جائداد وغیرہ میں سے آدھا حصہ مہاجرین کو دے دیا تھا بلکہ آپ اس کام میں اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ مہاجر کو پیش کر دی تھی لیکن انھوں نے اس پیش کش کو بصد احترام شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا تھا۔ آپ کتابت بھی بہت اچھی کرتے تھے۔ غزوۂ احد میں آپ نے شرکت کی۔ دشمنوں کے ساتھ لڑائی میں آپ کے نیزوں سے بارہ زخم لگے۔ آپ نے اسی لڑائی میں جامِ شہادت نوش کیا۔ آپ کو ان کے چچا خارجہ بن ابی زبیر کے ساتھ ہی ایک قبر میں دفن کیا گیا۔

سعد بن عائذ

آپ حضرت عمارؓ بن یاسر جو مشہور صحابی تھے کے غلام تھے۔ عام طور پر سعدؓ بن

القرظ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مقامِ قبا میں موذن مقرر کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا تو حضرت بلالؓ نے اذان دینا ترک کر دیا۔ اس وقت ابوبکر صدیق نے سعد بن عائد کو مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اذان دینے کا کام سونپ دیا۔ یہاں آپ اپنے انتقال سے قبل تک اذان دتے رہے بعد میں آپ کی اولاد اور ورثاء نے اذان دینے کا کام کیا۔

سعد بن مالک

ایک ممتاز صحابی۔ آپ کا نسب کچھ یوں ہے: سعد بن مالک بن منان بن عبید بن ثعبتہ بن الابجر۔ آپ کی کنیت 'حزری' مشہور ہے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئی غزوات میں شامل ہوئے۔ آپ غزوۂ خندق میں بھی شامل تھے۔ آپ ایک بلند پایہ عالم اور فاضل شخص تھے۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی حدیثیں یاد تھیں۔ آپ کا انتقال ۴ ہجری میں ہوا۔

سعد بن معاذ

ایک ممتاز اور جلیل القدر صحابی۔ آپ کا تعلق بنی اوس سے تھا۔ آپ مدینہ منورہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ سعد بن معاذؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد بنوعبدالاشہل بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ حضور نے آپ کا لقب سید الانصار یعنی انصار کا سردار رکھا تھا۔ آپ کا شمار اپنی قوم کے پیشوا اور اکابر صحابہ میں کیا جاتا ہے۔ آپ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ استقلال اور جوانمردی سے کھڑے رہے۔ جنگ خندق میں بھی آپ شریک تھے۔ جنگ کے دوران آپ کی آنکھ میں

تیر لگا جس سے ایک ماہ تک خون جاری رہا۔ بعد میں آپ اسی زخم کے باعث ذیقعد ۵ ہجری میں صرف ۳۷ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ آپ کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

سعید بن مسیّب

نام سعید اور کنیت ابو محمد تھی۔ آپ کے والد مسیّب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کی پیدائش ۲ ہجری میں ہوئی۔ آپ کا شمار مدینہ کے سات مشہور فقہا میں ہوتا ہے۔ آپ بہت بڑے محدث اور امام تھے۔ جابر بن اسود نے جو آپ سے عبداللہ بن زبیرؓ کے حق میں بیعت لینے آیا تھا آپ کے بیعت سے انکار پر کوڑوں سے پٹوایا۔ عبداللہ بن زبیر کے بعد عبدالملک خلیفہ ہوا لیکن سعیدؒ بن مسیّب نے اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ آپ کو قید بھی ہونا پڑا۔ آپ کا انتقال ۹۴ ہجری میں ۷۵ سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ خواب کی تعبیر بتانے میں بہت ماہر تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق بھی تھا۔ لباس کے معاملے میں کوئی خاص اہتمام نہیں کرتے تھے لیکن صفائی پسند تھے۔ آپ کو حکومت کی جانب سے وظیفہ دیا جاتا تھا جسے آپ نے حکومت سے اختلاف کے باعث لینا بند کر دیا۔ چنانچہ آپ کی وظیفہ کی رقم بیت المال میں جمع ہونے لگی۔ یہ رقم آہستہ آہستہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ تیس ہزار ہوگئی۔ بیت المال کے منتظم کی جانب سے آپ کو بار بار بلایا جاتا رہا لیکن سعید بن مسیّب اس رقم کو لینے سے مسلسل انکار کرتے رہے۔

سوید بن صامت

صوید بن صامت مدینہ کے امراء سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی شرافت، شجاعت، اور ہمت کی وجہ سے اس کا لقب ''کامل'' پڑ گیا۔ ایک مرتبہ وہ مکہ کی زیارت کے لیے گیا تو

وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دعوتِ اسلام دی۔

سوید نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ''آپ کے پاس جو چیز ہے شاید ایسی ہی میرے پاس بھی ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے معلوم کیا کہ ''بتاؤ وہ کونسی چیز ہے؟'' سوید نے جواب دیا کہ ''حکمتِ لقمان''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے کچھ سنانے کو کہا۔ سوید نے لقمان کے چند مقولے سنائے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ واقعی بہت اچھی چیز ہے لیکن جو چیز میرے پاس ہے وہ اس سے بھی بہتر ہے۔ وہ قرآن حکیم ہے جو اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ وہ ہدایت اور نور ہے''۔ یہ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ قرآنی آیات سوید کو سنائیں اور پھر دعوتِ اسلام دی۔ قرآنی آیات سن لینے کے بعد سوید کہنے لگا کہ یہ کلام واقعتاً میرے کلام سے بہتر ہے۔ سوید بن صامت یہ کہتا ہوا چلا گیا لیکن باقاعدہ دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب خزرجیوں نے اسے قتل کیا تو اس وقت تک وہ مسلمان ہو چکا تھا۔

سہیل بن سعد

آپ کا اصل نام حزن تھا۔ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام تبدیل کر کے سہیل رکھ دیا۔ آپ کی کنیت ابو مالک تھا جنھوں نے ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ جنگ احد اور خندق کے وقت آپ کمسن تھے۔ اس لیے شریک نہ ہوئے۔ جب آپ کی عمر ۱۰ برس ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دیتے وقت کھڑے کھڑے تھک جایا کرتے تھے سہیلؓ بن سعد کو جب اس بات کا علم ہوا تو فوراً جنگل سے ایک لکڑی کاٹ لائے اور ممبر کے پاس ستون کی مانند کھڑا کر

دیا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھک جانے کی صورت میں اس لکڑی کا سہارا لے سکیں۔

آپ نے ۹۶ سال کی عمر پائی اور ۹۱ ہجری کو انتقال ہوا۔

۷۴ ہجری میں مدینہ کے گورنر حجاج بن یوسف نے دوسرے بزرگوں کے ساتھ ظلم وستم کرتے وقت آپ کی گردن پر بھی اپنے ظلم کی مہر ثبت کر دی تھی۔ آپ نے ۱۱۸۸ حدیثیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے ۲۸ پر تمام متفق ہیں۔

شقران صالح

نام صالح، لقب شقران۔ والد کا نام عدی، عبدالرحمٰن بن عوف مشہور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبشی نژاد غلام تھے جنھیں بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید لیا۔ آپ اسلام کے اولین دنوں میں مسلمان ہوئے۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور مستقل وہیں رہے۔ عموماً جنگوں میں قیدیوں کی حفاظت کرتے تھے۔ غزوہ بدر میں انھوں نے محافظت کے فرائض اس دیانت داری اور محنت سے ادا کیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر انھیں آزاد کر دیا۔

شماس بن عثمان

نہایت خوش شکل ہونے کے باعث شماس نام پڑا۔ اس سے قبل ابن عثمان کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔ مکہ سے حبشہ کو ہجرت کی اور وہی سے مدینہ چلے آئے۔ جنگ بدر میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جنگِ احد میں بھی دادِ شجاعت دی۔ جنگِ احد میں جبکہ دوسرے مجاہدین میدان چھوڑ چکے تھے آپ ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ آپ کو زخمی حالت میں مدینہ لایا گیا

لیکن جانبر نہ ہو سکے۔ ۳۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔

صفوانؓ بن معطل

نام صفوان اور کنیت ابو عمر تھی۔ آپ ۵ ہجری میں اسلام لائے اور غزوہ خندق و دیگر غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ عموماً فوج کے آخری حصہ پر مامور ہوتے تھے تاکہ فوج میں پیچھے رہنے والے لوگوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ چنانچہ غزوہ بنی مصطلق میں حضرت عائشہؓ پیچھے رہ گئیں تو آپ انھیں لے کر لشکر میں شامل ہوئے۔ اس پر چند منافقین کو غلط فہمی ہو گئی اور انھوں نے صفوانؓ اور حضرت عائشہ پر تہمت لگا دی۔ اس پر خدا کی جانب سے ایک وحی آئی جس میں اس بہتان اور تہمت کی نفی کی گئی تھی۔ آپ کو مذہبی مسائل کی بڑی جستجو رہتی تھی۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عجیب عجیب سوالات پوچھا کرتے جن کے جوابات سے آپ کی شرعی معلومات میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ نے چند احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی روایت کی ہیں۔

صفیہؓ بنت عبدالمطلب

عبدالمطلب جدِ رسول اللہ کی دختر۔ ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ اس بنا پر حضرت صفیہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی ہونے کے علاوہ خالہ زاد بہن بھی تھیں۔ حضرت حمزہؓ بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے وہ اور حضرت صفیہؓ حقیقی بھائی بہن تھے۔ آپ کی شادی ابوسفیان بن حرف کے بھائی حارث سے ہوئی جس سے آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد آپ کا نکاح حضرت خدیجہ کے بھائی عوام بنت خویلد سے ہوا جس

سے حضرت زبیرؓ پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیوں میں سے یہ شرف فقط حضرت صفیہ کو حاصل ہوا کہ وہ اسلام لے آئیں۔ آپ نے ۲۰ ہجری میں ۷۳ برس کی عمر میں انتقال کیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

صہیبؓ بن سنان

صحابیِ رسول۔ کنیت ابو یحییٰ، والد کا نام سنان، والدہ کا نام سہی بنت مقید مسکین الجزیرہ۔ والدہ اور چچا شہنشاہِ ایران کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے عامل تھے۔ رومی افواج ابلہ پر حملہ کے وقت انھیں اپنے ساتھ لے گئیں۔ یہ اس وقت کم سن تھے بڑے ہونے پر وہاں فروخت ہوئے اور بنو کلب خرید کر مکہ لے آئے۔ جس وقت وہ مکہ آئے اس وقت اسلام کی تبلیغ نہایت خاموشی سے ہو رہی تھی اور بڑی حد تک لوگ خفیہ طور پر اسلام قبول کر رہے تھے۔ قلب سعید میں پہنچ کر اسلام لے آئے۔ آپ اس جماعت میں شامل ہیں جو اشاعتِ اسلام کے اولین تین سالوں میں خفیہ طور رپ منظم مسلمانوں کی پہلی جماعت کہلائی۔ آپ رومیوں میں سب سے پہلے مسلمان تھے۔

آپ مہاجرین مکہ میں سے آخری مہاجر تھے جو ہجرت کر کے مدنہ گئے۔ آپ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے لہٰذا تمام غزوات میں برابر شریک ہوتے اور اپنی تیر اندازی کے جوہر دکھاتے۔ حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق ان کے بعد تین روز تک خلیفہ رہے جب تک کہ مجلس شوریٰ نے نئے خلیفہ کا انتخاب نہ کر لیا۔

مہمان نوازی اور سخاوت میں مشہور تھے۔ حاضر جوابی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں بھی بہت شہرت رکھتے تھے۔ ۳۸ ہجری میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقتدر صحابیہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

طلیبؓ ابن عمیر

نام طلیب کنیت ابوعدی۔ آپ کی والدہ اروی عبدالمطلب کی بیٹی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ مکہ میں ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئے اور اپنی والدہ کو بھی تبلیغ کے ذریعے مسلمان کرلیا۔ اسلام کے ابتدائی دنوں میں مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے۔ ان موقعوں پر حضرت طلیبؓ ہر طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچاتے اور مشرکین سے مقابلہ کرنے سے بھی نہ ہچکچاتے۔ چنانچہ مشرکین کا سرغنہ ابولہب جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں دینے میں سب سے آگے ہوتا تھا حضرت طلیبؓ کا ماموں تھا۔ اسے طلیبؓ نے بری طرح مارا جس سے تمام مشرکین برانگیختہ ہوگئے اور ابولہب نے اپنی بہن سے شکایت کی مگر انھوں نے کچھ نہ کہا۔

کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر جب مسلمانوں نے حبشہ کو ہجرت کی تو آپ بھی مکہ سے حبشہ چلے گئے۔ جہاں سے کچھ عرصہ بعد مدینہ واپس آ گئے۔ اور جنگِ بدر اور بعد کے سب معرکوں میں جانبازی سے حصہ لیا۔

عاصمؓ بن عدی

نام عاصم، کنیت ابوعمر، قبیلہ قضاء۔ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ ہجرت کے بعد دستِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسلام لائے۔ جنگِ بدر میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا کا والی بنا کر راستے ہی سے واپس کر دیا۔ بعد میں جنگِ احد اور دوسرے تمام غزوات میں شرکت کی۔ ۴۵ ہجری میں ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ علمِ حدیث سے کافی واقفیت تھی۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں ان کے نام سے

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث روایت ہیں۔ ان کی صاحبزادی سہلہ مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں تھیں جو قبیلۂ بنوزہرہ کے جید عالم اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہے۔

عامر بن ربیعہ

نام عامر، کنیت ابوعبداللہ، والد کا نام ربیعہ۔ ان کا خاندان حضرت عمرؓ کے والد خطاب کا حلیف تھا۔ خطاب نے حضرت عامرؓ کو متبنّیٰ کر لیا تھا اور وہ عام بن خطاب کہلانے لگے مگر بعد میں قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق اصل نسبت یعنی بن ربیعہ سے پکارے جانے لگے۔ بہر کیف اسی نسبت سے آپ کے حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ تادم آخر نہایت اچھے تعلقات قائم رہے اور انھوں نے بیت المقدس کے سفر میں بھی انھیں اپنے ساتھ رکھا۔ آپ نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور قریش کے مظالم سے تنگ آکر اپنی زوجہ ابی حشمہؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی جہاں سے لوٹ کر مدینہ چلے آئے اور بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم کا ساتھ دیا۔ بڑی لڑائیوں کے علاوہ تمام چھوٹے چھوٹے معرکوں میں بھی پیش پیش رہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے آخری دورِ خلافت میں جب مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی شروع ہوئی تو آپؓ گوشہ نشین ہو گئے اور تمام جھگڑوں سے الگ تھلگ ہو کر عبادت میں مصروف ہو گئے اور اسی حالت میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چند دن بعد وفات پائی۔

عبدالعلیم صدیقی قادری

سلسلہ قادریہ کے ایک مفکر، مقرر، ادیب، عالم اور مبلغ اسلام۔

۱۵ رمضان ۱۳۱۰ ہجری/ ۱۳ اپریل ۱۸۹۲ کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبدالحکیم صدیقی تھا جو درویش منش عالم اور بلند پایہ شاعر تھے۔ جوش تخلص تھا۔ مولانا عبدالعلیم نے سولہ سال کی عمر میں جامعہ اسلامیہ قومیہ میرٹھ سے درس نظامی کی سند حاصل کی۔ ۱۹۱۷ء میں بی اے پاس کرلیا اور پھر اسلامی تبلیغ کے لیے کمر بستہ ہوگئے۔ اس کے بعد بریلی پہنچے اور مولانا احمد رضا خان بریلوی سے قادری سلسلہ میں بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

انگریزی میں بہت روانی سے تقریر کرتے تھے۔ لاہور میں اکثر و بیشتر حضرت داتا گنج بخش پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مدرسہ نعمانیہ اور حزب الاحناف کے اجلاس میں شرکت کیا کرتے تھے۔

مولانا نے چالیس سال تک افریقہ، امریکہ، انگلینڈ، انڈونیشیا، سنگاپور، بلایا اور کئی دیگر ممالک میں اپنے محدود وسائل کے باوجود اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اس کے نتیجے میں پچاس ہزار سے زائد غیر مسلموں نے حلقۂ اسلام میں شمولیت اختیار کی۔ انھوں نے مختلف ممالک کے تبلیغی دورے کیے۔ مذاہبِ عالم پر کانفرنسیں منعقد کیں، تبلیغی سوسائٹیاں، لائبریریاں، کالج اور مسجد قائم کیں۔ ۱۹۵۱ء میں پوری دنیا کا طویل دورہ کیا جس سے مختلف ممالک کی کئی با اثر اور صاحبِ علم شخصیات نے تاثر قبول کیا۔

ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں 'ذکر حبیب' کتابِ تصوف، بہار شباب اور کئی دوسری کتابیں شامل ہیں۔

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ/ ۲۲ اگست ۱۹۵۱ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

آپ کے صاحبزادوں میں بین الاقوامی شہرت کے مالک مولانا شاہ احمد نورانی ہیں جو

اس وقت پاکستان کی معروف سیاسی ومذہبی جماعت جمیعت علماء پاکستان کے مرکزی صدر ہیں۔

عبداللہ بن ارقمؓ

نام عبداللہ، والد کا نام ارقم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ ارقم کی پھوپھی تھیں۔ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مراسلت وکتابت کا سارا کام سپرد کر رکھا تھا۔ تمام امراء اور سلاطین کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہی خط لکھتے تھے اور خفیہ خط وکتابت بھی انھی کے ذریعے ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی یہی خدمت انجام دیتے رہے۔ علاوہ ازیں بیت المال کی نگرانی بھی کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اس عہدے سے مستعفی ہوگئے۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی۔ ۳۵ ہجری میں انتقال کر گئے۔ ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔

عبداللہ بن انیس جہنی

نام عبداللہ، کنیت ابو یحیٰی، قبیلہ قضاعیہ۔ عقبہ ثانیہ سے پیشتر مسلمان ہوئے۔ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور تمام جنگوں میں آپ کا ساتھ دیا۔ بہت پرہیز گار اور عبادت گزار تھے۔ لیلۃ القدر کے لیے رمضان کی تیسویں شب کا تعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے اصرار پر فرمایا۔ اسی لیے اسے لیلۃ الجہنی بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث سننے کا بہت شوق تھا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو یاد رکھتے اور پھر دوسرے مسلمانوں کو سناتے۔ چنانچہ ۲۴ روایتیں آپ کے نام سے منسوب ہیں جو کتب احادیث میں منقول ہیں۔

آپ نہایت جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ ۵۴ ہجری میں معاویہ کے دورِ خلافت میں انتقال فرمایا۔

عبداللہ بن جحش

قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ کے ایک فرد۔ یہ قبیلہ قریش کے بنو امیہ کا حلیف تھا۔ عبداللہ کی والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ وہ اپنے بھائیوں عبیداللہ اور ابو احمد کے ساتھ ابتدائی زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے اور عبیداللہ کے ساتھ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت میں شریک تھے۔

عبیداللہ نے وہاں عیسائیت اختیار کر لی اور وہیں فوت ہوا۔ لیکن عبداللہ مکے لوٹ آئے جہاں وہ حلف (اتحاد قبائل) کے ایک گروہ کے ممتاز ترین فرد تھے۔ اسی حلف میں ان کی بہن زینب بھی شامل تھیں۔ ان سب نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ نخلہ کے سریہ کے قائد تھے۔ غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے۔ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر چالیس اور پچاس برس کے درمیان تھی۔

عبداللہ بن جعفر

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب حضرت علی علیہ السلام کے بھتیجے۔ عبداللہ کے والد نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ حبشہ کی جانب مسلمانوں کی پہلی ہجرت میں شریک تھے۔ عام خیال یہ ہے کہ عبداللہ کی ولادت وہیں ہوئی تھی۔ اپنی والدہ کی طرف سے وہ محمد بن ابی بکر کے بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام اسماء بنت عمیس خشعمیہ تھا۔

چند سال بعد عبداللہ کے والد انھیں ساتھ لے کر مدینہ واپس آ گئے۔ عبداللہ اپنی

سخاوت کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ ان کا اعزازی لقب ''بحر الجود'' (سخاوت کا سمندر) ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سیاست میں کوئی اہم حصہ نہیں لیا۔ اگر چہ حضرت علی علیہ السلام کے عہدِ خلافت اور اس کے بعد کہیں کہیں ان کا نام نظر آ تا ہے۔ جب معاویہ نے مصر کے بہادر والی قیس بن سعد کو حضرت علی علیہ السلام کی نگاہوں سے گرانے کے لیے مورد شہادت بنانے کی کوشش کی تو عبداللہؓ نے حضرت علی علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ قیس کو برطرف کر دیا جائے۔ حضرت علی علیہ السلام نے یہ بات مان لی اور قیس کی جگہ محمد بن ابی بکر کو والی مقرر کرنے کا اقدام کیا جن کے بہت ہی مختصر زمانے میں مصر کی ساری مملکت بدترین انتشار و بدنظمی کا گہوارہ بن گئی۔ یہ واقعہ ۳۶ھ/ ۶۵۶ء ۔ ۶۵۷ء میں رونما ہوا۔ جب ۶۰ ہجری میں یزید کے تخت نشین ہونے پر شیعیان کوفہ نے امام حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کو اپنے شہر آنے اور خلیفہ ہونے کا اعلان کرنے پر آمادہ کر لیا تو عبداللہ نے دیگر بعض اشخاص کیساتھ مل کر امام حسین علیہ السلام کو اس قسم کی خطرناک طالع آزمائی سے روکنے کی کوشش کی جو بے نتیجہ رہی۔

عبداللہ کی وفات کی تاریخ عام طور پر ۸۰ ہجری یا ۸۵ ہجری بیان کی جاتی ہے لیکن بعض جگہ ۸۷ اور ۹۰ ہجری بھی مذکور ہے۔

عبداللہ بن حنظلہؓ

بن ابی عامر انصاری۔ مدینے میں یزید اول کی خلافت کے خلاف برپا ہونے والی انقلاب کا ایک سربراہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس صحابی کا بیٹا جو جنگ احد میں شہید اور ''غسیل الملائکہ'' کے لقب سے معروف ہوئے۔ عبداللہ اپنے والد کی شہادت کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اسے ''ابن الغسیل'' بھی کہتے ہیں۔

۶۲ ہجری/ ۶۸۲ء میں مدینے کے والی عثمان بن محمد نے مدینے سے ان لوگوں کا

ایک وفد دمشق بھیجا تھا جو نئے خلیفہ سے ناراض تھے تا کہ ان کے اور بنو امیہ کے درمیان مصالحت کی کوئی سبیل نکل آئے۔ یہ عبداللہ بھی اس وفد میں شامل تھا۔ یزید نے مدینے کے ان سفیروں کی خاص طور پر خاطر مدارت کی لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس کی مذمت کی اور اسے خلافت کے لیے نااہل قرار دیا۔ ابن الغسیل خلیفہ پر اعتراضات کرنے میں پیش پیش تھا۔ لہٰذا تھوڑے دن بعد انصار نے یزید کے خلاف جب کھلم کھلا بغاوت کر دی تو انھوں نے اسے اپنا رئیس چنا۔ جبکہ قریشِ مدینے کا قائد عبداللہ بن مطیع بنا۔ جب اموی خاندان کے افراد مدینے سے نکال دیے گئے تو خلیفہ مدینے کے باغیوں کے لیے فوجی طاقت استعمال کرنے پر مجبور ہو گیا۔

۶۳ ہجری میں اس نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں مدینے کی طرف ایک فوج بھیجی جس نے مدینے کے مشرق میں حرہ کے محفوظ مقامات پر مورچے جما لیے اور تین دن انتظار کر کے اہل مدینہ سے خونریز جنگ کی۔ جو مخالفوں کی شکست پر ختم ہوئی۔

عبداللہ نے جنگ کے دوران میں شجاعت کے خوب جوہر دکھائے لیکن شامیوں کے عاملوں نے اسے مار گرایا۔

عبداللہ بن عبدالمطلب

عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف بن قصی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ ماجد ان کی اور ابو طالب کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران مخزومی تھیں۔ جناب عبداللہ اور ام الحکیم البیضاء توام پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ جناب عبدالمطلب کی آخری اولاد تھے۔ ''سیرت النبی'' کے مطابق ان کے دس یا بارہ بھائی تھے۔ ان میں زبیر، ابو طالب، ابولہبؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کسی نہ کسی خصوصیت اسلام یا کفر کی وجہ سے مشہور ہیں۔

انکی ولادت غالباً ۵۵۴ء میں ہوئی۔

ان کی زندگی کے اہم واقعات میں ان کی قربانی کا واقعہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کر دی تو قربانی کا عزم کیا۔ قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ بعد میں بہنوں کی التجا اور اہلِ قریش کی استدعا سے عبداللہ کی قربانی کی بجائے سو اونٹوں کی قربانی دی گئی۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "ابن ذبیحین" یعنی حضرت اسمٰعیل اور عبداللہ والد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے۔

جناب عبداللہ کی شادی قبیلۂ زہرہ کی ممتاز خاتون حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف سے ہوئی۔ شبلیؒ نے سیرت النبی میں اس وقت ان کی عمر ۱۷ برس سے کچھ زیادہ اور الزرقانی نے ۱۸ برس لکھی ہے۔

قریش تجارت پیشہ لوگ تھے۔ جناب عبدالمطلب کے بیٹوں کا بھی یہی شغل تھا۔ الزرقانی کی روایت کے مطابق جناب عبداللہ نکاح کے بعد قیرش کے قافلے کے ساتھ شام گئے جہاں قریش عموماً جایا کرتے تھے مگر وہاں بیمار ہو گئے۔ واپسی پر چونکہ کمزوری زیادہ تھی اس لیے مدینے ہی میں ٹھہر گئے۔ وہ ایک ماہ تک علیل رہے۔ یہاں بنونجار نے تیمارداری کی ۔ادھر قافلے والوں نے مکے آ کر عبدالمطلب کو خبر کی۔ عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے حارث کو اور الزرقانی کی روایت کے مطابق زبیر کو مدینے روانہ کیا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو جناب عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ الزرقانی کے مطابق یہ واقعہ یکم رمضان (اکتوبر ۵۷۰ء) عام الفیل سے چار ماہ ۱۷ دن پیشتر مدینے پیش آیا۔ وہ وہیں دفن ہوئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ عبداللہ ابواء میں دفن ہیں لیکن طبری کی روایت کے مطابق ان کی قبر مدینے میں موجود ہے۔

وفات کے وقت عبداللہ کی عمر تقریباً ۱۸ سال تھی۔ اس وقت عیسوی سن شاید ۵۷۰ تھا۔ البلاذری وغیرہ نے ۲۵، ۲۸ اور ۳۰ سال لکھی ہے۔

عبداللہ کی واحد اولاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جو وفات کے چھ ماہ بعد (ربیع الاول عام الفیل) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیم کہا گیا ہے۔

شبلی نعمانیؒ کے مطابق عبداللہ نے ترکے میں پانچ اونٹ، کچھ بکریاں، ایک تلوار اور ایک لونڈی ام ایمن نامی چھوڑی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ورثے میں ملیں۔

عبداللہ بن عمر بن حرام

نام عبداللہ، کنیت ابو جابر، قبیلہ بنو سلمہ۔ مشہور صحابی ابو جابر کے والد۔ اپنے قبیلے کے ممتاز فرد تھے۔ بعثتِ نبوی کے تیرھویں سال ایمان لائے اور بنو سلمہ کے نقیب مقرر ہوئے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کی اور غزوہ احد میں ۳ ہجری میں وفات پائی۔ انھوں نے حضرت جابرؓ کے علاوہ نو بیٹیاں چھوڑیں۔ وفات سے پہلے حضرت جابرؓ کو نصیحت کی کہ اپنی بہنوں کی نگہداشت کرنا اور میرا قرض ادا کرنا۔ حضرت جابرؓ نے حرف بحرف تعمیل کی۔ اشاعتِ اسلام میں آپؓ نے بہت زیادہ سرگرمی دکھائی۔ کردار کے لحاظ سے بھی افضل اور ممتاز صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے بھائی کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے تھے۔ چھ ماہ بعد حضرت جابرؓ نے قبر کھود کر لاش نکال لی تا کہ انھیں علیحدہ دفن کریں۔ دیکھا کان کے سوا باقی تمام جسم صحیح و سالم تھا گویا ابھی دفن کیے گئے ہوں۔

عبداللہ بن مسعود

عبداللہ بن مسعود ابو عبدالرحمٰن ۔صحابی رسول ۔۱۲ عام الفیل میں پیدا ہوئے ۔رسول اللہ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے بیشتر کی طرح وہ بھی معاشرہ مکہ کے اونیٰ طبقے میں سے تھے۔ جوانی میں عقبہ بن ابی معیطہ کے مویشی چراتے تھے۔اسی لیے بعد کے زمانے میں سعد بن ابی وقاص نے ایک بحث کے دوران میں انھیں ایک ہذلی غلام کہا تھا۔

انھیں عام طور پر بنی زہرہ کا حلیف بتایا جاتا ہے۔عبداللہ کا بھائی عقبہ اور ان کی ماں اُم عبد قدیم تر صحابہ میں سے ہیں۔

ان کے قبول اسلام کو ایک معجزہ سمجھا گیا ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر رہے تھے تو ان کی ملاقات اس دوران عبداللہ سے ہوئی جو بکریوں کا ایک ریوڑ چرا رہے تھے۔حضرت ابوبکرؓ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ مانگا تو عبداللہ نے اپنی ایمانداری کے باعث ان بکریوں کا دودھ دینے سے انکار کر دیا۔اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن دودھ کی بھیڑ کو پکڑ لیا اور اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔تھن بڑے ہو گئے اور ان میں بہت مقدار میں دودھ نکل آیا۔اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھنوں کو ویسا ہی کر دیا جیسے کہ وہ تھے۔

عبداللہ بن مسعود اولین صحابہ میں سے تھے چنانچہ وہ فخریہ طور پر اپنے آپ کو چھ میں سے چھٹا کہا کرتے تھے۔

دوسری روایت کے مطابق وہ اس وقت ایمان لائے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی ارقم کے گھر میں نہیں گئے تھے۔ بلکہ وہ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے بھی ایمان لائے۔قبول اسلام کے وقت ان کی عمر انیس بیس سال تھی۔کہا جاتا ہے کہ انھوں نے

مکے میں سب سے پہلے علی الاعلان قرآن مجید پڑھا۔ حالانکہ ان کے دوست انھیں اس بات سے روکتے تھے کیونکہ ان کی پشت پر انکی حفاظت کے لیے ان کا اپنا قبیلہ کوئی نہیں تھا۔ روایات کی رو سے وہ دوبارہ حبشہ گئے تھے۔

مدینے میں وہ بھی مسجد نبوی کی پشت پر رہتے تھے۔ عبداللہ اور ان کی والدہ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں آنا جانا کافی تھا۔

عبداللہ کی ٹانگیں پتلی تھیں، بال سرخ اور لمبے تھے۔

جنگ بدر میں ابوجہل سخت زخمی ہو گیا تو وہ اس کا سر کاٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے۔ عبداللہ نے برموک کی جنگ میں بھی حصہ لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فتنہ ارتداد کے دوران جن لوگوں کو مدینے کے کمزور مقامات کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا عبداللہ ان میں شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں کوفے کا بیت المال کے انتظام اور اسلام کی تلقین کے لیے بھیجا۔

قرآن وسنت کا عالم ہونے کی وجہ سے لوگ اکثر ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے ۸۴۸ احادیث مروی ہیں۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتے وقت ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا تھا جو کچھ بیان کرتے نہایت احتیاط سے بیان کرتے تھے مبادا کوئی غلط بات کہہ دیں۔ حرمت شراب کی ایک نرم تر تعبیر ان سے منسوب کی جاتی ہے۔

ان کے انجام کے متعلق متضاد روایات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے انھیں ان کے کوفے کے عہدے سے معزولکر دیا تھا۔ جب لوگوں کو خبر ملی تو انھوں نے روکنا چاہا لیکن انھوں نے کہا ''مجھے جانے دو کیونکہ اگر فتنے برپا ہونے والے ہیں تو میں ان کا باعث

نہیں بننا چاہتا''۔ ایک اور حوالے میں ان کی معزولی حضرت عثمانؓ سے منسوب ہے۔ وہ مدینے واپس چلے آئے اور ۳۲ یا ۳۳ ہجری میں ساٹھ سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔

انھوں نے زبیرؓ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ ایک روایت میں ان کی وفات کوفے میں ہوئی۔ عبداللہ کی زیادہ تر شہرت محدث و مفسر قرآن کی ہے۔ مسند احمد میں ان کی روایات کردہ احادیث جمع ہیں۔

عتبان بن مالک

نام عتبان، قبیلہ سالم، ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔ جنگ بدر میں شامل تھے۔ اس کے بعد نابینا ہو جانے کے باعث باقی غزوات میں شریک نہ ہو سکے۔ بڑے پائے کے صحابی اور بزرگ تھے۔ علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ مسجدِ بنو سالم کے امام مقرر کیے گئے۔ اور عمر بھر اسی عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ مسجد اور مکان کے درمیان ایک وادی تھی جس میں پانی جمع رہتا تھا۔ آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ نابینا ہوں گھر سے مسجد تک جانا دشوار ہے۔ اجازت ہو تو گھر پر ہی نماز ادا کر لیا کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا اذان کی آواز گھر تک پہنچتی ہے۔ فرمایا ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جب آپ اذان کی آواز سن سکتے ہیں تو مسجد میں جا کر نماز ادا کیا کیجیے۔

قرآن و حدیث سننے کا اس قدر شوق تھا کہ قبا میں رہنے کی وجہ سے دربار رسالت دو میل دور پڑتا تھا اور آپ نابینا تھے۔ اس لیے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک دن حاضر ہو کر جو کچھ سنتے حضرت عمرؓ کو آ کر سنا دیتے۔ دو دن سے دن

آپ نہ جاتے اور حضرت عمرؓ جا کر سن آتے تو گھر آ کر آپ کو سناتے۔ چنانچہ حدیث میں آپ کے حوالے سے بہت سی احادیث درج ہیں۔

اتباع رسول کا یہ عالم تھا کہ باوجود نابینا اور عمر رسیدہ ہونے کے رسول اللہ کے حکم کے اتباع میں مسجد میں جا کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔

عثمانؓ بن عفان

عثمانؓ بن عفان بن ابی العاصی بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ تیسرے خلیفہ راشد۔ قریش کی مشہور شاخ بنو امیہ میں سے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں قریش کا قومی علم عقاب جنگ کے وقت اسی خاندان کے سپرد ہوتا تھا۔

حضرت عثمانؓ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ان کی والدہ کا نام اروی بنت کریز ہے اور نانی ام حکیم البیضاء بنت عبد المطلب۔ ان کی نانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں اور آنحضرت کے والد عبد اللہ کی بہن۔

حضرت عثمانؓ کی ولادت عام الفیل کے چھ سال بعد ۶۷ھ میں ہوئی اس طرح وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھ سال چھوٹے تھے۔ ان کا شمار ان چند ایک لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بھی وحی لکھنے پر مامور کیا۔ اس طرح وہ وحی کے کاتبوں میں بھی شمار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معتمد کے فرائض بھی انھوں نے انجام دیئے۔

بہت نیک فطرت تھے۔ قبل اسلام کی زندگی میں بھی ان کا دامن آلودگیوں سے بچا رہا۔ شرم اور حیا ان کے اعلیٰ اخلاق کا امتیاز تھا۔ مسلمانوں میں کامل الحیاء والا ایمان کے

الفاظ حضرت عثمان کے لیے ہی استعمال کیے گئے ہیں۔

جوانی میں انھوں نے اہلِ قریش ہی کی طرح تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ اپنی دیانت اور صداقت کے باعث تجارت میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ وہ مکے کے معاشرے میں ایک ممتاز، معروف اور دولت مند تاجر کی حیثیت سے مشہور تھے اور غنی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

حضرت عثمان کا شمار سابقون الاولون، عشرہ مبشرہ اور ان چھ اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کے گہرے مراسم تھے اور ان ہی کی تبلیغ و تحریک پر انھوں نے اسلام قبول کیا۔ انھوں نے بعثت نبوی کے آغاز ہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور پھر عمر بھر اپنی جان و مال و دولت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں مشغول رہے۔ خود حضرت ابوبکر اور حضرت زیدؓ بن حارث کے بعد اسلام قبول کرنے والے پہلے شخص تھے۔

گو وہ قریش کے معزول افراد میں سے تھے لیکن اسلام قبول کرنے پر انھیں بھی سختیوں اور ایذا رسانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؓ کا چچا حکم بن ابی العاصی رسیوں سے جکڑ کر مارا کرتا لیکن ان کے استقلال میں فرق نہ آیا۔

بعثت کے پانچویں سال حبشہ کو ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمانؓ اور ان کی زوجہ حضرت رقیہؓ شامل تھیں۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی ہجرت تھی یعنی حضرت عثمانؓ اول المہاجرین تھے۔ حبشہ میں قیام کے دوران انکے ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اسی لیے حضرت عثمان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔

دوسری ہجرت انھوں نے مدینہ کی طرف کی۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری کے بھائی اوس بن ثابتؓ سے ان کی مواخات کر

دی۔ اس تعلق سے دونوں گھرانوں میں انس و محبت بہت بڑھ گیا۔ اسی لیے جب حضرت عثمان کی شہادت ہوئی تو حضرت حسانؓ نے ایک دردناک مرثیہ کہا اور تمام عمر اس سانحہ پر رنجیدہ رہے۔

آپؓ بڑے مالدار تاجر تھے اور حد درجہ سخی اور فیاض بھی۔ اپنا مال ہمیشہ رفاہی و اسلامی امور پر بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ غزوات کے موقع پر خصوصاً ان کا مال بے تحاشا کام آتا تھا۔ ان کی فیاضی اور سخاوت کے واقعات اسلامی تاریخی کتب میں جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔

آپؓ عہد نبوی کے تمام غزوات میں شامل تھے۔ غزوہ بدر کے موقع پر ان کی زوجہ حضرت رقیہ علیل تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ان کے پاس ہی ٹھہرنے کے لیے کہا اور فرمایا کہ تمھیں اس جنگ میں شریک لوگوں جیسا اجر اور مالِ غنیمت ملے گا۔ اسی لیے غزوہ بدر میں شامل مجاہدین کی جو فہرست بخاری میں چھپی ہے اس میں آپؓ کا نام درج ہے۔ غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ بنی غطفان دونوں مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

حضرت عثمانؓ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ وہ ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ذی القعد ۶ ہجری میں اہلِ مکہ کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ اسی کے نتیجے میں بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ کے واقعات پیش آئے۔

حضرت عثمانؓ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں ان کے مشیر تھے اور بعض دیگر صحابہ کے ساتھ افتا کی خدمت بھی انہی کے سپرد تھی اور کاتب کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں وہ مجلس شوریٰ کے ممتاز ارکان میں شامل رہے۔ عثمانؓ کی فضیلت صحابہ کرام میں تسلیم شدہ ہے۔ نافع نے عبداللہ

بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اثنائے گفتگو میں نام لیتے وقت یہ ترتیب اختیار کیا کرتے تھے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ وعثمانؓ اس سے ان حضرات کا درجہ فضیلت مدِنظر تھا۔

حضرت عمرؓ جب ابولؤلؤ کے خنجر سے مجروح ہوئے اوران کی زندگی کی امید باقی نہ رہی تو صحابہؓ نے ان کے سامنے ان کے جانشین کا مسئلہ پیش کیا تو انھوں نے فرمایا ''اگر امین الامت ابوعبیدہؓ بن جراح زندہ ہوتے تو میں انھیں اپنا جانشین بنا دیتا''۔ جب عمرؓ کی حالت زیادہ بگڑتی نظر آئی تو پھر جانشین کا مسئلہ پیش ہوا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''میں اس امر کا حقدار ان لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں پاتا جن سے رسول اللہ اپنی وفات تک راضی رہے۔ پھر انھوں نے عشرہ مبشرہ میں سے مندرجہ ذیل چھ اصحاب کی ایک مجلس قائم کردی۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ اور عبدالرحمانؓ بن عوف۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی مشورے کے لیے ان کے ساتھ کردیا لیکن ساتھ ہی اپنے خاندان کو خلافت سے محروم کردیا۔

عثمانؓ بن مظعون

قدیم ترین اور فاضل صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شمار ہوتے ہیں۔ کنیت ابوالسائب تھی۔ ان سے پہلے فقط تیرہ افراد اسلام لائے تھے۔ حبشہ کی ہجرت میں شریک تھے۔ بعد میں واپس آ گئے تھے۔ پھر عثمان نے مدینے کو ہجرت کی۔ ان کے صاحبزادے سائب ان کے ہمراہ تھے۔ عثمانؓ کے بھائی قدامہؓ، عبداللہ اور سائبؓ بھی مہاجر اور بدری تھے۔ انھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی اور ۳ ہجری میں وفات پائی۔ وہ پہلے مسلمان تھے جو بقیع الغرقد میں مدفون ہوئے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی نگاہ میں ان کی جو وقعت تھی اس کا اندازہ اس رنج وغم سے ہوتا ہے جس کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمانؓ کی میت دیکھ کر کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو ان کی قبر کے نزدیک دفن کیا۔

عثمانؓ بہت زاہد، عابد اور متقی انسان تھے۔ عبادت وریاضت میں بھی ممتاز تھے۔ شراب کے ممنوع قرار دیئے جانے سے قبل ہی ان سے اجتناب کرتے تھے۔ رات بھر نوافل پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے۔

عمرو بن زبیرؓ

صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ عروہ بن زبیر بن عوام اسدی۔ قریش، مدنی، کنیت عبداللہ، مدینہ منورہ کے قدیم ترین محدثوں اور ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ ان کا شمار مدینے کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔ ۲۳ ہجری اور ۲۹ ہجری کے درمیان کسی سال میں پیدا ہوئے اور ۹۱ ہجری ۹۹ ہجری کے مابین وفات پائی۔

ان کی والدہ حضرت عثماءؓ بنت ابوبکر صدیق ہیں۔ گویا وہ حضرت ابوبکرؓ کے نواسے ہیں۔ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام بن خویلد ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم زلف تھے۔

وہ اپنے بڑے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ سے بیس پچیس برس چھوٹے تھے۔ اپنے زمانے کی سیاست سے الگ تھلگ رہ کر علمی مشاغل میں منہمک رہے۔ جب ۷۳ ہجری میں عبداللہ بن زبیر کو حجاج نے شکست دی تو کچھ عرصے بعد وہ مدینہ منورہ واپس آ گئے اور وفات تک اپنی ہی جائیداد کو وسیلۂ معاش بنا کر ہمہ تن علمی کاموں میں مصروف رہے۔ یہیں

انھوں نے خلیفہ عبدالملک کی فرمائش پر اسلام کے دور کے متعلق مراسلات کا ایک سلسلہ غالباً خلیفہ کے نام خطوط کی شکل میں لکھنا شروع کیا۔

انکے متعلق روایت ہے کہ ہر رات ایک چوتھائی قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ جب ان کا سرطان زدہ پاؤں کاٹا گیا تو انھوں نے اف تک نہ کی۔

حضرت عروہؓ اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ان کی وفات سے تین سال پہلے تک بہت احترام کے ساتھ حاضر ہوتے رہے اور ان سے سن کر بہت سی اہم احادیث جمع کر لیں۔ اسی طرح انھوں نے اپنے والدین نیز حضرت علی علیہ السلام اور حضرت ابو ہریرہؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔

خود ان سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان میں محمد بن مسلم، ہشام سلیم بن یسار، عبداللہ، عثمان اور خود حضرت عروہؓ کے صاحبزادے محمد شامل ہیں۔ انھوںؒ نے ایک کتب خانہ جمع کر لیا تھا جن میں تاریخی و فقہی دونوں طرح کی کتابیں تھیں۔ ایک کتاب ''المغازی'' تصنیف کی تھی۔ ان کی مرویات کی خصوصیت یہ ہے کہ باقاعدہ اسناد کے بغیر روایت کرتے ہیں۔ اسناد کا دستور بعد میں رائج ہوا۔

عقیل بن ابی طالب علیہ السلام

ہاشمی قریشی۔ کنیت ابو یزید۔ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت جعفر طیار کے بڑے بھائی تھے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی، گرفتار ہوئے اور حضرت عباسؓ فدیہ دے کر رہائی دلائی۔

صلح حدیبیہ کے بعد انھوں نے اسلام قبول کیا۔ ۸ ہجری میں مدینے کو ہجرت کی۔ ایک مدت تک صاحبِ فراش رہے۔ اسی باعثِ جنگ موتہ کے بعد کسی غموے میں ان کا ذکر نہیں۔

خوشحال آدمی تھے اور کافی خدم وحشم رکھتے تھے۔ غالباً ۵۰ ہجری ،۶۷۰ء میں وفات پائی۔ مدینے منورہ میں دفن ہوئے۔ اپنے پیچھے کئی بیٹے چھوڑے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے (یزید کے خلاف) جہاد میں ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک یعنی مسلم کو ابن زیاد نے قتل کیا اور باقی جو تعداد میں چھ یا نو تھے میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔

عقیل علم الانساب اور تاریخ قریش پر مسلمہ سند تسلیم کیے جاتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں قریش کے چار حکموں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے انھیں فہرست وظائف کی تدوین میں مدد دینے کے لیے بلایا تھا۔

بہت خوش بیان، خوش مزاج اور ہنس مکھ آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب

مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ راشد۔ نام عمر، سلسلہ یوں ہے: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراع بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ عدی پر سلسلۂ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے آملتا ہے حضرت عمرؓ کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ اپنی قوم میں موروثی طور پر عالی مرتبت شخصیت تھے۔ قریش خاندان کے فیصلے آپ ہی کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے والد خطاب قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔ ان کی ایک شادی قریش فوج کے سپہ سالار کی بیٹی حنتم سے ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ حنتم کے بطن سے تھے۔

حضرت عمرؓ کی ولادت مشہور روایات کے مطابق ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۴۰ برس پہلے ہوئی تھی۔ سن رشد کو پہنچ کر قومی روایات کے مطابق آپؓ نے اونٹ وغیرہ بھی

چرائے۔ ضجناں نامی ایک جگہ جو مکے کے قریب ہے حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں اسے دیکھا اور آبدیدہ ہو کر رونے لگے ایک زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ سے مار کھانی پڑتی۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا مجھ پر کوئی حاکم نہیں۔

آغاز شباب میں حضرت عمرؓ عرب کے معمول کے مطابق تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت تعلیم میں نسب دانی، شہسواری، سپہ گری، پہلوانی اور مقرری تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان میں کمال حاصل کیا۔ شاعری کا ذوق بھی عمدہ رکھتے تھے۔ عکاظ کے میلوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔

علوم و فنون سے فارغ ہو کر تجارت جو عرب کا شعار تھا اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ اسی سلسلے میں آپ کو دور دراز تک جانا پڑتا تھا۔ یوں بڑے بڑے آدمیوں سے میل جول بڑھانے کا موقع ملا۔ سفر کی اس کثرت کے باعث حضرت عمرؓ میں خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی ایسے اوصافِ اسلام سے قبل ہی پیدا ہو گئے تھے۔ آپ کی ان بلند خصوصیات کی بناء پر قریش نے سفارت کا منصب دے دیا جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے انتہائی اہم شمار ہوتا تھا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان کیا تو حضرت عمرؓ ۲۷ برس کے تھے۔ ان کے گھرانے میں سب سے پہلے آپ کے بہنوئی سعید مسلمان ہوئے۔ پھر آپؓ کی ہمشیرہ فاطمہ مسلمان ہوئیں۔ ایک لونڈی لبینہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓ کو جب پتہ چلا تو سخت برہم ہوئے اور اسلام قبول کرنے والوں کے جانی دشمن بن گئے۔ اہلِ عرب اسلام کی روز بروز ترقی سے بہت برافروختہ ہوئے تھے اور اسلام قبول کرنے والوں کی ثابت قدمی نے ان کے غصے کو دوچند کر دیا تھا۔ ہر قسم کی تدبیر آزمانے کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصہ ہی تمام کر دیا جائے۔ اس کام کے لیے کوئی اور شخص تیار نہیں ہوا لیکن عمرؓ نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔

عمرؓ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سیدھے تلوار لیے رسول اللہ کی طرف چلے۔ راہمیں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ کرنے جارہا ہوں۔ نعیم بولے پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمھاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بولے سنا ہے کہ تم مرتد ہو گئی ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریباں ہو گئے۔ پھر بہن کو بھی لہولہان کیا۔ اس کے باوجود وہ کہنے لگے: ''عمر! جو چاہے کر گزرو ہم اسلام کا دامن نہیں چھوڑیں گے''۔ ان الفاظ نے عمرؓ کے دل میں بہت اثر کیا اور قرآن سن کر رقت طاری ہوگئی بولے مجھے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے چلو۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت ارقمؓ کے گھر میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مسلمان ساتھی رہا کرتے تھے عمرؓ وہاں پہنچ کر اسلام سے سرفراز ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھٹے سال ہوا۔ اسلام کی اس طرح کی روزافزوں ترقی نے قریش کے ظلم وستم میں پہلے سے زیادہ سختی کر دی۔ اب وہ مسلمانوں پر بے تحاشا ظلم وتشدد کرنے لگے۔ حد ستم جب ٹوٹ گئی تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہو گیا۔ سب لوگ آہستہ آہستہ مدینے جانے لگے کیونکہ مدینے کے کچھ معزز افراد اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بخاری کی روایت کے مطابق بیس آدمیوں کے ساتھ علانیہ طور پر ہجرت کی۔ قریش میں سے کسی کو الجھنے کی جسارت نہ ہوئی۔ آنحضرت نے ایک انصاری صحابی قبیلہ نبوسالم کے سردار عتبانؓ بن مالک سے حضرت عمرؓ کی مواخاۃ کرادی۔

عمروؓ بن جموع

قبیلہ خزرج سے تھا اور بنو سلمہ کے رئیس۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے اتنے کٹر بت پرست تھے کہ لکڑی کا بت بنا کر گھر میں رکھا تھا اور اسے ہر وقت پوجتے رہتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے دین کے اتنے گرویدہ ہوئے کہ باوجود ایک ٹانگ سے محروم ہونے کے جہاد میں شرکت کے لیے اصرار کرتے تھے۔ آخر مجبور ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد میں شرکت کی اجازت دے دی۔ لڑنے سے پہلے اپنی شہادت کے لیے دعا کی۔ چنانچہ دوران جنگ اپنے فرزند کے ساتھ شہید ہو گئے۔ ثروت اور سخاوت میں اتنے مشہور تھے کہ اسی بنا پر آپ کو بنو سلمہ کا رئیس بنا دیا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی نکاح کرتے تھے تو اُن کی طرف سے عمروؓ بن جموع ولیمہ کی دعوت کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

عمروؓ بن حزم

صحابی رسولؐ، نام عمرو، کنیت ابوالضحاک، خاندان نجار۔ ہجرت کے بعد اسلام لائے تو غزوۂ خندق اور اس کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی۔ ۱۰ ہجری میں نجران کے حاکم بنائے گئے۔ وصالِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مدینہ میں آ گئے۔ ۵۱ ہجری میں یہیں انتقال ہوا۔

قرآن اور فقہ کے بہت ماہر تھے علمی قابلیت کے لحاظ سے انصار میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ اسی باعث نجران کے حکمران بنائے گئے۔

احادیث کے سلسلے میں بہت سی روایات آپ سے منسوب ہیں۔ معاویہ نے

جب یزید کی خلافت کے لیے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی تو حضرت عمروؓ بن خرم نے اس کی سخت مخالفت کی۔

عمرو بن عبدود

عربوں کے ایک بہت بڑے بت کا نام تھا۔ اس کے نام پر مشرکین اکثر اپنے نام رکھ لیا کرتے تھے۔ عمرو بن عبدود مشرکین کا ایک شہ زور پہلوان اور سردار تھا۔ اسے حضرت علی علیہ السلام نے جنگ خندق میں اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

قاسم بن محمدؐ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار لڑکیوں کے علاوہ دو لڑکے قاسمؓ اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ حضرت قاسم کا لقب طاہر تھا۔ ولادت زمانۂ اسلام میں ہوئی اور صغیر سنی میں وفات پائی۔

قاسم بن محمدؒ بن ابی بکر

حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے محمدؓ کے فرزند۔ ماں کا نام سودہؓ تھا۔ آپ کے والد محمد بن ابی بکر، معاویہ اور حضرت علی علیہ السلام کے اختلافات میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے جس کے صلے میں حضرت علی علیہ السلام نے انھیں مصر کا والی مقرر کیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے مصر پر حملہ کے دوران محمد بن ابی بکرؓ جنگ میں شہید ہوئے۔ اس وقت قاسم کم عمر تھے۔ باپ کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت عائشہؓ نے پرورش کی۔ حضرت عائشہؓ کی

تربیت سے آپ ایک بہت بڑے عالم بنے آپ کا شمار مدینہ المنورہ کے علماء اور فقہاء میں ہوتا ہے۔ ۱۰۷ ہجری میں انتقال ہوا۔

کعب بن عجرہ

(وفات ۵ ہجری) کنیت ابو محمد تھی۔ ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا۔ اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ عہد نبویؐ میں کوفہ میں سکونت اختیار کی اور ۵۱ ہجری میں ۷۵ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کافی عرصہ رہے۔ اس لیے کتب احادیث میں کئی احادیث آپ کی روایت کردہ درج ہیں جن کی تعداد ۵۰ کے قریب ہے۔

کعب بن مالک

(وفات ۵۳ ہجری/۶۷۳ء) مشہور انصاری صحابی جن کا پورا نام عبداللہ تھا۔ آپ قبیلہ خزرج کی شاخ بنوسلم سے تعلق رکھتے تھے۔

ہجرت سے قبل ایمان لا چکے تھے اور بیعت عقبہ میں بھی شریک تھے۔ آپ اپنی بہادری کی وجہ سے بھی مشہور تھے۔ اسلام لانے سے پہلے بھی کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ جب غزوۂ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخمی ہونے کی خبر سنی تو فرطِ محبت میں اپنا چہرہ زخمی کر لیا۔

غزوۂ تبوک میں جن چھ صحابہ کرام کے شریک نہ ہونے کی روایت ملتی ہے ان میں کعبؓ بن مالک بھی تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو معافی دے دی تھی کیونکہ غزوہ میں شریک نہ ہونے کے لیے ان کے پاس کوئی

معقول عذر نہ تھا۔

روایت میں آتا ہے کہ ... سان نے انھیں اسلام چھوڑنے کے لیے کئی بار لالچ و ترغیب دی لیکن آپ نے ان کی ہر قسم کی پیشکش ٹھکرا دی۔

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جب ہنگامہ ہوا تو حسانؓ اور زیدؓ بن ثابت کے ہمراہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا۔ حضرت عثمان کی شہادت پر ایک دردناک مرثیہ لکھا۔ حضرت علی علیہ السلام کی انھوں نے بیعت نہیں کی۔ عمر کے آخری ایام میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گئے اور اسی حالت میں انتقال ہوا۔

مالک بن انس

پورا نام ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبی ہے۔ ابی عامر، صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ جنگِ بدر کے سوا تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ امام مالک کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کافی اختلاف ہے۔ اکثر مورخین کا اتفاق ۹۳ ہجری پر ہے۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہاں کے معروف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ فقہ کی تعلیم ربیعہ بن فرخ سے حاصل کی۔ نوسو اساتذۂ حدیث سے استفادہ کیا۔ ستر فقہا و علماء کی شہادت کے بعد کہ امام مالک فتویٰ دینے کے اہل ہوئے۔ فتویٰ دینا شروع کیا۔ اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ احادیث لکھیں۔ سترہ برس کی عمر میں درسِ حدیث شروع کیا۔ جب حدیث پڑھانے بیٹھتے، غسل کرتے اور خوشبو لگاتے، نئے کپڑے پہن کر بڑے خشوع و خضوع اور وقار سے بیٹھتے۔ بڑے اہتمام اور احتیاط سے راویوں کو بیان کرتے۔ آپ کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک بار طلباء کو درسِ حدیث دے رہے تھے کہ آپ کے چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا، پسینہ آنا شروع ہو گیا اور

چہرہ زرد ہو گیا لیکن آپ نے حدیث کے درس کو جاری رکھا۔ درس کے اختتام پر ایک طالب علم سے کہا کہ پشت سے قمیص اٹھا کر دیکھیے وہاں ایک بچھو نے کئی ڈنگ لگائے تھے۔ آپ نے احترامِ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درس کو درمیان سے منقطع نہ کیا اور بچھو کے زہر اور ڈنگ کو برداشت کرتے رہے۔

آپ کی جرأت اور علمی دیانت کے متعلق کئی اور واقعات بھی تاریخ میں ملتے ہیں۔ آپ نے مدینہ منورہ میں آل علی علیہ السلام کے ایک بزرگ محمد بن عبداللہ کی بیعت کا فتویٰ دیا۔ ان دنوں منصور عباسی خلیفہ تھا۔ اس نے مدینہ منورہ کے گورنر جعفر بن سلیمان کے ذریعے باز پرس کی اور گورنر مدینہ نے آپ کو ستر کوڑے لگوائے اس واقعہ سے مسلمانوں میں آپ کی عزت مزید بڑھ گئی۔

خلیفہ ہارون رشید کے عہد کے دو واقعات مزید ہیں۔ ایک شرعی مسئلہ کے بارے میں اپ کی رائے خلیفہ سے مختلف تھی۔ خلیفہ ہارون رشید نے کافی اصرار کیا کہ امام مالکؒ اس کی رائے کے مطابق فتویٰ دیں لیکن امام مالکؒ نے فرمایا میں قرآن وسنت کے خلاف کسی بات کو نہیں تسلیم کرتا۔ ہارون رشید کے حکم سے آپ کو گدھے پر بٹھا کر منہ کالا کر کے بازاوں میں پھیرایا گیا۔ آپ بازار سے گزرتے وقت چوک پر کھڑے ہو کر اعلان کرتے "اے لوگو! مجھے دیکھو اور پہچانو۔ میں مالک بن انس ہوں اور میری یہ حالت ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں ہوئی ہے"۔

خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار آپ سے اپنے دونوں بیٹوں کو تعلیم دینے کے لیے کہا۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر انھیں علم حاصل کرنا ہے تو خود چل کر علم کے دروازے پر آئیں علم کبھی چل کر نہیں جاتا۔ ہارون رشید کے دونوں بیٹے جب پڑھنے کے لیے آئے تو آپ نے انھیں عام طالب علموں کے ساتھ بٹھایا۔ انھوں نے واپس جا کر اپنے والد سے یہ

بیان کیا۔ خلیفہ نے آپ کو کہلوا بھیجا کہ میرے بیٹے عام طالب علموں میں نہیں بیٹھیں گے۔ آپ انھیں الگ سے پڑھائیں۔ آپ نے خلیفہ کے بیٹوں کے لیے ایسے کسی خصوصی انتظام تعلیم سے معذوری ظاہر کردی۔

آپ کی علمی عظمت کا اندازہ اس شے لگایا جاسکتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ نے کہا "میں کسی کو امام مالک کی صحتِ حدیث پر مقدم نہیں سمجھتا"۔ امام مالک کی فضیلت کے لیے یہ بہت بڑی سند ہے کہ آپ کے شاگرد امام شافعیؒ ہیں جنھوں نے بعد میں شافعی مسلک کی بنیاد رکھی۔ امام شافعیؒ کے شاگرد ایک اور مسلک حنبلی کے بانی احمد بن حنبل ہیں۔ امام اعظمؒ کے شاگردِ خاص امام محمد بھی حدیث میں آپ کے شاگرد رہے ہیں۔ امام شافعیؒ نے اپنے استاد کے بارے میں فرمایا کہ جب عالموں کا ذکر آتا ہے تو ان میں امام مالکؒ ستارہ کی مانند نظر آتے ہیں اور کسی کا احسان مجھ پر علمِ خدا میں امام مالکؒ سے زیادہ نہیں۔

آپ کی امام ابوحنیفہؒ سے بھی ملاقات کے واقعات کتبِ تاریخ میں ملتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ بھی آپ کی علمی عظمت اور ثقاہت سے بہت متاثر تھے۔

آپ نے احادیث کا جو مجموعہ مرتب کیا ہے اس کا نام "موطا ہے۔ ابن عربی نے کہا ہے کہ موطا اصلِ اول ہے اور صحیح بخاری اصلِ ثانی۔ ایک ہزار محدثین نے اس کتاب کو امام مالکؒ سے روایت کیا ہے۔ موطا دس ہزار احادیث سے منتخب کر کے مرتب کی گئی۔ اس میں کل ۱۰۲۷ احادیث و آثار ہیں۔ ان میں سے ۶۰۰ احادیث مسند ۲۲۲ مرسل ۶۱۳ موقوف اور ۲۸۵ تابعین کے اقوال ہیں۔

علماء کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ علمِ حدیث میں موطا کا مقام بہت بلند ہے۔ براعظم کے مشہور محدث شاہ ولی اللہؒ نے اسے صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔

اسلامی فقہ میں امام مالکؒ کو آئمہ اربعہ میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کے

پیروکار مالکی کہلاتے ہیں اور دنیائے اسلام میں ان کی کافی تعداد موجود ہے۔ آپ نے فقہ کی تدوین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور عملِ اہل مدینہ کو کافی اہمیت دی ہے۔ مدینہ کے لوگوں کا عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر سے منتقل ہوا اس لیے آپ نے فقہی مسائل میں ان کو معیار بنایا۔

ساٹھ سال تک مدینہ منورہ میں علمِ حدیث کی خدمت کرتے ہوئے ۸۷ سال کی عمر میں ۱۰ ربیع الاول ۱۷۹ ہجری کو انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار جنت البقیع میں ہے۔ مکہ مکرمہ کی قربت ہوتے ہوئے بھی آپ نے فرض حج کے علاوہ کوئی دوسرا حج اس لیے نہیں کیا کہ اثنائے راہ ہی انتقال نہ ہو جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب سے محرومی ہو جائے۔ اس بات سے یہ عکاسی ہوتی ہے کہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی محبت و عقیدت تھی۔

محرزؓ بن نضلہ

صحابیِ رسولؐ، لقب اخرم اسدی تھا۔ آغازِ اسلام میں ہی مکہ مکرمہ آ کر اسلام قبول کیا اور مہاجرین کے ہمراہ مدینہ کو ہجرت کی۔ مدینہ منورہ میں آ کر تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۶ ہجری میں بنو فزارہ نے مدینہ کی چراگاہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۱۹ اونٹوں کو پکڑ لیا اور گلہ بان کو قتل کر گئے۔ حضرت محرز بن نضلہ چند سواروں کو لے کر بنو فزارہ پر حملہ آور ہوئے اور اسی مقابلہ میں شہید ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں حضرت رسول خدا، فاطمہ زہراؑ اور جنت البقیع کے ائمہ کی زیارت کے بارے میں

واضح ہو کہ تمام لوگوں کے لیے بالخصوص حاجیوں کے لیے مستحب موکدہ ہے کہ روضۂ مطہر اور آستانہ منورہ فخر عالمیان حضرت رسولِ خداؐ کی زیارت کریں اور اس کا ترک کرنا ان کے حق میں روزِ قیامت باعثِ ظلم ہوگا۔ شیخ شہیدؒ نے فرمایا ہے کہ اگر لوگ آنحضرتؐ کی زیارت ترک کر دیں تو امام پر لازم ہے کہ مجبور کریں۔ زیارت کے لیے جانے پر آنحضرتؐ کی کیوں کہ اسکا ترک کرنا سبب جفاء حرام ہے اور شیخ صدوقؒ نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے حج کرے تو اسے ہماری زیارت پر حج کو ختم کرنا چاہیے کیونکہ یہ تکملہ حج ہے اور یہ بھی روایت ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ سے کہ آپ نے فرمایا کہ اپنے حج کو مکمل کرو۔ زیارتِ رسولِ خدا کے ذریعہ کیوں کہ ان کی زیارت ترک کرنا حج کے بعد ظلم و خلافِ ادب ہے اور تم کو اس کا حکم دیا گیا ہے اور ان قبروں کی زیارت کے لیے جاؤ جن کا حق زیارت خداوند عالم نے تم پر لازم کیا ہے اور ان کی قبروں کے پاس خدا سے رزق طلب کرو۔ ابوا لصلت ہروی نے روایت کی ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی گئی کہ فرزند رسول آپ کیا فرماتے۔ اس حدیث کے بارے میں جس کی لوگ روایت کرتے ہیں کہ مومنین بہشت میں اپنی جگہ سے خدا کی زیارت کریں گے یعنی اگر حدیث کے معنی درست ہوں تو کیا ہیں جب کہ حدیث ایسے امور پر مشتمل ہے کہ ظاہری طور پر حق کے عقیدہ کے خلاف ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے جواب میں فرمایا کہ بات یہ ہے اے ابوالصلت کہ خدا نے پیغمبر محمدؐ کو افضل قرار دیا ہے تمام مخلوقات سے چاہے وہ فرشتے ہوں یا پیغمبر ہوں اور ان کی اطاعت اپنی اطاعت اور ان کی بیعت کو اپنی بیعت شمار کیا ہے اور ان کی زیارت کو اپنی زیارت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ

''اور رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جس نے میری زندگی میں یا میری حیات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے خدا کی زیارت کی...... الخ''۔

اور حمیری نے قرب الاسناد میں حضرت امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری زیارت کرے زندگی میں یا حیات کے بعد میں روزِ قیامت اس کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور ایک حدیث میں ہے کہ امام صادق علیہ السلام عید کے روز مدینہ میں تھے تو زیارت رسولؐ خدا کے لیے گئے۔ سلام کیا اور فرمایا کہ ہم تمام شہر والوں کے مقابلہ میں فضیلت رکھتے ہیں چاہے مکہ ہو یا اس کے علاوہ اپنے سلام و زیارت کی وجہ سے۔ اور شیخ طوسیؒ نے تہذیب میں یزید بن عبدالملک کی روایت لکھی ہے۔ انھوں نے اپنے پدر اور اپنے جد سے روایت کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں خدمت جناب معصومہ زہراؑ میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھ پر سلام میں ابتداء کی۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ کس لیے آئے ہو؟ میں نے عرض کی طلب ثواب و برکت کے لیے۔ فرمایا کہ مجھ کو خبر دی ہے میرے والد محترم نے کہ جو شخص ان پر اور مجھ پر تین دن سلام کرے تو خدا اس کے لیے جنت واجب کر دے گا۔ میں نے کہا کہ ان کی اور آپ کی زندگی میں؟ فرمایا ہاں۔ اور اسی طرح حیات کے بعد بھی۔ علامہ مجلسیؒ نے فرمایا کہ حدیثِ معتبر میں عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ رسولؐ

خدا نے فرمایا کہ جو شخص امام حسنؑ کی زیارت جنت البقیع میں کرے تو اس کا قدم صراط پر ثابت رہے گا جبکہ دوسروں کے قدم لغزش کھا رہے ہوں گے اور مقنعہ میں امام صادق علیہ السلام کی روایت ہے کہ جو ہماری زیارت کرے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور وہ فقیر اور پریشان نہیں ہوتا ہے اور شیخ طوسیؒ نے تہذیب میں امام حسن عسکریؑ سے روایت کی ہے کہ جو شخص زیارت کرے امام جعفر صادقؑ ان کے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ کی اسے دردِ چشم نہ ہوگا اور کسی بیماری اور درد میں مبتلا ہو کر نہ مرے گا اور ابن قولویہ نے کامل میں طولانی حدیث ہشام بن سالم کی امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص امام صادقؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ کیا آپ کے والد کی زیارت کرنا چاہیے؟ فرمایا ہاں۔ عرض کی کہ زیارت کرنے کا ثواب کیا ہے؟ فرمایا کہ جنت اس کے لیے ہے۔ اگر امامت کا اعتقاد رکھتا ہو اور ان کا اتباع بھی کرے۔ عرض کی کہ جو شخص زیارت سے اعراض کرے اس کے لیے کیا ہے؟ فرمایا کہ روزِ قیامت حسرت وافسوس میں رہے گا۔

شیخ نے مصباح میں فرمایا ہے کہ جب دعا سے فارغ ہو جاؤ قبر کے نزدیک تو منبر کے پاس جاؤ اور ہاتھ اس پر رکھو اور منبر کے دو نچلے زینے کو پکڑو اور اپنے رخسار اور آنکھوں کو اس سے ملو۔ اس میں آنکھ کے لیے شفا ہے اور منبر کے پاس کھڑے ہو حمد وثناء خدا کرو اور حاجت طلب کرو۔ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ پھر مقام نبیؐ تک جا کر جتنی نمازیں چاہے پڑھے اور مسجد پیغمبرؐ میں زیادہ نماز پڑھے کیوں کہ اس میں نماز پڑھنا ہزار نمازوں کے برابر ہے اور جب مسجد میں داخل ہو یا مسجد سے باہر جائے تو آنحضرتؐ پر صلوات پڑھے اور خانۂ فاطمہ صلوات اللہ علیہا میں نماز پڑھے اور مقامِ جبرائیل پر جاء اریہ وہ مقام ہے جہاں جبریل علیہ السلام پیغمبرؐ سے اجازت طلب کرنے کے وقت کھڑے ہوتے تھے اور یہ کہے:

اَسْئَلُکَ اَیْ جَوادُاَیْ کَرِیمُ اَیْ قَرِیبُ اَیْ بَعِیدُ اَنْ تَرُدَّ عَلَیَّ نِعْمَتَکَ

''میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اے جواد اے کریم اے قریب اے بعید کہ تو مجھ پر نعمت نازل فرما''۔

پھر زیارت کرے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کی روضہ مطہر کے نزدیک سے اور ان مظلومہ کی قبر کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ قبر و منبر کے درمیان ہیں اور بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اپنے گھر میں دفن ہیں اور تیسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ بقیع میں دفن ہیں اور ہمارے اکثر علماء نے کہا ہے کہ آپ کی زیارت روضہ مطہرہ کے قریب کی جائے اور اگر کوئی شخص ان معظّمہ کی زیارت ان تینوں مقامات پر کرے تو بہتر ہے۔

زیارت ائمہ بقیع علیہم السلام یعنی حضرت امام حسنؑ مجتبیٰ و امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ۔ جب ان بزرگواوں کی زیارت کرنا چاہے تو عمل کرنا چاہیے اس پر جو آداب زیارت میں آئے ہیں جیسے غسلِ طہارت، پاک و پاکیزہ لباس پہننا اور خوشبو کا استعمال وغیرہ۔

فضیلت زیارت حضرت حمزہؓ

جناب حمزہؓ کی تعریف اور ان کی زیارت کی فضیلت اس سے کہیں زیادہ ہے جو ذکر ہو سکے فخر المحققین نے رسالہ فخریہ میں فرمایا ہے کہ جناب حمزہؓ اور باقی شہدائے احد کی زیارت مستحب ہے۔ رسولِ خداؐ کی حدیث ہے کہ جو شخص میری زیارت کرے اور میرے چچا حمزہؓ کی زیارت نہ کرے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور حقیر نے بیت الاحزان فی مصائب سیدۃ النسوان میں نقل کیا۔ ہے کہ جناب معصومہؑ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد ہر ہفتہ روز دوشنبہ اور پنجشنبہ جناب حمزہؓ اور شہدائے احد کی زیارت کے لیے جاتی تھیں، نماز پڑھتی تھیں اور وہاں دعا کرتی تھیں اور شہادت تک یہی معمول رہا۔ اور محمد بن لبید نے کہا ہے کہ وہ شہزادی جناب حمزہؓ کی قبر کے سرھانے جاتی تھیں اور گریہ کرتی تھیں۔ میں ایک روز جناب

حمزہؓ کی زیارت کو گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ معظمہ جناب حمزہؓ کی قبر کے سرھانے مشغول گریہ ہیں۔ میں نے صبر کیا یہاں تک کہ گریہ رکا۔ میں قریب گیا، سلام کیا اور عرض کیا اے سیدۃ النسوان خدا کی قسم اپ نے دل کی رگوں کو گریہ کے ذریعہ کاٹ دیا ہے۔ فرمایا کہ اے ابو عمرو ہمارے لیے مناسب ہے کہ روئیں اس لیے کہ ہمیں کائنات کے بہترین باپ رسولؐ خدا کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

زیارت قبر اطہر

زیارت قبر اطہر کا سرکار دو عالم اور علمائے اہلسنت کا موقف

اللہ تعالیٰ تجھے اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات کا فہم و ادراک عنایت فرمائے اور اپنی رضا کی طرف سعی کی توفیقِ رفیق بخشے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ارشادات آئمہ الطاہرین کتاب وسنت واجماع امت اور قیاس کے مطابق مشروع ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشا فرماتا ہے:

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفرو الله و استغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابًا رحيما

"اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں"۔ (سورۃ النساء آیت ۶۴)

اس آیتِ کریمہ میں امت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بخشش طلب کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کے لیے استغفار کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے ساتھ ختم نہیں ہوا۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تواب اور رحیم ہونے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہونے اور بخشش طلب کرنے اور ان کے

لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استغفار کرنا تو اللہ تعالیٰ کے اس قول (کی نص) کے ساتھ یہ تمام مومنین کے لیے حاصل ہے۔

استغفر لذنبک وللمؤمنین وللمؤمنات

''اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو''۔ (سورۂ محمد، آیت ۱۹)

اور مسلم شریف میں بعض صحابہؓ سے صحیح روایت مروی ہے کہ انھوں نے اس آیت سے یہی معنی اخذ کیے ہیں۔ پس اس سے تین واجب امور کی تکمیل ہوئی۔ ایک تو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنا، اس کی رحمت طلب کرنا اور اس آیت میں امتیوں کا استغفار کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کرنے کا متاخر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف یہ احتمال ہے اور اس میں تقدم وتاخر میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ان کا داخل ہونا اور بخشش طلب کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے تحت ہے اور یہاں ان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کا عطف ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے پر کیا جائے اور اس کا عطف جاؤک پر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت کے لیے استغفار کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات کے ساتھ مقید نہیں ہے اور اس پر آنے والی احادیث مبارکہ دلالت کرتی ہیں۔ تو اس کا عطف اللہ سے استغفار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ بہت زیادہ شفقت اور رحمت ہے تو پس جو شخص بخشش طلب کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در اقدس پر حاضر ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو کیا محروم چھوڑ دیں گے۔ بہر حال ہر وجہ سے یہ مذکورہ بالا تینوں امور جو کہ اس آیت

میں بیان ہوئے ہیں وہ ہر اس شخص کے لیے ثابت ہیں جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس استغفار کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات میں یا وفات کے بعد حاضر ہو۔

اگر چہ یہ آیت کریمہ ایک خاص قوم کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا عموماً، علت کے عام ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس میں یہ وصف پایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں یا بعد وفات اس کا حکم اس پر بھی ایسا ہی ہوگا۔

اسی لیے علماء نے اس سے قبر منورہ پر حاضر ہونے والوں کو بھی اس عموم میں شامل کیا ہے۔ اور انھوں نے ہر اس شخص کے لیے مستحب قرار دیا ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر منورہ پر حاضر ہو وہ اس کی تلاوت کرے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ جیسا کہ اس سلسلہ میں ''عتبی'' کی روایت میں آیا ہے۔ جس کو مناسک میں لکھنے والے تمام مذاہب کے مصنّفین اور مورخین نے اپنی اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔

ان تمام نے زائر کے لیے اس کو مستحب قرار دیا ہے اور اس کو زیارت کی سنتوں میں شمار کیا ہے کہ اس کو زائر پڑھے اور جاؤک کے وقوع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو حاضر ہونے کی شرط کے ساتھ خاص کرنا عموم پر دلالت کرتا ہے۔ (یعنی حاضر ہونے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہو یا بعد از وفات حاضر ہو یہ آیت ہر ایک کو شامل ہے)۔ اور بے شک یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دور ونزدیک سے سفر کرتے ہوئے یا بغیر سفر کے حاضر ہو اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:

و من يخرج من بيته مهاجراً الى الله و رسوله ثم يدركه الموت

فقد وقع اجره علی الله

''جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلا پھر اس کو موت نے آلیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ (یعنی اس کو ہجرت کا ثواب مل گیا)''۔ (سورۃ النساء، آیت ۱۰۰)

اور ہر شخص کہ جسکو ذوق علم سے ذرا سا بھی مس ہے، جانتا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے نکلا اس پر یہ صادق آتا ہے کہ وہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مہاجر ہے۔ اور جیسا کہ ابھی بیان ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت وفات کے وبعد ایسے ہی ہے جیسے کہ وفات سے پہلے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری زندگی میں زیارت بہر حال بالاتفاق اس آیت کے حکم میں داخل ہے تو ایسے ہی وفات کے بعد بھی شامل ہے۔ جیسا کہ آنے والی احادیث میں اس پر نص موجود ہے۔

سنت سے زیارت کا ثبوت

تو اس سلسلہ میں احادیث بھی آئی ہیں۔

قیاس سے ثبوت

صحیح متفق علیہ احادیث زیارت قبور میں مروی ہیں اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر منورہ تو تمام قبور میں سے افضل ترین اور اعلیٰ ترین قبر ہے اور یہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی زیارت کی جائے بلکہ عام قبروں اور اس مبارک قبر میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہر حال یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم اہل بقیع کی زیارت فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد شریف شہداء کے زیارات پر بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف ان قبور سے زیادہ حق دار ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور تبرک حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ ہمیں ان کی عظیم رحمت اور برکت سے بہرہ مند فرمائے۔ ہمارے اس درود وسلام کے صدقے میں جو کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر منورہ کے قریب پڑھتے ہیں جہاں فرشتے بھی ننگے پاؤں حاضر ہوتے ہیں۔ ہمیں ان کی عظیم رحمت اور برکت سے بہرہ مند فرمائے۔

اور وہ جو شعبی اور نعی سے زیارتِ قبور کے بارے میں کراہت کا قول مروی ہے وہ شاذ ہے۔ اس کی طرف ہرگز التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ صحابہ اور بعد کے علماء کرام نے اس پر اجماع کیا ہے۔ ان کا یہ قول اگر ثابت ہو جائے تو یہ مؤول ہوگا۔ کیونکہ تمام امت شروع سے آج تک قبر شریف پر حاضر ہو رہی ہے۔ عام قبور اور قبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واضح اور جلی فرق ہے اور اسکا مندوب ہونا عورتوں اور مردوں کے لیے ایک جیسا ہے اور اس کے سوا دیگر قبور کی زیارت صرف مردوں کے لیے خاص ہے۔

اجماع امت اور زیارت قبر نبیؐ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کرنے پر شرع شریف کے حامل علمائے کرام نے کہ جن پر دین کا مدار ہے۔ اجماع نقل کیا ہے اور اس میں اختلاف کی نفی کی ہے اور جو ان کے درمیان اختلاف ہے وہ فقط اس میں ہے کہ یہ زیارت مبارکہ واجب ہے یا کہ مستحب اور کہا گیا ہے کہ یہ واجب ہے اور وجوب پر استدلال اس کے ظاہر سے کیا گیا ہے جس کی صراحت بعض اہل ظاہر نے کی ہے اور بجیر بن عدی نے بسند صحیح اس پر جزم کیا ہے اور دار قطنی کا یہ کہنا کہ یہ منکر ہے تو صرف اس کی سند میں رواۃ کے تفرد کے لحاظ سے ہے۔ جیسا کہ بعض نے کہا کہ اس میں متہم راوی ہے تو یہ مردود ہے کیونکہ یہ تہمت مبہم اور غیر مضر ہے تو اس پر توثیق راجح و مقدم ہوگی اور ابن حبان کا قول کہ یہ راوی ثقات سے منکر روایات لاتا ہے تو یہ انکار میں مبالغہ ہے۔ ابن جوزی کا اس کو موضوعات میں ذکر کرنا زیادتی ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ غریب ہے۔ سبکی نے فرمایا" اور واجب ہے کہ انسان اس پر متنبہ ہو کہ محدثین کا بعض اوقات کسی حدیث کا انکار یا اس کو غریب کہنا اس حدیث کی کسی خاص سند کے بارے میں ہوتا ہے تو اس متن حدیث کا رد کرنا لازم نہیں آتا۔ بخلاف کسی فقیہ کے کہ جب وہ کہے کہ یہ حدیث موضوع ہے تو اس کا یہ حکم متن حدیث پر لاگو ہوگا۔ اس لیے ہم دار قطنی کے کلام کو قبول نہیں کرتے اور ابن جوزی کے کلام کو رد کرتے ہیں۔

متن حدیث

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني

''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر جفا کی''۔

(الکامل، ابن عدی، غرائب مالک، دارقطنی)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جفا کرنا حرام ہے اور زیارت کا نہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جفا کے مترادف ہے اور اس کی مؤید یہ ہے کہ مذاہب اربعہ میں سے ایک بہت بڑی جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے وجوب کا ذکر کیا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے۔

(۱) حضرت علی علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

منْ زارِ قبری بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی و من لم یزر قبری فقد جفانی

''جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ ایسے ہی ہے جس نے میری ظاہری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ جفا کی''۔

اس کی سند میں ضعیف اور انقطاع ہے۔

(۲) حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

من زار قبر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کان فی جوار رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت کی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمسایہ ہوگا''۔

اس کی سند ضعیف ہے۔

(۳) من اتی المدینة زائر الی وجبت لی شفاعتی یوم القیامة و من مات فی احد الحرمین بعث آمنا

''جو کہ مدینہ شریف میں میری زیارت کے لیے آیا اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی اور جو کوئی دونوں حرموں میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہوا وہ قیامت کے دن امن والوں میں سے ہوگا''۔

(۴) قتادہ سے مرسل روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من الجفاء ان اذکر عند رجل فلا یصلی علی (صلی الله علیه و آله وسلم)

''کسی شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو یہ جفا میں سے ہے''۔

اور اس کے دوسرے دلائل میں سے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:

البخیل من ذکرت عنده فلم یصلی علیٰ

''جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اگر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو وہ بخیل ہے''۔

ایک روایت میں ہے:

البخیل کل البخیل

''کہ وہی سب بخیلوں سے بڑا بخیل ہے''۔

اور ایک روایت (جس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں مگر یہ کہ اس میں متہم راوی ہے) میں ہے:

ان من لم یصل علی عند ذکری ابخل الناس

''کہ وہ جو میرے ذکر کے ساتھ مجھ پر درود نہ پڑھے سارے لوگوں میں سے زیادہ بخیل ہے''۔

اور ایک صحیح اور مشہور حدیث میں ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کیساتھ درود نہ

پڑھے وہ رحمت سے دور اور شقاوت کے قریب ہے اور اس کی ناک خاک آلود ہو۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

یہ تمام اقوال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے واجب ہونے کے قول کے مؤید ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں مقامات پر لفظ ''جفا'' استعمال فرمایا ہے۔ یعنی جو درود نہ پڑھے وہ جفا کرتا ہے۔ تو علماء نے درود کو واجب قرار دیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو میری زیارت نہ کرے وہ مجھ پر جفا کرتا ہے۔ لہٰذا زیارت بھی جفا سے بچنے کے لیے قیاساً واجب ہونی چاہیے۔

اور جو حضرات زیارت کو مستحب قرار دیتے ہیں انکی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا اور اگر اس کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ''جفا'' امور نہیہ میں سے ہوگا۔ یہ بعض اوقات مندوب کے ترک پر بھی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ جفا یہ بھی ہے کہ نیکی اور اچھائی کو ترک کر دیا جائے اور ایسے ہی یہ لفظ بری طبع اور کسی چیز سے دوری پر بھی بولا جاتا ہے اور علماء کی اکثریت سلف وخلف اس کے مندوب و مستحب ہونے کے قائل ہیں نہ کہ واجب کے۔ اور ان دونوں اقوال بمع مقدمات سے یہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کی طرف سفر کرنا اگر چہ قصد و نیت کر کے ہو اور اس کے ساتھ اطرفا کی نیت یا مسجد نبوی میں نماز کی نیت نہ ہو یہ بہت اہم ترین بات اور کامیاب مساعی میں سے ہے۔

اور اس لیے احناف نے کہا ہے کہ یہ تقرب واجبات کے درجہ میں ہے اور بعض مالکی آئمہ نے فرمایا کہ یہ واجب ہے اور بعض دیگر حضرات نے اس کو سنن واجبہ میں سے ذکر کیا ہے اور اس پر احادیث صحیحہ صریحہ دلالت کرتی ہیں اور اس میں سوائے بصیرت کے اندھے کے کسی کو کوئی شک نہیں ہے۔

(۵) اوران احادیث میں سے یہ حدیث جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من زار قبری وجبت له شفاعتی

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت ثابت ہوگئی''۔

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں ''حلت لہ شفاعتی'' کہ اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔اس حدیث کی صحیح محدثین کی ایک پوری جماعت نے کی ہے۔اور بعض محدثین نے اس میں طعن کیا ہے لیکن یہ طعن مردود ہے جیسا کہ سبکی نے واضح فرمادیا ہے۔اور اس پر طویل کلام کیا ہے۔

اور بیہقی کا قول کہ ''یہ منکر'' ہے۔اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں راوی کا تفرد ہے اور منکر کا اطلاق تفرد پر بھی ہوتا ہے۔جیسا کہ احمد بن حنبل نے دعائے استخارہ کے بارے میں کہا کہ یہ منکر ہے حالانکہ یہ صحیحین میں موجود ہے۔اور ذہبی نے فرمایا کہ اس کے تمام طرق کمزور ہیں۔بعض بعض کو تقویت دیتے ہیں تو یہ اس کے منافی نہیں ہے اور اگر ذہبی کا قبول تسلیم کرلیا جائے تب بھی یہ حدیث ''حسن'' ہوگی اور اس پر صحیح کا اطلاع ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر اس کا بیان ہے۔سبکی نے فرمایا سب سے بہترین سند والی حدیث یہ ہے:

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی

''کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری ظاہری حیات میں میری زیارت کی''۔

پہلی حدیث کو روایت کیا دارقطنا نے اور ابن السکن نے اور اس کو صحیح کہا بلکہ اس کے کلام کی فضیلت یہ ہے کہ اس کی صحت پر اجماع ہے ان الفاظ کے ساتھ:

من جاءنی زائر الا تعمله حاجته الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعاً یوم القیامة

''جوکوئی میری زیارت کے لیے آیا اور اسے اس کے سوا کوئی حاجب نہیں ہے
تو مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت کے روز اس کا شفیع ہو جاؤں''۔

اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں:

من جاء نی زائرا کان له حقا علی الله عزوجل ان اکون شفیعا یوم القیامته

''جو کوئی زیارت کے لیے میرے پاس آیا تو اللہ عزوجل پر حق ہے کہ قیامت
کے دن مجھے اس کا شفیع بنا دے''۔

سبکی نے فرمایا کہ ابن السکن نے اس کی ثبوت فرمائی کہ یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کی زیارت ہے۔ یا پھر اس میں عموم ہے کہ قبل الوصال اور بعد الوصال دونوں وقت شامل ہیں اور یہ صحیح ہے اور بیہقی اور ابن عساکر نے اس کی تضعیف کی ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کہ ''اس کو اس کے سوا کوئی اور حاجت نہ ہو'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز سے پرہیز کرے جس کا تعلق زیارت سے نہ ہو۔

اور سنت یہ ہے کہ زیارت کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کے لیے شد رحال کرے مسجد نبوی کی طرف۔ اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت کرے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان لا تعمله حاجة الا زیارتی یہ شامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اور بعد وصال کو جیسا کہ آگے بیان ہوگا اور آنے والا قریب سے آئے یا دور سے آئے وہ قصد کرے اور خالص نیت کرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی کسی اور چیز کو شامل نہ کرے۔ تو یہ قربت عظیمہ اور مرتبہ شریفہ ہے اور وہ کسی وجہ سے بھی اس میں محذور نہیں ہے اور وہ ایسا ہی ہے اس کے خلاف جس نے اپنا امیر اپنی خواہشات کو بنا لیا حتیٰ کہ اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا اور وہ اندھا ہے اور بہت بڑی شقاوت اور عناد میں گرفتار ہے۔

(۶) اور اِن روایات میں سے وہ روایت ہے جس کو ابویعلی، دارقطنی، طبرانی بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے۔

من حج فزار قبری (وفی روایة) فزارنی بعد وفاتی (وفی روایة) فزارنی بعد وفاتی عند قبری کان کمن زارنی فی حیاتی (ورواه غیر واحد بلفظ)

من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی وصحبتی

''جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی (اختلاف روایہ) جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی (باختلاف روایت) جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی (اور بہت سے لوگوں نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی) جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی اور مصاحبت اختیار کی''۔

اور ابن عساکر نے کہا لفظ ''وصحبتی'' میں کچھ راوی مردود روایت میں متفرد ہیں۔ اس کی تشبیہ کسی بھی وجہ سے مساوات کا تقاضہ نہیں کرتی اور اس لیے یہ خبر اس کے منافی نہیں ہے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا خیرات کرے تو میرے ایک صحابی کے ایک صاع جو خیرات کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔

اور ایک روات سبکی نے اس کی صحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ ہے:

من حج فزارنی فی مسجدی بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی

''جس نے حج کیا اور میری مسجد میں میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی''۔

(۷) دارقطنی نے روایت کی:

من زارنی فی المدینة کنت له شفیعاً و شهیداً

''جس نے مدینہ میں میری زیارت کی میں اس کا شفیع و گواہ ہوں گا''۔

اس کے ایک راوی میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ سفیان بن موسیٰ ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے اور اس کا رد کیا ہے کہ جس نے راوی کو خطا پر محمول کیا۔ کیونکہ یہ معروف ہے پس جو مدینہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ مدینہ میں مرے۔

(۸) ابوداؤد طیالسی نے روایت کی:

من زار قبری اوقال من زارنی کنت له شفیعا او شهیدا و من مات باحد الحرمین بعثه الله تعالیٰ فی الامنین یوم القیامة

''جس نے میری قبر کی زیارت کی یا فرمایا کہ جس نے میری زیارت کی میں اس کا شفیع ہوں گا یا فرمایا کہ اس کا گواہ ہوں گا اور جو دونوں حرموں میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہوا وہ قیامت کے روز آمنین میں سے ہوگا''۔

سبکی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے ایک کے اور وہ طبقہ تابعین میں سے ہے۔

بیہقی کا اس کے بارے میں فرمانا کہ اس کی سند مجہول ہے۔ یہ مردود ہے مگر یہ ایک راوی کہ اس کے بارے میں ہم عنقریب بیان کریں گے۔

(۹) عقیلی روایت کرتے ہیں:

من زارنی متعمداً ای بان لم یقصد غیر زیارتی کما مرفی خبر ماجاء نی زائرا لا تعمله الا زیارتی کان فی جواری یوم القیامته و من سکن المدینة و صبر علی بلائها کنت له شهیدا و شفیعاً یوم القیامة

''جس نے عمداً میری زیارت کی (یعنی میری زیارت کے سوا اس کو کوئی اور

عرض وقصد نہ ہو جیسا کہ حدیث من جاء نی زائرا والی میں گزرا) وہ قیامت کے روز میرا ہمسایہ ہوگا اور جس نے مدینہ میں سکونت اختیار کی اور مدینہ کی بلاؤں پر صبر کیا قیامت کے دن میں اس کا گواہ و شفیع ہوں گا"۔

اس روایت میں ارسال ہے اور اس کی سند جید ہے اور اس کے بعض روایت کی ازدی نے تضعیف کی ہے وہ مردود ہے کیونکہ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے اور ابن حبان ازدی سے اعلم اور اثبت ہے۔

(۱۰) دارقطنی وغیرہ نے ایسی سند کے ساتھ روایت کی کہ جس میں مجہول راوی ہے۔ جیسا کہ اس کو بعض محدثین نے بیان کیا اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی و من مات باحد الحرمین بعث من الا منین یوم القیامة

"جس نے میری زیارت وصال کے بعد کی گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی اور جو دونوں حرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوا وہ قیامت کے دن امن والے لوگوں میں سے اٹھے گا"۔

(۱۱) ازدی نے روایت کی:

من حج حجة الا سلام وزار قبری و غزا غزوۃ وصلی فی بیت المقدس لم یسأله الله تعالیٰ فیما افترض علیه

"جس نے حج مبرور کیا اور میری قبر کی زیارت کی اور بیت المقدس میں نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرائض کے بارے میں سوال نہیں کرے گا"۔

اس میں راوی مجہول اور ضعیف ہے۔

(۱۲) ابن مردویہ نے روایت کی ہے:

من زارني بعد موتي كانما زارني و انا حي و من زارني كنت له شهيدا او شفيعاً يوم القيامة

''جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زیارت کی کہ میں زندہ ہوں اور جس نے میری زیارت کی قیامت کے دن میں اس کا شفاعت کرنے والا یا گواہ ہوں گا''۔

اور اس کی سند میں خلد بن زید ہے اگر تو وہ ''العمری'' ہے تو وہ منکر الحدیث ہے جیسا کہ ابن حبان نے اس کے بارے میں کہا ہے۔

(۱۳) ابو عوانہ اور ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے:

من زارني بالمدينة محتسبا كنت له شهيدا و شفيعا يوم القيامة

''جس نے مدینہ شریف میں ثواب سمجھتے ہوئے میری زیارت کی میں قیامت کے روز اس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا''۔

اس کی سند میں پہلی حدیث کی طرح ضعیف راوی ہے اور اس کو ابو حاتم رازی نے ضعیف کہا ہے لیکن ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

(۱۴) ابن حبان نے روایت کی ہے:

من مات في احد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة و من زارني محتسبا الى المدينة كان جواري يوم القيامة

''جو کوئی دونوں حرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوا وہ قیامت کے دن امن والوں میں سے ہوگا اور جس نے میری زیارت مدینہ میں ثواب کی نیت سے کی وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہوگا''۔

اس میں انقطاع کی علت بیان کی گئی ہے۔

(۱۵) ابن النجار نے روایت کی:

من زارني ميتا فكانما زارني حيا و من زار قبري و جبت له شفاعتي يوم القيامة و ما من احد من امتي ثم لم يزرني فليس له عذر

''جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی اور میری امت میں سے کوئی ایک کہ جس کو وسعت و طاقت ہو اور میری زیارت نہ کرے قیامت کے دن اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا''۔

ذہبی نے اس کے موضوع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی جو زیارت کی طرف اس میں نیت ہے جیسا کہ پیچھے گزرا۔

(۱۶) عقیلی نے روایت کی:

من زارني في مماتي كان كمن زارني في حياتي و من زارني، حتى ينتهي الى قبري كنت له يوم القيامة شهيدا او قال شفيعا

''جس نے میری زیارت میرے وصال کے بعد کی گویا کہ اس نے میری زیارت میری حیات میں کی اور جو میری زیارت کے لیے مدینہ تک گیا میں قیامت کے دن اس کا گواہ/شفیع ہوں گا''۔

اس میں تفرد اور نکارت ہے۔

(۱۷) اس کی سند میں ضعیف اور مجہول راوی ہیں:

من حج الى مكة ثم قصدني في مسجدي كتبت له حجتان مبرورتان

''جس نے حج کیا پھر میری مسجد کا قصد لیا اس کے [1] مقبول حجوں کا ثواب لکھا جائے گا''۔

زیارتِ نبیؐ کے لیے سفر

ان تمام مذکورہ احادیث میں تمام یا تو زیارت کے لیے صریح ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ زیارت مندوب ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ظاہری زندگی اور بعد از وصال میں مردوں اور عورتوں کے لیے زیادہ متاکد ہیں جو کہ قریب و بعید سے زیارت کے لیے آئیں اور ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف شد الرحال کرنے کی فضیلت ظاہر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سفر کرنا مندوب ہے حتیٰ کہ عورتوں کے لیے بھی اتفاقاً مندوب و مستحب ہے۔ جیسا کہ الدیلمی نے فقہاء کے اس قول سے اخذ کیا ہے کہ ہر حاجی کے لیے زیارت سنت ہے اور جو بحث ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے سوا میں ہے۔

اور اولیائے اللہ اور شہداء کے مزارات کی زیارت بھی ایسے ہی سنت ہے اور زیارت کے لیے سفر شمول کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہوتا ہے یعنی ائر مزور کے پاس چل کر جاتا ہے۔ جیسا کہ لفظ "مجیئ" آنے والا سے ظاہر ہے کہ جس پر آیت کریمہ میں نص وارد ہے۔

پس زیارت یا تو نفس انتقال ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف اس کا قصد کر کے یا پھر مزار کے پاس حاضر ہونا ہے دوسری جگہ سے۔ پس ہر حال میں اس پر سفر کا اطلاع ہوگا۔ چاہے وہ قریب سے آئے یا دور سے اس میں سفر کا معنیٰ ضرور پایا جائے گا۔

اور جب ہر زیارت قربت ہے تو اس کی طرف سفر کرنا بھی قربت ہوگا۔ اور آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی طرف جنت البقیع میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور احد شریف کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانا بھی ثابت ہے۔ پس جب غیر کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا مشروع ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف ان تمام قبروں سے زیادہ اس کی حق دار ہے کہ اس کی طرف سفر کیا جائے اور متفقہ قاعدہ ہے کہ قرب کا وسیلہ بھی قرب میں داخل ہے یعنی جو کہ قرب تک پہنچائے وہ کسی اور وجہ سے حرام نہیں ہوسکتا جیسا کہ مغصوب راستے پر چلنا۔ تو یہ صریح ہے کہ زیارت کے لیے سفر بھی قرب کا ذریعہ ہو کر قرب ٹھہرا اور جس کا یہ گمان ہے کہ صرف قریب رہنے والے کے لیے ہی زیارت قربت و نیکی ہے تو یہ اس کا شریعت مطہرہ پر افتراع ہے۔ لہٰذا اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔

اور یہ علمائے اصول کے قول کے بھی منافی نہیں ہے کہ امر ماہیت کلی کا اس کی جزئیات میں سے معین جزئی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مطلق جزد کے لیے ہوگا نہ کہ معین کے لیے۔ کیونکہ وہ متحقق ہوگا کلی کے ساتھ اور وہ اس جزو کے تعین میں مختار ہوگا۔ پس جب جزو کے ساتھ آیا تو وہ حکم کے عہد سے خارج ہو گیا کیونکہ وہ معین ہے اگرچہ وہ مامور نہیں ہے۔ بہر حال چلنا اس میں مختار ہے لیکن وہ قربت اور نیکی ہے۔ کیونکہ وہ حکم سے متعلق ہے۔ پر ہر سفر جو کہ فقط زیارت کے قصد سے ہوگا وہ نیکی ہوگا کیونکہ وہ قرب رب تک پہنچانے والا ہے تو وہ سفر مامور بہ ہوگا کیونکہ حکم کلی کے ساتھ متعلق ہے اور یہ اس کی ایک جزی ہے اور طلب تو کلی ہی کے ساتھ متعلق ہے اور سفر معین زیارت کے لیے اس میں شرط نہیں ہے اور زیارت کے لیے مطلق سفر وسیلہ اور شرط اور مطلق سفر شرط ہے اور اس کے ساتھ توسل کا قصد نہیں ہے۔ اس لیے اس کو وسیلہ نہیں کہا جائے گا۔ اس کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ قربت کا فعل عام ہوگا اس سے کہ وہ مامور بہ ہو۔ اور زیارت مندوب ہے قریب و بعید ہر شخص کے لیے اور اس کے لیے سفر

شرط ہے جب تک سفر نہ ہوگا زیارت نہ ہوگی۔ تو یہ سفر بھی بالاتفاق مندوب ہوگا۔

اور اصولیین کے خلاف کہ بے شک کسی شئی کا حکم ایسا حکم ہے کہ اس کے ساتھ ہی مکمل ہوگا یا اس کے بغیر تو یہ مندوب جاری نہیں ہوگا جیسا کہ قاعدہ ہے کہ قربت فعل عام ہے اس سے کہ وہ مامور بہ ہی ہو اور تحقیق اس کے خلاف ہے کہ اگر حکم شے کے ساتھ ہی مکمل ہو اور حکم اس کے بغیر پورا نہ ہوسکتا ہو تو یہ تقسیم ہوگا۔ اس کے وجود کے لیے شرط یا اس کے وجود کے لیے مسبب اور یہ اس کے لیے مقدمہ کے ساتھ تعبیر ہوگا۔

اور جمہور علماء کے مطابق مامور بہ مقصد کے وجوب کی وجہ سے واجب ہوگا تو ایک قوم نے اس ک شرط ہونے میں اختلاف کیا ہے پس اگر وہ ملاحظہ کریں کہ بے شک لفظ اس پر دلالت سے قاصر ہے تو یہ قریب ہے کیونکہ عدم دلالت اس کے غیر سے مانع نہیں ہے جیسا کہ ''عقل'' کہ مامور کا مقدمہ اس کے منفی نہیں ہے کہ مامور بہ ہو۔ عقل دلیل ہے اور اگر اس کو ترک کر دیا جائے تو یہ ترک مقصد پر تعاقب کرے گا نہ کہ مقدمہ پر تو یہ بھی قریب ہے۔ لیکن وجوب کی نفی کرے گا نہ کہ مندوب کی جس میں کہ ہماری کلام ہے۔

اور جس نے یہ کہا کہ جس مشروط کے لیے مطلق امر مراد ہے تو وہ واجب نہیں ہوگا مگر شرط کے پائے جانے سے تو اس نے آئمہ امت کے خلاف بغیر دلیل کے کیا اور امت سے علیحدہ ہوگا اور وہ جو کہ شرط علم کے تابع ہے مامور کے وجود کیساتھ جیسا کہ سر کا کچھ حصہ دھونا چہرے کے دھونے کے ساتھ تو یہ خلاف فتویٰ ہے لیکن ہم اس میں گفتگو نہیں کر رہے۔

جاننا چاہیے کہ وسیلہ اور مقدمہ کے درمیان عموماً خصوص من وجہ کا تعلق ہے، کیونکہ مقدمہ وہ ہے کہ جس پر کسی شے کا توقف کیا جائے اور اس میں اختلاف مشہور ہے کہ اس شئی کا وجود ہم پر واجب ہے یا کہ نہیں اور یہ اس سے خارج ہے کہ وہ قربت ہو یا کہ نہ۔ پس اگر اس پر فعل کا توقف کیا جائے تو یہ قربت کے قصد کی وجہ سے کیا جائے گا تو وہ بھی قربت ہوگی اور اگر

ایسا نہیں تو نہیں ہوگی۔ جیسا کہ مکہ شریف کی طرف سفر بغیر حج کی نیت کے کیا اور پھر حج کر لیا تو یہ اس کا سفر قربت نہیں ہوگا کیونکہ اس سے حکم مقدمہ کے ساتھ ساقط ہو گیا۔

اور وسیلہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی غیر کا تقرب حاصل کیا جائے۔ جیسا کہ صحاح (لغت کی کتاب) میں ہے۔ اگر اس کے اسم کا اطلاق مقدمہ پر کیا جائے تو اس سے مراد یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ تقرب حاصل کیا گیا ہے نہ کہ اس پر توقف کیا گیا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر (بعینہ) مقصد کا متوقف کیا گیا ہے تو اس کے وجوب میں سابقہ اختلاف جاری ہوگا۔ اور اگر اس پر توقف کیا جائے جو کہ اس سے زیادہ عام ہے اور اس کو بندہ توسل کے لیے اختیار کرے اور اس پر توقف اصلا نہ کرے لیکن بندہ کو یہ وہم ہو کہ اس پر توقف کیا گیا ہے یا اس کی وجہ سے اس کا خطرہ ہو کیونکہ وہ اس کی طرف پہنچانے والا ہے تو ان احوال میں اس کو وسیل اور قربت کہا جائے گا تو اس میں کسی اصول کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تو پس ویسلہ کا اطلاق مقدمہ پر نہیں ہوگا۔ جب تک کہ اس سے مقصود قرب کا قصد نہ کیا جائے اور اس قصد کے سوا اس کا نام وسیلہ نہیں رکھا جائے گا۔ تو یہ اس معنی میں جائز نہیں ہوگا کہ یہ توسل کی صلاحیت رکھتا ہو اور اصولین کی مقدمہ سے مراد یہ ہے کہ جس پر کسی شے کا توقف کیا جائے اس سے توسل کا قصد کیا جائے یا کہ نہ۔ اور ان دونوں کا مترادف ہونا اگر تسلیم کر لیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ ویسلہ نہیں ہوگا جب تک کہ اس قربت کا قصد نہ کیا جائے تو اس معنی میں قربت کا وسیلہ بھی قربت ہی ہوگا۔

اور بعض محرومین کا تخیل زافرت کا منع ہونا یا اس کی طرف سفر کا ناجائز ہونا یہ توحید کی محافظت کے باب سے ہے اور یہ شرک کی طرف مؤدی ہے تو یہ سراسر باطل خیال ہے اور قائل کی غباوت قلبی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کی طرف مودی تو یہ ہے کہ قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا جائے یا ان کا طواف کیا جائے یا ان تصادیر کی پوجا کی جائے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد

ہوا ہے۔ بخلاف زیارت کرنا اور سلام کرنا اور وہاں جا کر دعا مانگنے کے۔ اور عالم ان کے درمیان فرق کو بخوبی جانتا ہے اور دوسری قسم (یعنی زیارت، سلام اور دعا) یہ جب شریعت مطہرہ کے آداب کی محافظت کرتے ہوئے کی جائے تو یہ ممنوعات کی طرف جانے سے روکتی ہے اور اس کے باوجود اس سے منع کرنے والے کا قول یہ تو اس ذریعے سے روکنا ہے جو کہ اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔

توحیدِ رب و تعظیمِ رسولؐ

اور یہاں دو امر ہیں جن میں سے ہر ایک لازمی ہے۔

ایک یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا وجوب اور ساری خلق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رتبہ بلند وارفع ہونا اور دوسرا اللہ تبارک وتعالیٰ کا واحد و یکتا ہونا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات وصفات وافعال میں ساری مخلوق سے منفرد ہے اور جس نے مخلوق کو اس کے ساتھ کسی بھی چیز میں شریک کیا تو وہ شرک کا مرتکب ہوا اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں کسی قسم کی کمی کی یا ان کا مرتبہ کم کرنے کی کوشش کی اور جو چیز ان کی درجات کے لیے ثابت ہے اس کی نفی کی تو وہ گنہگار بلکہ کافر ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وشان میں مبالغہ کیا ہر اس طریقے سے کہ جس سے تعظیم بلند ہو اور یہ مبالغہ ذات باری تعالیٰ تک نہ لے جائے تو وہ حق تک پہنچا اور اس نے اللہ کو ربوبیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی حدوں کی پاسداری کی اور یہ وہ قول ہے جو کہ افراط وتفریط سے مبرا اور پاک ہے۔

زیارت گنبد خضرا پر اجماع امت

اور اگر تم کہو کہ تم نے کس طرح پچھلے صفحات میں زیارتِ قبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اس کی طرف سفر پر اجماع نقل کیا ہے۔ حالانکہ متاخرین حنابلہ میں سے ابن تیمیہ تو اس کی مشروعیت کا منکر ہے بلکہ اس کی طرف سفر کرنا وغیرہ ہر چیز کا اس نے انکار کیا ہے جیسا کہ سبکی کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ابن تیمیہ نے اپنے استدلال پر کافی کچھ مواد جمع کیا ہے کہ جس کو کان سننا پسند نہیں کرتے اور طبیعتیں اس سے متنفر ہوتی ہیں بلکہ ابن تیمیہ کا زعم باطن اور گمان فاسد ہے کہ قبر شریف کی طرف سفر کرنا بالا جماع حرام ہے۔ اس لیے (بقول ابن تیمیہ) ہم اس سفر میں نماز قصر نہیں کریں گے اور تمام احادیث جو کہ زیارت کے بارے میں مروی ہیں وہ موضوع ہیں اور بعض متاخرین نے بھی اس میں اس کی اتباع کی ہے جو کہ مذہباً اسی کے تابع ہیں۔

ابن تیمیہ علمائے امت کی عدالت میں۔ علامہ ابن حجر مکی

میں کہتا ہوں ابن تیمیہ کی طرف دیکھنا اور امور دین میں سے کسی چیز کا اس کی طرف پھیرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے جب کہ اس کے بارے میں تو علماء امت کی ایک کثیر جماعت نے اس کے کلام فاسدہ اور حجج کاسدہ کا تعاقب اور رد بلیغ کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی اغلاط وعیوب اور اس کے اوہام کی قباحت کو خوب واضح کیا ہے۔

جیسا کہ العز بن جماعہ نے فرمایا کہ:

''ابن تیمیہ کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ اور ہلاک کر دیا ہے اور اس کو رسوائی کی چادر اوڑھائی اور وہ اپنے جھوٹ اور افتراء میں خود ہی لوٹ کر گر گیا اور ذلت نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے لیے بدنصیبی واجب ہوگئی''۔

اور حضرت شیخ الاسلام (کہ ان کی جلالت شان اور اجتہاد پر تمام امت جمع ہے) یعنی تقی الدین السبکی (اللہ ان کی قبر کو نور سے معمور کرے) نے اپنی ایک مستقل تصنیف میں اس شخص (ابن تیمیہ) کا خوب رد کیا ہے اور اس کتاب میں واضح دلائل، براہین، قاہرہ اور حج باہرہ سے صحیح راہ کی طرف خوب رہنمائی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ان کی اس سعی جمیل پر شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات کو ہم پر ہمیشہ رکھے (آمین)

اور عجائب الوجود میں سے وہ جسارت ہے جس کی بعض متاخرین حنابلہ نے جرأت کی اور حسین ترین مخدورات کے چہرے کہ جن کو کسی انسان اور جن نے بھی نہیں چھوا تھا پر غبار ڈالنے کی کوشش کی اور ایسی چیزیں لائے کہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جہالت پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو کم کرنے کی کوشش کی۔ ایسی جہالت سے پناہ اور ان کو رب سے حیا کرنی چاہیے تھی کہ ان کے منہ افراط میں چلے گئے اور جو چاہا انھوں نے کہا (العیاذ باللہ تعالیٰ)

جب کسی شخص پر شقاوت غالب آجائے اور غباوت اس پر حاکم ہو جائے تو وہ ایسے ہی خرافات بکتا ہے۔ اے اللہ! ہم تیری پناہ میں آتے ہیں ان تمام قبائح سے۔ اے باری تعالیٰ! ہم تیری قدرت و عزت کی طرف عاجزی کرتے ہیں کہ تو ہمیں واضح اور صحیح راستہ کا علم عطا فرمائے اور ہر اس قباحت سے بچائے کہ جو ابن تیمیہ سے واقع ہوئی اور وہ اس برائی میں ہمیشہ کے لیے گر گیا اور یہ مصیبت اس پر مستقل طاری ہوگئی اور یہ بدقسمتی ہمیشہ اس کے پلے پڑی رہی یہ باتیں اس سے انہونی نہیں کیونکہ اس کے نفس اس کی خواہشات اور اس کے شیطان نے اس کے لیے ان امور کو خوبصورت بنا رکھا تھا حتیٰ کہ وہ مجتہدین کے

صائب تیر سے گھائل ہو گیا اور وہ عقل کا اندھا نہ جان سکا کہ وہ کن قبائح میں مبتلا ہو رہا ہے اور بہت سارے مسائل میں اجماع امت کے خلاف کر رہا ہے۔

اور وہ مجتہدین بالخصوص خلفاء راشدین کے عیب کمزور دلائل کے ساتھ نکالنے کے درپے ہوا اور اس میں بے شمار خرافات وہ لایا کہ جن کو کان سننا پسند نہیں کرتے اور طبائع اس سے متنفر ہوتی ہیں حتیٰ کہ وہ جناب حق سبحانہ وتعالیٰ جو کہ ہر عیب ونقص سے پاک ہے اور ہر کمال اور اچھائی کا مستحق ہے کے بارے میں بھی حق سے تجاوز کر گیا اور اس ذات پاک کی طرف عظام و کبائر کو منسوب کر گیا اور اس کی عظمت کبریائی اور جلالت کی باڑ کو توڑ دیا اور منبروں پر عام لوگوں کے لیے اس نے خدا کی طرف جہت اور تجسیم و تھلیل کی نسبت کی کہ متقدمین ومتاخرین میں سے کوئی ایک شخص بھی ان کا معتقد نہیں ہوا حتیٰ کہ اس کے خلاف اس کے ہم عصر علماء کھڑے ہو گئے اور سلطان وقت کو انھوں نے اس کے قتل یا قید کرنے پر ابھارا پس اس نے اس کو قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی قید میں ہی مرا اور یہ بدعت دم توڑ گئی اور اس کی ظلمات و گمراہیاں زائل ہو گئیں اور پھر اس کے متبعین کم ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ نہ اٹھنے دے اور نہ ان کو عزت دے بلکہ اللہ نے ان پر ذلت اور مسکنت تھوپ دی اور وہ اللہ کے غضب میں لوٹے بسبب اپنی گمراہی کے کیونکہ وہ حد سے بڑھنے والے تھے۔

تنبیہہ

سبکی نے بعض فضلاء سے کیا ہی اچھی احادیث بیان کی ہے! اگرچہ اس میں کلام ہے یہ کہ: زیارت قربت ہے اور یہ دین سے ضرورت کے ساتھ معلوم ہے اور جو اس کے مخالف ہے اس پر کفر کا خوف ہے (انتہیٰ) پس اس میں غور وفکر کرو تا کہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ ابن تیمیہ اور اس کے متبعین اور ساتھی کتنی بری چیز لے کر آئے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ زیارت قربت ونیکی ہے تو اس کی طرف مجرد سفر بھی نیکی وقربت ہو گا اور یہ دونوں آپس

میں لازم ملزوم ہیں اور یہ مخفی نہیں ماسوائے معاند کے اور جس نے زیارت کے لیے مجرد سفر کے قربت ہونے میں توقف کیا اور انکار کیا تو لازم ہے کہ وہ زیارت کے قربت و نیکی ہونے میں متوقف ہے۔ یہ تو جان چکا ہے کہ مطلق زیارت کا انکار کفر ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بہت عظیم انکار ہے۔

اور اگر تم کہو کہ یہ اس قدر سختی کیوں؟ جبکہ وہ شخص بھی تو صحیح حدیث سے استدلال کررہا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد

''تین مساجد کے سوا کسی کی طرف کجاوے نہ کسے جائیں''۔

اور زیارت کے لیے جانا ان تینوں سے باہر ہے تو چاہیے کہ اس حدیث کی رو سے وہ بھی منع ہو تو میں کہتا ہوں کہ حدیث کا معنی وہ نہیں جو کہ اسنے سمجھا ہے جیسا کہ اپنے مقام پر آئے گا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نہ کجاوے کسے جائیں کسی مسجد کی طرف صرف اس کی تعظیم و عظمت اور نماز کے لیے تقرب چاہتے ہوئے سوائے ان تین مساجد کے کہ انھیں کی تعظیم اور تقرب للصلوۃ ہے۔ اس تقریر پر یہ مستثنیٰ متصل ہوگا۔ کیونکہ عرفہ کی طرف مناسک ادا کرنے کے لیے جانا بالاتفاق واجب ہے۔ اسی طریقے سے جہاد میں جانا اور دار الکفر سے ہجرت بھی واجب ہے جب کہ شروط پائی جائیں اور طلب علم سنت یا واجب ہے اور تجارت کے لیے شد رحال پر اجماع واقع ہے۔ اس طریقے سے حوائج دنیا اور آخرت کے لیے شد رحال ہے اور ان سب سے زیادہ موکد زیارت قبر شریف ہے تو اولیٰ ہے کہ اس کے لیے بھی شد رحال جائز ہو۔

اس حدیث کی تاویل پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کی سند حسن ہے اور اس میں اس کی تصریح بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا ینبغی للمصلی ان تشد رحالها الی مسجد ینبغی فیه الصلوة

غیر المسجد الحرام و مسجدی هذا و المسجد الاقصیٰ

''نمازی کو یہ نہیں چاہیے کہ کسی مسجد کی طرف کجاوے کسے کہ اس میں جا کر نماز پڑھے سوائے مسجد حرام اور میری اس مسجد اور مسجد اقصیٰ کے''۔

ان تینوں مساجد کے سوا کسی اور کی طرف کجاوے کس کر یعنی قصد کر کے جانے کے بارے میں کئی مذاہب ہیں۔ شیخ ابو محمد الجوینی نے فرمایا کہ منع ہے اور بعض مقامات پر فرمایا کہ مکروہ ہے اور فرمایا کہ بعض اوقات حرام ہے۔

اور حضرت شیخ ابو علی نے فرمایا کہ حرام نہیں ہے اور نہ ہی مکروہ ہے۔ بیشک اس سے مراد یہ ہے کہ قربت کا حصول ان تینوں کی طرف کجاوے کسنے میں ہے اور ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف کجاوے کسنے میں قربت نہیں ہے۔

اور اس کا یہی مقصد ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ بلکہ یہی صواب ہے اور پھر نووی نے شیخ ابو محمد کے قول جو کہ گزرا کہ غلط ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور سبکی نے بحث کی ہے کہ اگر اس سے تعظیم مراد ہے تو پہلا قول صحیح ہے اور اگر اس سے تعظیم مراد نہیں ہے تو دوسرا قول صحیح ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ لاتشد الرحال سے مراد کسی ایسی مسجد کی طرف اشارہ ہو کہ اگر وہاں جا کر نماز پڑھی جائے تو اس میں نماز کا زیادہ ثواب ہوگا سوائے ان تین مساجد کے تو بھی کسی اور مسجد کی طرف قصد کر کے جانے کی نفی نہیں ہو گی۔ اگر اس میں زیادتی نماز کے سوا فضیلت ہے جیسا کہ مسجد قباء کہ اس کے لیے علیحدہ دلیل وارد ہے اور سبکی نے فرمایا کہ یہ تمام کسی عین جگہ کے لیے ہے یا وہاں جا کر عبادت کرنے کے قصد کے لیے ہے کہ اس کے ساتھ اس کی تعظیم کا بھی قصد کیا جائے اور اگر بغیر نذر کے اس کا قصد کے جائے کسی اور غرض کے لیے جیسا کہ زیارت یا اس کی مانند کسی اور کام کے لیے تو کسی ایک نے بھی اس کو حرام یا مکروہ نہیں کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے

لیے سفر کی غایت مسجد مدینہ ہے کیونکہ اس کی مجاورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک ہے۔ اور زائر کی غرض اس مسجد شریف میں قبر شریف کے حلول سے تبرک حاصل کرنا ہے اور سلام عرض کرنا ہے اور جو ذات مقدسہ اس قبر شریف میں ہے اس کی تعظیم کرنا ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سفر کرتا ہے اور اس سے صرف اس قبر کی معین تعظیم نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی تعظیم ہے۔

حاصل کلام یہ ہے یک سفر سے نہی دونوں حکموں کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک تو یہ کہ ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی کا قصد کر کے جانا قربت ونیکی کی نیت سے نہ ہو جیسا کہ علم حاصل کرنے کے لیے یا قریب سے زیارت کے لیے نہ ہو تب منع ہے اور دوسرا یہ کہ اس کی علت صرف اس ٹکڑے کی تعظیم کے لیے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارکہ کی زیارت کا سفر قطعی طور پر اس سے خارج ہے کیونکہ ان تینوں مساجد میں سے کسی ایک کی غایت اور علت اس بقعۂ مبارک میں ساکن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہے نہ کہ صرف اس بقعۂ مبارکہ کی۔ پس مطلوب سفر کی دو قسمیں ہوں گی پہلی قسم تو وہی جو کہ ان تینوں مساجد کی طرف سفر کی غایت ہے وہی یہاں بھی پائی جاتی ہے اور دوسری قسم یہ کہ سفر عبادت کے لیے ہو اگرچہ ان تینوں کے علاوہ کسی طرف ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر میں یہ دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں پس یہ طلب کہ اعلیٰ اور افضل ترین اور اکمل ترین درجات میں سے ہے۔

اور اگر تم کہو کہ نووی نے شرح مسلم میں فرمایا کہ ان تینوں مساجد کے علاوہ سامان سفر باندھنے میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ اولیاء کرام کی قبور کی زیارت کے لیے اور دیگر متبرک مقامات کی طرف جانا تو ابو محمد اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں اور قاضی عیاض نے

بھی اس کو اختیار کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ نہ تو حرام ہے اور نہ ہی مکروہ۔ ہمارے علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف انہی تینوں مساجد کی طرف سامان سفر باندھنے کی فضیلت ثابت ہے۔

تو امام نووی کی اس عبارت میں خلل ہے کہ انھوں نے کہا ابو محمد نے اس کی حرمت میں فتویٰ دیا ہے اور نووی نے ہی شرح مسلم میں اس مقام کے علاوہ دوسری جگہ اور شرح المہذب میں ایک مقام پر فرمایا اور ان سے پہلے رافعی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ کہ اگر اس کو صرف مساجد ہی رکھا جائے تو ابو محمد کے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا اور اگر سفر اغراض صحیحہ کے قصد سے ہو اگرچہ مساجد غیر ثلاثہ اور دیگر امکنہ کی طرف ہو مثلاً زیارت کے لیے اور طلب علم وغیرہ ہما کے لیے ہو تو ابو محمد نے اس سلسلہ میں کلام نہیں فرمایا اور نہ ہی اس حرمت وکراہت کے قول کی ان کی طرف نسبت جائز ہے اور اگر انھوں نے یہ کلام واقعی زیارت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیا یا کسی اور نے کہا ہے تو ان کا یہ غلط کلام قبول نہ کیا جائے گا اور ہم ان کے اس کلام کے غلط ہونے کا ہی حکم دیں گے۔ اور ہم کہیں گے کہ وہ اس حدیث کا مفہوم نہیں سمجھ سکے اور اسی طریقے سے قاضی عیاض کا کلام بھی زیارت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق نہیں ہے۔ نہ تو صراحتاً اور نہ ہی اس میں زیارت موتی کی نفی کا اشارہ ہے۔ (انتہیٰ بقدر الحاجت) اور پھر فرمایا (سبکی نے) کہ وہ جو کہ حنابلہ کی کتاب المغنی میں ابن عقیل سے نقل کیا گیا ہے کہ زیارت قبور اور دیگر مشاہد کی طرف نہ تو مباح ہے اور نہ ہی اس کی رخصت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ تین مساجد کے سوا کسی بھی مسجد کی طرف سامان سفر نہیں باندھنا چاہیے تو صحیح یہ ہے کہ زیارت ومشاہدۂ قبور جائز ہے اور وجہ جواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبا کی طرف پیدل اور سواری پر تشریف لانا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبور کی زیارت فرمایا کرتے تھے اور قبروں کی زیارت کرنے کا حکم فرمایا کرتے

تھے اور بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک کہ ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لیے سامان سفر نہ باندھنا میں فی الحقیقت بات صرف یہ ہے کہ ان تین مسجدوں پر کسی اور مسجد کی فضیلت نہیں اور اسے اسی پر محمول کیا جائے گا اس سے دوسری مسجدوں کی زیارت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ (مغنی کا کلام ختم ہوا)

پس ابن عقیل کا کلام ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا حمل صرف اس پر ہوگا جو کہ اس نے مٹی کی زیارت کے لیے جائے تو یہ ہمارے کلام کے منافی نہیں ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اس میت کی زیارت کے لیے جائے نہ کہ صرف اس زمین کے ٹکڑے کے لیے کہ جس میں میت موجود ہے اور اگر ابن عقیل کے کلام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زارت کے بارے میں فرض کیا جائے تو واجب ہوگا اس کا حمل ان دلائل حاصلہ کے غیر پر ہوگا کیونکہ اگر اس کلام کا شمول زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا جائے تو یہ غیر معتبر ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے ابن تیمیہ کے ضمن میں بیان کیا۔ لیکن بحمدہ تعالیٰ یہ ابن عقیل سے ثابت ہی نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ شریف ممانعت میں داخل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت یقیناً اس روضہ شریف کے قصد کے ساتھ ہی ہوگی۔ کیونکہ سلام اور دعا دونوں اس کے بعد ہی حاصل ہوں گی کیونکہ روضہ شریف کا قصد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت پر مشتمل ہوگا تو وہ ممنوع نہیں ہوگا۔ ممنوع صرف اس کا معین قصد (جبکہ اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا قصد نہ ہو) یا صرف اس جگہ کی تعظیم کے لیے ہوگا کہ جس پر شرع کی دلیل نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہیں ہوگی جبکہ اس بقعۂ مبارکہ کی زیارت کا قصد ہوگا۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بعض طرق حدیث میں وارد ہے کہ حضرت جبرائیل امین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آ کر عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کا رب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بقیع کے پاس تشریف لائیں اور ان کے لیے استغفار فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات حضرت عائشہؓ کے پاس سے بقیع کی طرف نکلے اور وہاں جا کر کھڑے ہوئے اور کافی دیر تک کھڑے رہے۔ پھر ہاتھ اٹھائے اور تین مرتبہ دعا مانگی (الحدیث)

اور اسی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ کو تعلیم فرمائی کہ قبرستان میں جا کر کیا کہنا چاہیے۔ پس دیکھ کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح بقیع کی طرف اللہ کے حکم کے مطابق تشریف لے گئے تا کہ ان کے لیے استغفار فرمائیں اور یہ دور ہی سے دعا نہیں فرمائی بلکہ وہاں تشریف لے جا کر دعا فرمائی اور اگر آپ اہل بقیع کے لیے دور ہی سے دعا فرما دیتے تب بھی ان کو نفع پہنچتا اور ان تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا پہنچتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں تشریف لے جانا اس لیے تھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ زیارت و دعا کے لیے جانا درست ہے اور اس میں جو فضیلت ہے وہ آنے والے فوائد میں بیان کی جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ قبر کے پاس زیارت کے لیے یا جو کوئی اس قبر میں ہے اس کے لیے دعا کرنے کے لیے آنا یہ جگہوں کے قصد کے باب میں سے نہیں ہے اور نہ ہی حدیث میں اس سے ممانعت پر دلالت ہے اور نہ ہی علماء میں سے کسی ایک نے بھی اس کو منع کیا ہے جیسا کہ گزرا۔

اور حضرت عائشہ کو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی تو یہ عورتوں کے لیے زیارت قبور بعض شرائط کے ساتھ مشروع ہونے کی دلیل ہے اور وہ شرائط اپنی جگہ مذکور ہیں تو یہ حدیث اس کے منافی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ ان میں جزع و فزع زیادہ ہوتا ہے یا پھر ان سے فتنہ کا خوف ہوتا ہے۔

بعض جھوٹے اور منگھڑت فتوے

سبکی نے ذکر فرمایا کہ ان کے سامنے چند فتوے پیش کیے گئے جو کہ بعض مالکی اور شافعی وغیرہما علماء کی طرف منسوب تھے کہ زیارت قبور منع ہے تو آپ نے بیان فرمایا کہ یہ سب کے سب محض جھوٹ کذب اور مضحکہ خیز ہیں اور یہ کسی ابن تیمیہ کے جاہل ماننے والے نے گھڑے ہوئے ہیں وہ یہ نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ اپنے دین کا خود حامی و مددگار ہے اور ان مفتریوں اور جاہلوں اور مغروروں کے شر سے اپنے دین کو بچانے والا ہے۔

اور اگر تم کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ تجعلوا قبری عیداً

''میری قبر کو عید نہ بناؤ''۔

اور اس کا گمان ہے کہ زیارت کی ممانعت میں یہ ظاہر ہے جیسا کہ پہلی حدیث لاتشد الرحال ظاہر تھی اور اسی حدیث کے ساتھ اہل بیت میں سے کسی حضرات نے تمسک کیا ہے کہ یہ زیارت کی ممانعت پر دلیل ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے ثبوت میں ہی اختلاف جا ہے اور اگر اسکو ثابت مانا جائے تو اس کے بارے میں صحیح ترین کلام دو مقامات پر ہے۔ ابن تیمیہ کے ماننے والوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم ذیل میں

زیارت کی دلیل میں آئمہ کے ارشادات پیش کر رہے ہیں۔

پہلا تو یہ کہ مسند عبدالرزاق میں اہل بیت کی ایک جماعت سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ حدیث اہل زیارت کی ممانعت میں منع نہیں کرتی بلکہ صرف اس شخص کے بارے میں ہے جو کہ غیر مشروع طریقے سے قبر منورہ پر حاضر ہو۔ اس میں امام حسن بن حسن بن علی علیہ السلام کا فرمان دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کے بعد فرمایا جب تو مسجد میں داخل ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھ۔ پھر حدیث مذکورہ روایت کی۔

شاید آپؑ ان میں سے کہ جو قبر منور کے قریب زیادہ وقت کھڑا رہنا پسند نہ کرتے ہوں بلکہ مختصر وقت میں درود و سلام عرض کر کے آگے گزر جانے والے ہیں۔ جیسا کہ اگلے صفحات میں بیان ہوگا۔

اس پر علماء کی ایک جماعت کاربند ہے اور امام زین العابدین علیہ السلام کا قول د ہے کہ انھوں نے بھی نہی کے بعد اس شخص کے لیے جو کہ حد سے بڑھ رہا تھا فرمایا کیا میں تجھے اپنے باپ سے حدیث نہ سناوں تو انھوں نے یہی مذکورہ روایت بیان فرمائی اور ان کے پوتے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ وہ جب قبر منورہ پر حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام عرض کرنے کے بعد اس ستون کے پاس کھڑے ہو جاتے جو کہ روضہ شریف کے بالکل پاس ہے۔ پھر سلام عرض کرتے پھر فرماتے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرِ اقدس ہے۔ اس سے ظاہر ہوا وہ جو کہ بعض اہل بیت سے گزرا کہ وہ روضہ شریف پر آنے سے منع کرتے تھے اس میں ممانعت کے لیے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جبکہ سلف وخلف تمام اپنے آئمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہی کی اقتدا کرتے ہیں اگر وہ آئمہ روضہ شریف کی زیارت سے منع فرماتے تو علماء بھی اس کی اقتداء کرتے ہوئے اس سے ممانعت کا فتویٰ دیتے حالانکہ حال اس کے خلاف ہے

کیونکہ تمام علماء سلف وخلف اس زیارت قبور کے مندوب ہونے پر اجماع کیے ہوئے ہیں چہ جائیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت ہو۔

اور وہ جو کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر منورہ پر آنے کو مکروہ سمجھتے تھے تو وہ وقار وجلال وتکبر کے ساتھ آنے کے بارے میں ہے یا پھر بہت زیادہ آنے کے خوف سے آپ نے فرمایا جیسا کہ مالکؒ سے مروی ہے۔

اور یہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ پر تشریف فرما ہوئے تو ایک درخت زمین پھاڑتے ہوئے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور غلامانہ طور پر حاضری دی اور پھر اپنی جگہ پر واپس چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس درخت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس درخت نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اجازت عطا فرمائی۔

جب جمادات کا یہ حال ہے تو اس کا کیا حال ہوگا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل وفہم عطا فرمایا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وعظمت کو پہچانتا ہے وہ تو زیادہ حق دار ہے کہ اس بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کرے۔

دوسری بات یہ کہ اس حدیث کے ظاہر سے تمسک واستدلال نہیں کیا جائے گا اور اگر ابن تیمیہ کی بات سچی فرض کی جائے کہ جس نے اس کے ظاہر سے استدلال کیا ہے تو وہ عربی زبان سے جاہل اور قوانینِ ادلہ سے بے خبر ہے۔ اولاً یہ کہ ہم اس کے اس زعمِ باطل کی اس دلیل کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی اگر یہی مراد ہوتی جو کہ ابنِ تیمیہ نے سمجھی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام اس طرح ہوتا ہے۔

لا تزور واقبری

''میری قبر کی زیارت مت کرو''۔

ایسے الفاظ نہ فرماتے کہ جن میں دونوں طرف کا احتمال پایا جاتا ہے۔حق یہ تھا کہ یہاں وہ (ابن تیمیہ) اپنے دعوے کے مطابق دلیل لاتا اور اس عظیم خطرہ سے بچتے ہوئے صرف التزام تضمن کے ساتھ کلام نہ کرتا اور بالفرضِ محال اس سے ممانعت ہی مراد لی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو لا تجعلوا قبری عیداً کی طرف لوٹایا ہے جو کہ دلیل ہے کہ اس سے مراد کچھ اور ہے۔

ثانیاً: اگر اس کے معنی ظاہراً وہی ثابت ہوتے جو کہ ابن تیمیہ کا گمان ہے بلکہ اگر الفاظ بھی وارد ہوتے لا تزور واقبری (میری قبر کی زیارت نہ کرو) تب بھی مسلمانوں کے زیارت پر اجماع کے ہوتے ہوئے اس میں تاویل کی جاتی کیونکہ اجماع دلائل قطعیہ میں سے ہے اور ظنیات اس کے مقابلے میں نہیں پیش کیے جاسکتے۔تو حدیث کی تاویل واجب تھی کیونکہ یہ ظنی ہے حتی کہ یہ قطعی کے ساتھ موافق ہو جاتی۔

تو جب اس صریح کی تاویل کا وجوب ظاہر ہو گیا تو وہ جو کہ متحمل ہے اس میں تاویل کیوں نہیں کی جائے گی کیونکہ اس میں عیداً کا لفظ اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ زیارت کثرت کے ساتھ کی جائے نہ کہ عید کی طرح سال میں صرف ایک دو مرتبہ اور اگر اس کو اس معنی پر لیا جائے جس کا کہ احتمال ہے تو پھر کہا جائے گا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میری قبر کو ایسے نہ چھوڑو کہ اس کی زیارت ہی نہ کرو مگر بعض اوقات جیسا کہ عید سال میں ایک دو مرتبہ آتی ہے بلکہ تمام اوقات میں میری قبر کی زیارت کیا کرو اور اس کے لیے وقت مخصوص نہ ٹھہراؤ کہ زیارت ہی نہ کرو مگر اسی مخصوص وقت میں۔

اور دوسرا احتمال مدنظر رکھا جائے کہ اس سے مراد ممانعت ہے تو اس سے مخصوص

حالت مراد ہوگی کہ میری قبر کو عید کی طرح اس کے قریب اظہارِ زینت کرنا کہ جس طرح عیدوں میں کیا جاتا ہے بلکہ وہاں صرف زیارت اور سلام عرض کرنے اور دعا مانگنے کے لیے حاضر ہو پھر وہاں سے پلٹ آؤ۔

پس یہ جو ہم نے تحریر اور بیان کیا اور ہم نے جس کی تحقیق کی وہ یہ کہ ابن تیمیہ کا اس حدیث سے تمسک کرنا درست نہیں ہے اور ابن تیمیہ کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تو ابن تیمیہ پر الٹی دلیل قائم ہوتی ہے کیونکہ اس سے کثرت کے ساتھ زیارت پر ابھارنا مراد ہے اور کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اس حدیث سے یہی ظاہر ہے۔

اور جو "نہی" ہے تو وہ مخصوص حالت کے ساتھ مقید ہے اور اس حالت کے سوا زیارت ممنوع نہیں ہے اور جب یہاں نہی کی نفی ہوگی تو اب طلب اثبات پایا گیا۔ جب کہ وہ اس کے مباح ہونے کا قائل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے راستے طے کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بہترین جماعت میں سے بنائے (آمین ثم آمین)

اور اس پر امت کا اجماع ہے جیسا کہ بے شمار علماء نے اس کو نقل کیا ہے کہ بے شک یہ افضل ترین قربت اور کامیاب کوشش میں سے ہے اور:

لا تجعلوا بیوتکم قبوراً ولا تجعلوا قبری عیداً وصلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیثما کنتم

"اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ اور مجھ پر درود پڑھو، بیشک تمھارا درود مجھے پہنچا دیا جاتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو"۔

اس حدیث کو نووی نے صحیح کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مقبرہ میں نماز مکروہ ہے یعنی قبور کو نماز کی جگہ نہ بناؤ کہ ان میں نمازیں نہ پڑھو اور نہ ہی عمل کرو اور اس کو دوسری

روایت کے ساتھ ترجیح دی گئی ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں:

اجعلوا من صلاتكم في بيوتكم و لا تتخذوها قبوراً

''اپنے گھروں میں کچھ نماز پڑھا کرو انھیں قبرستان نہ بناؤ''۔

اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے گھروں میں مردے دفن نہ کرو اور یہ ظاہر الفاظ کا مطلب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں مدفون ہیں تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خائص میں سے ہے اور اسکا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے اپنے گھر میں نماز نہ پڑھی اس نے اپنے آپ کو مردے کی طرح بنالیا اور اس کا گھر قبر کی طرح بن گیا اور اس کی مؤید مسلم کی روایت ہے جس میں فرمایا:

مثل البيت الذي يذكر الله فيه و البيت الذي لا يذكر الله فيه كمثل الحي و الميت

''اس گھر کی مثال کہ جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور اس گھر کی مثال کہ جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ کی مثال''۔

خاتمہ

جیسا کہ زیارت اور اس کی طرف سفر کی مشروعیت پر علماء کا اجماع ہے اسی طرح علماء اور عوام المسلمین کا فعل کے صدور پر بھی اجماع ہے کہ زمانہ صحابہ سے لے کر آج کے دن تک ہمیشہ لوگ دنیا کے ہر خطہ وسمت سے زیارت کے لیے حج سے پہلے اور حج کے بعد حاضر ہوتے ہیں اور زیارت کے لیے مسافت بعیدہ طے کر کے اور طویل اور مشکل سفر طے کر کے آتے ہیں اور اس میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور اس کو بہت بڑی نیکی سمجھتے ہوئے اور اعتقاد کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔

اور جس کا یہ گمان ہے کہ یہ عظیم اجماع جو کہ ہمیشہ سے ہر زمانے میں ہوتا آیا ہے تو یہ

سارے لوگ غلطی پر اور خطا کار ہیں تو یقیناً وہ خود خاطی اور محروم ہے اور کوئی یہ گمان پیش کرے کہ یہ لوگ دیگر نیکیوں کا قصد کرتے ہیں نہ کہ مجرد زیارت کے لیے سفر کا قصد کرتے ہیں تو یہ تکبر اور علم کے ساتھ عناد ہے کیونکہ وہ صرف زیارت محض کے لے ہی حاضر ہوتے ہیں بلکہ ان پر کوئی خطرہ نہیں سوائے اس شخص کے کہ جو مخالف و مبطل کے شبہ میں گر جائے اور وہ بہت کم ہیں۔

اور ان کی سب سے بڑی غرض صرف زیارت ہی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ جو بھی کام ہے وہ اسی کے تابع ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر یہ نیت نہ ہو تو وہ یہ سفر ہی نہ کرتے۔

اور علماء کا یہ فرمانا کہ نیت کرتے وقت چاہیے کہ زیارت کے ساتھ مسجد نبوی کے تقرب اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت بھی کر لیں۔ یہ اس میں نص ہے جو کہ ہم نے کہا کیونکہ علماء نے اس کو اس کے ساتھ مشروط نہیں کیا اور اس کو صرف بہتر قرار دیا ہے تا کہ سفر دو نیکیوں کی طرف ہو جائے اور نیکی زیادہ ہونے کی وجہ سے اس میں ثواب زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ اسی طرح اگر زیادہ نیکیوں کی نیت کرتا جائے گا ثواب و اجر بڑھتا جائے گا اور ان کے اس کلام میں یہی فائدہ ہے جو کہ گزرا اور اس میں تنبیہ ہے کہ یہ قرب زیارت کی نیت کے اخلاص میں قادح نہیں ہے۔

زیارت کے فضائل وفوائد

زیارت قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واضح دلائل اور تائیدات ظاہرہ ہیں جو کہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور کچھ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ بلاشبہ یہ زیارت مشروع و مطلوب ہے اور یہ کامیاب مساعی اہم ترین قربات اور افضل اعمال ار پاکیزہ ترین عبادات میں سے ہے اور اس کے ثمرات وفوائد اور ثواب کا تفاوت، درجات کا تعین اور جو کچھ فضائل آنے والے ہیں جو کوئی ان میں غور وفکر کرے تو اسے علم ہو جائے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے عظیم فوائد ہیں اور ہر اس شخص کو پہنچتے ہیں جو کہ اخلاص کے ساتھ ان اعلیٰ مقاصد کا قصد کرے اور اس میٹھے گھاٹ سے پانی پینے کا ارادہ کرے۔

اس سلسلے میں بہت ساری صحیح وغیرہ میں احادیث مروی ہیں جن میں سے کچھ پہلے گزریں جو کہ فضائل عظیمہ کی حامل ہیں جو زائر کو حاصل ہوتے ہیں۔ کچھ مضائقہ نہیں کہ ان میں سے کچھ کا بیان یہاں دوبارہ کر دیا جائے تا کہ ان کے فضائل دوبالا ہو جائیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے:

من زار قبری وجبت له شفاعتی

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی''۔

اور وجبت له شفاعیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کے لیے یہ سچا وعدہ ضروری ہو

گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا فائدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی عمومیت کے ساتھ ساتھ جو کہ زائر اور غیر زائر دونوں کے لیے ہے۔ زائر کے لیے اس کے اس عظیم فعل کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت مخصوص ہوگی۔ یا یہ نعمت کے زیادہ ہونے کا سبب ہے یا پھر روز حشر وغیرہ کے احوال میں تخفیف ہوگی یا پھر اس خصوصی شفاعت کے سبب اس کا حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جو کہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ یا اس شفاعت سے مراد یہ ہے کہ جنت میں اس کے درجات بلند کیے جائیں گے۔ یا پھر دیدار خداوندی کی خصوصی نعمت سے سرفراز کیا جائے گا اور اس کے علاوہ وہ ان چیزوں کا مستحق ٹھہرے گا کہ جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں اور نہ ہی کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے قلب پر وارد ہوئی ہیں۔ یہ تمام شفاعتیں اور برکتیں صرف اسی کے لیے ہوں گی نہ کہ اس کے غیر کے لیے اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جو شفاعت دوسروں کے لیے عام ہوگی س کے لیے علیحدہ ہوگی اور یہ اس کا ان افراد کی بزرگی اور شرف کے لیے ہوگا اور یہ تقویت زیارت کے سبب ہوگی یا مراد یہ کہ وہ اس زمرہ میں شامل ہو جائے گا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت پہنچے گی تو اس کے لیے یہ بشارت ہے کہ وہ مسلمان فوت ہوگا یعنی اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ جس میں اس کا حکم عموم پر ہوگا نہ کہ اس میں اسلام پر وفات کی شرط مضمر ہے اگر ایسا ہوتا تو زیارت کا ذکر نہ کیا جاتا۔ کیونکہ اسلام تو اکیلا ہی شفاعت کے پہنچنے کے لیے کافی ہے بخلاف پہلوں کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زائر کے لیے خصوصیت سے فرمانا کہ اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی تو یہ شفاعت عظیمہ و جلیلہ اس عظیم شافع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم پر مبنی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی عظیم نہیں ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے کسی کی شفاعت بزرگ ہے۔

۲۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک:

من زارِ قبری بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی

''جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ ایسے ہی ہے جس نے میری ظاہری زندگی میں میری زیارت کی''۔

۳۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ:

من جاء نی زائرا الا تعلمه حاجة الا زيارتي كان حقا على ان اكون له شفيعا يوم القيامة

''جو کوئی میرے پاس کیا اور اسے سوائے میری زیارت کے اور کوئی کام نہ ہو تو مجھ پر اس کا حق ہے کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت فرماؤں''۔

۴۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ:

من جاء نی زائرا كان له حقا على الله عزوجل ان اكون شفيعا يوم القيامته

''جو کوئی میری زیارت کے لیے میرے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ (کرم) پر ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہو جاؤں''۔

اس کا معنی پہلی فصل میں گزر چکا ہے اور عنقریب نویں فائدہ، سولہویں خاتمہ اور چھٹی فصل میں آئے گا جو کہ اس کے متعلق ہے۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ یہ عظیم ثواب اور فوائد وکامرانی اس شفاعت عظیمہ سے ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے اور صرف اسے ہی حاصل ہوگی جو اپنے چہرے کو اخلاص کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر دے اور اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی اور قصد یا کام نہ ہو جو کہ اس کے منافی ہو۔

۵۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ:

من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی

''جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری زیارت کی وہ ایسا ہے گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی''۔

۶۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ:

من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی و صحبتی

''جس نے حج کیا اور میری قبر منورہ کی زیارت کی وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے میری ظاہری زندگی میں میری زیارت کی اور میری صحبت میں رہا''۔

۷۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ:

من حج فزارنی فی مسجدی بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی

''جس نے حج کیا اور میری مسجد میں میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی''۔

۸۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان:

من زارنی الی المدینة کنت له شفیعا او شهیدا

''جس نے مدینہ میں آ کر میری زیارت کی میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا''۔

۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من زار قبری (او قال) من زارنی کنت له شفیعا و شهیدا و من مات فی احد الحرمین بعثه الله عزوجل فی الآمنین یوم القیامة

''جس نے میری قبر کی زیارت کی (یا فرمایا) جس نے میری زیارت کی میں اس کا شفیع و گواہ ہوں گا اور جو دونوں حرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوا اللہ

عزوجل اس کو روز قیامت امن والوں میں اٹھائے گا''۔

۱۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما:

من زارنی متعمداً ای بان لم یقصد غیر زیارتی کان جواری یوم القیامۃ

''جس نے قصداً میری زیارت کی یعنی اور کوئی اسے کام نہ ہو سوائے میرے قصد کے (جیسا کہ حدیث نمبر۴ میں گزرا) وہ قیامت کے روز میرا ہمسایہ ہوگا''۔

۱۱۔ من سکن المدینۃ و صبر علی بلائھا کنت لہ شھیداً و شفیعا یوم القیامۃ

''جس نے مدینہ شریف میں سکونت اختیار کی اور اس کی تکلیفوں پر صبر کیا میں قیامت کے دن اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا''۔

۱۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی و من مات باحد الحرمین بعث من الآمنین یوم القیامۃ

''جس نے میری زیارت میرے وصال کے بعد کی گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی اور جو دونوں حرموں میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہوا اس کو قیامت کے دن آمنین میں سے اٹھایا جائے گا''۔

۱۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اقدس ہے:

من حج حجۃ الاسلام فزار قبری و غزا غزوۃ و صلی فی بیت المقدس لم یسألہ اللہ تعالیٰ فیما افترض علیہ

''جس نے حج مبرور ادا کیا اور میری قبر کی زیارت کی اور جہاد کیا اور بیت المقدس میں نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کو فرائض کے بارے میں نہ پوچھے گا''۔

۱۴۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی و انا حیی و من زارنی کنت

له شهیدا و شفیعا یوم القیامة

''جس نے میری زیارت میرے وصال کے بعد کی گویا کہ اس نے اس حالت میں میری زیارت کی کہ میں زندہ ہوں اور جس نے میری زیارت کی میں اس کا قیامت کے روز گواہ اور شفیع ہوں گا''۔

۱۵۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من زارنی بالمدینه کنت له شهیدا و شفیعا یوم القیامة

''جس نے مدینہ شریف میں میری زیارت کی میں اس کا قیامت کے دن گواہ اور شفیع ہوں گا''۔

۱۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا:

من مات فی احد الحرمین بعث الله من الآمنین یوم القیامة و من زارنی محتسبا الی المدینه کان فی جواری یوم القیامة

''جو دونوں حرموں میں سے کسی حرم میں فوت ہوا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو آمنین میں سے اٹھائے گا اور جس نے مدینہ میں نیکی اور ثواب سمجھتے ہوئے میری (قبر کی) زیارت کی وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہوگا''۔

۱۷۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من زارنی میتا فکانما زارنی حیا و من زار قبری و جبت له شفاعتی یوم القیامة و ما من احد من امتی له وسعة لم یزرنی فلیس له عذر

''جس نے میری زیارت میرے وصال کے بعد کی گویا کہ اس نے مجھے زندہ دیکھا اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی اور میری امت میں سے جس کسی کو طاقت و وسعت ہو اور اس کے باوجود اگر اس نے میری زیارت نہ کی تو اس کے لیے کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا''۔

۱۸۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اقدس ہے:

من زارني في مماتي كان كمن زارني في حياتي و من زارني حتى ينتهي الى قبري كنت له يوم القيامة شهيدا و قال شفيعا

''جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی اور جو زیارت کے لیے میری قبر تک پہنچا قیامت کے روز میں اس کا گواہ (یا فرمایا) شفیع ہوں گا''۔

۱۹۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من حج الى مكة ثم قصدني في مسجدي كتبت له حجتان مبرورتان

''جس نے مکہ شریف میں حج کیا پھر میرے ارادے سے میری مسجد میں آیا اس کے لیے دو مبرور حجوں کا ثواب لکھا گیا''۔

۲۰۔ خطیب الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من زار قبري بعد موتي فكانما زارني في حياتي و من لم يزر قبري فقد جفاني

''جس نے میرے انتقال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا''۔

۲۱۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اتى المدينة زائرا لي وجبت له شفاعتي يوم القيامة ومن مات في احد الحرمين بعث آمنا

''جو مدینہ شریف میں میری زیارت کے لیے آئے قیامت کے دن اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی اور جو دونوں حرموں میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہوا وہ قیامت کے دن امن والا ہوگا''۔

زیارت کے اعظم فوائد

سماعتِ مصطفیٰؐ

جب زائر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بذات خود حقیقی طور پر سماعت فرماتے ہیں اور بغیر کسی واسطہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں بخلاف اس کے کہ جو دور میں صلاۃ وسلام عرض کرتا ہے کیونکہ وہ درود و سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بواسطہ ملائکہ پیش کیا جاتا ہے اور اس پر بہت ساری احادیث دلالت کرتی ہیں۔

ان احادیث میں سے وہ حدیث شریف جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بسند جید اور کہا گیا ہے کہ یہ غریب ہے کہ:

من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی من بعید اعلمته

''جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا میں اس کو سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا مجھے اس کا علم ہو جاتا ہے''۔

اور ایک روایت میں کہ جس کی سند میں متروک راوی ہے۔ فرمایا:

من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیا ای بعیدا و کل اللہ به ملکا یبلغنی و کفی امر دنیاه و آخرته و کنت له

یوم القیامة شهیدا او شفیعا

''جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے درود پڑھے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو کہ مجھے وہ درود پہنچا دیتا ہے اور وہ اس کیے دنیا و آخرت کے تمام کاموں کے لیے کافی ہے اور میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہ یا شفیع ہوں گا''۔

اور ایک روایت میں ہے:

ما من عبد یسلم علی عند قبری الا و کل الله به ملکا یبلغنی

''جو کوئی شخص مجھ پر میری قبر کے نزدیک سلام کہے گا اللہ نے ایک فرشتہ موکل بنایا ہے جو کہ مجھے پہنچا دیتا ہے''۔

اور دوسری روایت کہ جس کی سند میں ضعف ہے لیکن شواہد کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے:

اکثروا الصلاة علی فان الله وکل بی ملکا عند قبری فاذا صلی علی رجل من امتی قال ذلک الملک یا محمد ان فلان بن فلان صلی علیک الساعة

''مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھا کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ موکل فرمایا ہے پس جب کوئی شخص میرا امتی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ مجھے عرض کرتا ہے یا رسول اللہ فلاں بن فلاں نے آپؐ پر اس گھڑی درود پڑھا ہے''۔

اور دوسری روایت کہ اس کی سند حسن ہے بلکہ صحیح ہے جیسا کہ نووی وغیرہ نے کہا ہے اور اس میں ایسا اعتراض ہے جو کہ اس کی سند کی صحت میں قادح نہیں ہے۔

ما من احد یسلم علی الا ردالله علی روحی حتی ارد علیه

''جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹاتا ہے حتی کہ میں اس کو جواب دیتا ہوں''۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ما من مسلم یسلم علی فی شرق ولا غرب الا انا ملائکة ربی یرد علیه السلام فقال له قائل یا رسول الله فما بال اهل المدینة قال و ما یقال لکریم فی جیرانه انه مما امر بهے من حفظ الجوار حفظ الجیران

''جو کوئی (مسلمان) شخص بھی مشرق میں یا مغرب میں مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو میں اور میرے رب کے فرشتے اس کو جواب دیتے ہیں تو ایک کہنے والے نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ والوں کا کیا حال ہے تو فرمایا کہ کریم کے لیے اپنے ہمسایوں کے بارے میں کہا جائے گا حالانکہ ہمسایوں کی حفاظت کے بارے میں حکم دیا گیا ہے''۔

اور اس کی سند غریب ہے بلکہ اس میں ایسا راوی موجود ہے کہ جس پر ذہبی نے وضع کی تہمت لگائی ہے اور دوسری سند کہ اس میں ضعف ہے:

ان اقربکم منی یوم القیامة فی کلک موطن اکثر کم علی صلاة فی الدنیا

''قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہوگا جو کہ ہر مقام پر دنیا میں مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھے گا''۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

من صلی علی فی یوم الجمعة و لیلة الجمعة مائة مرة قضی الله له مائة حاجة سبعین من حوائج الاخرة وثلاثین من حوائج

الدنيا ثم يوكل الله بذالک ملكا يدخله فی قبری كما تدخل علیكم الهدايا يخبرنی بمن صلی علی باسمه و نسبه الی عشیرته فاثبته عندی فی صحيفة بيضاء

''جس نے مجھ پر جمعہ اور جمعرات کو ایک سو مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی پھر ایک فرشتہ اس پر مقرر ہوتا ہے اور میری قبر میں اس درود کو لے کر آتا ہے جس طرح کہ تمھارے پاس ہدیے آتے ہیں پھر وہ مجھے اس شخص کے نام اور نسب اور خاندان کی خبر دیتا ہے تو وہ میرے پاس سفید نورانی صحیفہ میں لکھ دیا جاتا ہے''۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

ان علمی بعد موتی کعلمی فی الحیاة

''کہ میرے وصال کے بعد بھی میرا علم ایسا ہی ہے جیسا کہ حیات میں تھا''۔

اور ایک اور روایت کہ جس کے راوی سب ثقات ہیں سوائے ایک کے کہ وہ غیر معروف ہے۔

من صلی علی بلغتنی صلاته و صليتر عليه و كتب له سوی ذلک عشر حسنات

''جس نے مجھ پر درود پڑھا اس کا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے میں اس کے درود کا جواب دیتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کو دس نیکیاں دی جاتی ہیں''۔

ایک اور روایت صحیح کہ اس میں طعن بلاوجہ کیا گیا ہے۔ اس کو ابن خزیمہ وابن حبان اور حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر حسن صحیح ہے لیکن اس نے اس کو روایت نہیں کیا۔ اسی طرح نووی نے کتاب الاذکار میں اس کی تصحیح کی ہے اور

حافظ عبدالغنی و حافظ منذری نے کہا کہ حسن ہے۔ ابن دحیہ نے کہا کہ صحیح ہے اور عادل سے عادل نقل کر رہا ہے یعنی تمام راوی عادل ہیں اور جس نے کہا کہ یہ خفیہ علت کے سبب منکر یا غریب ہے اس نے بے کار بات کہی ہے کیونکہ دار قطنی نے اس اعتراض کو رد کیا ہے۔

من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم و فیه قبض و فیه النفخة و فیه الصعقة فاکثروا علی من الصلاة فیه فان صلاتکم معروضة علی قالوا یا رسول الله و کیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمت یعنی بلیت قال ان الله عزوجل حرم علی الارض ان تاکلک اجسام الانبیاء

''تمھارے سب دنوں سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم کی تخلیق ہوئی اسی میں وہ قبض کیے گئے اسی میں نفخہ اور صعقہ ہے۔ اسی میں مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہؐ کیسے آپؐ پر درود پیش کیا جائے گا جب کہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجسام کو کھائے''۔

خطابی نے فرمایا ''ارمت'' الف پر فتح اور ''میم'' ساکن اور ''ت'' پر فتح ہے۔ یہ اصل میں ''ارممت'' تھا یعنی ای رمیما'' تو ہڈیاں ہو گیا۔ ایک میم کو حذف کیا تخفیف کے لیے جیسا اظللت یعنی اظللت اور رمیم و الرمة العظام البالبة اور خطابی کے سوا دیگر نے فرمایا کہ اس میں میم مشدد ہے اور آخری ''ت'' ساکن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں ''میم'' مضموم ہے اور ''ر'' مکسور ہے۔

اور دوسری روایت کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر یہ منقطع ہے:

اکثروا من الصلاۃ علی یوم الجمعة فانه یوم مشهود تشهده الملٰکة وان احد لن یصلی علی الا عرضت علی صلاته حتی یفرغ منها قال راویه ابو الدرداء رضی الله عنه و بعد الموت فقال و بعد الموت ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجسام الانبیاء فنبی الله حی یرزق

''روز جمعہ مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں تم میں سے کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ درود سے فارغ ہو جائے۔ راوی حدیث یعنی حضرت ابو دردا نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات کے بعد؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وفات کے بعد کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے پس اللہ کا نبی زندہ ہے اور رزق دیا جاتا ہے''۔

رزق یعنی معارف ربانیہ اور مراتب رحمانیہ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند مقام کے متعلق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے اپنی قبر شریف میں لذت پاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وصال شریف سے پہلے ان سے لذت پاتے تھے۔ پس یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کے لیے عذاب ہے۔ اس کو رزق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باطنی طور پر نعمت حاصل ہے جیسا کہ ظاہر انعام حیات میں اور بعد از ظاہری حیات اور حی یعنی محفوظ ہیں یعنی ہر وقت اور احادیث جو کہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اس وقت پیش کیا جاتا ہے جبکہ وہ درود شریف پڑھتا ہے اور جمعہ کے روز اور قیامت کے روز اور ہم کہتے ہیں

کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف متعدد مرتبہ پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ کے پاس ہر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور پھر ہر پیر اور جمعرات اور شعبان کی پندرہویں تاریخ کو پیش کیے جاتے ہیں۔

اور طبرانی نے جو روایت کی اس کے الفاظ یہ ہیں:

لیس عبد یصلی علی الا بلغنی صوته قلنا یا رسول الله و بعد و فاتک قال و بعد وفاتی ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

''مجھ پر کوئی شخص درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔ ہم نے عرض کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے وصال کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے''۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درود شریف حسی طور پر سنتے ہیں جیسا کہ دوسرے ظاہری و باطنی حواسی ہیں وہ ہر حالت میں قائم ہیں جیسے وصال سے پہلے تھے ایسے ہی وصال کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواس کام کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو غذا حسی سے مستغنی فرما دیا ہے اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت و کرامت کے طور پر ہے۔ جیسا کہ فرشتے غذا حسی کے محتاج نہیں ہیں ایسے ہی انبیاء کرام بھی محتاج نہیں ہیں (تو اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ درود پڑھنے والا چاہے کہیں پر بھی ہو اس کی آواز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سن لیتے ہیں۔ **ذالک فضل الله یؤته من یشاء**۔ مترجم غفرلہ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

قلنا یا رسول الله کیف تبلغک صلاتنا اذا تضمنتک الارض قال ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

''ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں گے تو کیسے ہمارا درود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کیا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے اجسام کو کھائے''۔

اور بہت سارے محدثین نے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان لله ملک اعطا اسماع الخلائق فهو قاء علی بری اذمت فلیس احد یصلی علی صلاة الا قال یا محمد صل علیک فلان ابن فلان فیصلی الرب تبارک و تعالیٰ علی ذالک الرجل بکل واحدة عشرا

''بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے کہ جس کو تمام مخلوق کی آوازیں سننے کی طاقت عطا فرمائی گئی ہے۔ وہ میرے وصال کے بعد میری قبر پر کھڑا رہے گا پس جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود پڑھے گا تو وہ کہے گا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں کا بیٹا فلاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتا ہے تو رب تبارک وتعالیٰ اس آدمی پر ایک کے بدلے دس رحمتیں نازل فرماتا ہے''۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فهو قاء لعی قبری حتی تقوم الساعة فلیس احد من امتی یصلی علی صلاة الاقال یا احمد صلی علیک فلان ابن فلان باسمه و اسم ابیه یصلی علیک کذا او کذا او ضمن لی الرب ان من صلی علی صلاة صلی الله علیه مبشر ا و ان زاد زاده الله

''کہ وہ فرشتہ قیامت تک میری قبر پر کھڑا رہے گا میری امت میں سے جو کوئی

بھی درود پڑھے گا وہ فرشتہ مجھے یا احمدؐ فلاں بیٹا فلاں کا اس کا نام اور اس کے باپ کا نام لے کر کہے گا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتا ہے۔ میرے رب نے ضمانت دی ہے کہ جو کوئی بھی مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں فرمائے گا اور زیادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی زیادہ رحمتیں فرمائے گا"۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان الله و کل بقبری ملکا اعطاه اسماع الخلائق لا یصلی علی احد الی یوم القیامة بلغنی باسمه و اسم ابیه هذا فلان ابن فلان قد صلی علیک

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ موکل بنا دیا ہے کہ اس کو تمام مخلوق کی آواز سننے کی طاقت عطا فرمائی ہے جو کوئی بھی قیامت تک مجھ پر درود پڑھے گا وہ فرشتہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر عرض کرے گا کہ یہ فلاں بیٹا فلاں کا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا ہے"۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ آئے ہیں:

و انی سألت ربی عزولجل ان لا یصلی علی واحد منهم صلاة لا صلی علیه عشر امثالها و ان الله عزوجل اعطانی ذلک

"میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے تو اس پر دس رحمتیں فرما تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی"۔

اور اس کی سند میں ایک راوی ہے جس کو بخاری نے واضح کہا ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا جبکہ ان کے علاوہ دیگر بعض محدثین نے اس کو ضعیف کہا۔

احادیث کے درمیان تعارض اور اس کا حل

ان احادیث میں بادی النظر میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ پہلی احادیث میں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے قریب درود وسلام پڑھنے والے کا درود وسلام خود بلا واسطہ سماعت فرماتے ہیں اور جو درور پڑھتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا جاتا ہے۔ تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سنیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر بواسطہ ملائکہ بھی درود شریف پہنچا دیا جائے تو اس میں کیا چیز مانع ہے؟ بلکہ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزید رفعت شان پر دلالت کرنے والی چیز ہے اور یہ کسی رات یا دن کے ساتھ خاص بھی نہیں ہے۔ چاہے یوم جمعہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور دن اس سلسلہ میں سب برابر ہیں۔ (حضرت مصنف علام کی اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے قریب سے سنتے ہیں لیکن اس کے باوجود قریب سے پڑھنے والے کا درود وسلام فرشتہ بھی پہنچاتا ہے اسی طرح دور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرشتے درود وسلام پہنچاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی سماعت فرمائیں جیسا کہ پیچھے صحیح حدیث میں گزرا تو یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں اضافہ ہی متصور ہوگا اور یہ بدعت یا شرک نہیں ہوگا۔ جیسا کہ بعض جہال کا وہم ہے۔ مترجم غفرلہ) اور جن ادلہ میں ظاہراً تعارض ہو تو اس میں ہر ممکن حد تک جمع واجب ہے۔

نووی نے اس شخص کے لیے فتویٰ دیا کہ جو تین طلاقوں کی قسم اٹھائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلاۃ وسلام سنتے ہیں وہ حانث ہوگا کہ نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس میں شک ہے اور تقویٰ چاہتا ہے کہ وہ حانث ہو۔

اور بعض احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر صلاۃ و سلام پڑھنے والے کا جواب بھی دیتے ہیں چاہے وہ زائر ہو یا کہ دور سے صلاۃ وسلام پڑھ رہا ہو اور اس کو صرف زائر کے ساتھ خاص کرنا یہ دلیل کا محتاج ہے اور دلیل تو اس کے خلاف اور اس دعویٰ کو رد کرتی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔

ما من احد یمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الاعرضه ورد علیه السلام

"جو کوئی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے اور دنیا میں اس کو جانتا ہو تو جب وہ اس کو سلام کرے گا تو وہ اس کو پہچانے گا اور اس کے سلام کا جواب بھی دے گا"۔

اور اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام کا جواب دینا بھی صرف زائر کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی تخصیص نہیں رہتی یہ تو ہر مسلمان جواب دیتا ہے۔

ابوالیمن بن عساکر نے ارشاد فرمایا جب یہ کہنا جائز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت جمیع آفاق سے سلام بھیجے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کے سلام کا جواب مرحمت فرمائیں اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت کا تقاضہ ہے۔ جب مجھے اس بات کا علم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زائر قبر کے سلام کا جواب بنفس نفیس عنایت فرماتے ہیں اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے اور اگر اختلاف ہے تو صرف غیر زائر کے بارے میں ہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا جواب بھی عنایت فرمائیں تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور فضیلت عظیمہ ہو گی جو غیر زائرین کے لیے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی آوازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بغیر کسی وسیلہ و واسطہ کے پہنچا

دیتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سلاموں کا جواب عطا فرماتے ہیں۔ بالخصوص زائرین کو یہ فضیلت عظیمہ بہر حال حاصل ہے پس جو شخص یہ جان لے کہ قبر منورہ پر یہ فضیلت حاصل ہوگی تو میں نہیں جانتا کہ کوئی مسلمان زیارت کرنے سے پیچھے رہے اور قدرت ہونے کے باوجود پیچھے رہ گیا تو خدا کی قسم وہ خیر و برکت سے دور ہو گیا اور بہت بڑی نیکی سے محروم رہ گیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسی بدبختی سے پناہ مانگتے ہیں۔

حیات النبیؐ

اور ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اور ہمہ وقت زندہ ہیں کیونکہ یہ محال ہے کہ زمین کا کوئی خطہ ایسا ہو کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی شخص رات دن کے کسی حصہ میں درود و سلام نہ پڑھ رہا ہو۔ پس ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں اور آپ کا جسد اقدس تر و تازہ ہے اور اسے زمین گزند نہیں پہنچاتی اور اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ و جاوید ہیں اور اسی پر اجماع ہے۔ اور کہا گیا ہے اسی طرح علماء اولیاء و مؤذن اور شہداء بھی زندہ ہیں کیونکہ بہت سارے علماء اور اولیاء کے اجسام بعد میں جب مکشوف ہوئے تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ تر و تازہ ہیں اور ان کے اجسام میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا جیسا کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ یعنی حضرت جابر کے والد ماجد اور حضرت عمرو بن الجموحؓ کہ دونوں غزوۂ احد میں شہید ہوئے ان کی قبروں میں چھیالیس سال بعد سیم ہو گئی۔ جب ان کو منتقل کرنے کے لیے کھودا گیا تو ان کے جسموں میں قطعاً کوئی تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔ ان میں سے ایک کو جنگ میں زخم لگا تھا تو انھوں نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا تھا تو ان کو اسی حالت میں دفن کیا گیا تو وہ اتنے سال بعد بھی اسی حالت میں

ہاتھ زخم پر ہی تھا پھر ان کو اسی حالت میں دوبارہ دفن کر دیا گیا۔

اور جب معاویہ نے مدینہ شریف کے قریب نہر کھدوائی اور یہ غزوۂ احد کے پچاس سال بعد کا واقعہ ہے تو اس وقت دوران کھدائی ایک کدال حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا حمزہؑ کے قدم مبارک پر لگا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔

تو ان روشن اور واضح دلائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہداء کی حیات اولیاء کرام سے زیادہ قوی ہے کیونکہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں نص وارد ہے لیکن شہداء کی حیات انبیاء کرامؑ کی حیات سے نچلے درجے کی ہے کیونکہ حضرات انبیاء اس کے زیادہ حق دار ہیں اور ان حیاتوں کے دریان تفاوت حیات کے ثمرات میں ہے اور یہ کوئی بعید چیز نہیں ہے۔ پس اس میں غور و فکر اور تدبر کرنا چاہیے۔

اور ہمارے بعض آئمہ نے اس میں نظر کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات سب سے زیادہ ممتاز ہے اور انھوں نے اس کا اثبات فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ یہ حیات بعض احکام میں دنیاوی زندگی کے مطابق و مثل ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث اصلی حالت میں باقی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل و عیال اور خادموں پر خرچ کیا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم نہ ہوئی یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیاوی زندگی ہونے کی مؤید دلیل ہے اور جو موت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واقع ہوئی وہ مستمر نہیں تھی اس کے فوراً بعد حیات عود کر آئی جو کہ ہمیشہ کے لیے ہے اور بیہقی نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے اور انھوں نے اس میں بہت ساری احادیث سابقہ سے حیات الانبیاء پر استدلال کیا ہے اور اس صحیح حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون

''انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں''۔

اور اس حدیث کی شاہد مسلم شریف کی صحیح روایت ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مررت بموسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ

''میں معراج کی رات حضرت موسیٰ پر گزرا تو وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے'' (مسلم)

اور یہ دعویٰ کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ یہ حدیث مسلم سے باطل ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فقد رائیتنی فی الحجر و قریش نسألنی عن سرای (الحدیث و فیہ) و قد رائیتی فی جملۃ من الانبیاء فاذا موسیٰ قائم یصلی فاذا رجل ضرب جعد و فیہ عیسیٰ بن مریم قائم یصلی اقرب الناس بہ شبھا عروۃ بن مسعود و اذا ابراھیم قائم یصلی اقرب للناس بہ صاحبکم ای یعنی نفسہ فحانت الصلوۃ فامتھم

''میں نے اپنے آپ کو حجر میں پایا اور قریش مجھ سے (میرے سفر کے بارے) پوچھ رہے تھے (دوری حدیث میں ہے) میں نے اپنے آپ کو تمام انبیاء کے ساتھ پایا پس حضرت موسیٰ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور ایک شخص بنی جعد (آل شنوہ) کی طرح تھا اور وہاں حضرت عیسیٰ بن مریم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے وہ عروہ بن مسعود ثقفی سے ملتے جلتے تھے اور حضرت ابراہیم

کھڑے نماز پڑھ رہے تھے وہ تمھارے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے
ملتے جلتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوگیا تو میں انے ان تمام کی ت کرائی"۔

اور ایک حدیث شریف کے الفاظ اس طرح ہیں کہ میں ان کیساتھ بیت المقدس میں ملا جبکہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء کی جماعت کے ساتھ آسمانوں میں ملے تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کلام فرمایا۔ بیہقی نے فرمایا کہ یہ سب احادیث صحیح ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا پھر حضرت موسیٰ و دیگر انبیاء بیت المقدس میں تشریف لے گئے۔ جیسا کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس میں تشریف لے گئے تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے وہاں دیکھا۔ پھر وہ آسمانوں میں تشریف لے گئے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو وہاں دیکھا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے اور انبیاء کرام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر تشریف لے جانا عقلی طور پر جائز ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں صحیح حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اور یہ تمام اشیاء انبیاء کرام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "میں نے دیکھا" تو صحیح بات یہ ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں ہوئی تھی اور جو یہ کہے کہ یہ تمام واقعات خواب کے ہیں تو اس کا قول مردود ہے اور اگر یہ بھی ہو تو حضرات انبیاء کرام کی خوابیں بھی وحی ہوتی ہیں۔

اور شہدا کی حیات برزخ میں، یہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صراحت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید فوت ہوئے اور ان کی اس بات کی مؤید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض وفات میں فرمایا تھا کہ "جو مسموم گوشت میں نے خیبر میں کھایا جس میں زہر آلود بکری کا جو گوشت تناول فرمایا تھا وہ سم قاتل تھا جس کے کھانے سے حضرت بشر بن براءؓ اسی وقت انتقال فرما گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زہر نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اس مسموم گوشت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اخیر عمر میں اثر کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی مرض میں اس دنیا سے انتقال فرما گئے۔ علماء نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نبوت وشہادت دونوں درجے جمع فرما دیئے۔ اور اس شہادت کی وجہ صرف یہی نہیں کہ آدمی کافر کے ہاتھوں کسی جنگ میں قتل ہو۔ کافر کے ہاتھوں کسی طرح سے بھی مقتول شہید کہلائے گا۔ صرف جنگ میں قتل ہونے والے پر دنیاوی احکام کا اجراء ہوگا اور حیات تو ہر شہید کے لیے حاصل ہے جیسا کہ غرق ہونے والے اور مبطون وغیرہ۔

اور جمہور علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے۔ بعض نے کہا کہ صرف روح کو ہے اور بعض نے فرمایا کہ روح اور جسد دونوں کے لیے ہے یعنی ان کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ حیات کے آثار یعنی خون کا چلنا اور بدن کا تروتازہ رہنا ہے اور ان کے ابدان کا مشاہدہ کیا گیا کہ ان میں یہ امور ثابت ہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزرا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روح کا رد کرنا اور لوٹانا یہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ یہاں روح سے مراد نطق ہے جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشگی کے ساتھ زندہ ہیں لیکن زندگی کے لیے ہمیشہ نطق کا ہونا ضروری نہیں جیسا کہ سبکی نے فرمایا کہ جب بھی کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نطق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوٹایا

جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درود وسلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

اور اسی طرح جیسا کہ گزار کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ نماز زندوں کی نماز کی طرح ہے جیسا کہ وہ دنیا میں پڑھتے ہیں اور روح کا علاقہ نطق کے ساتھ تو یہ جائز ہے جب کہ دونوں میں تلازم ثابت ہے۔

اور بیہقی نے رد روح کا معنی کرتے ہوئے بیان فرمایا:

انما ردت اليه عقب دفنه صلى الله عليه و آله وسلم لا جل سلام من يسلم عليه و استمرت في جسده الشريف صلى الله عليه و آله وسلم

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دفن کے فوراً بعد روح لوٹا دی گئی تا کہ سلام بھیجنے والوں کے سلام کا جواب دیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس میں ہمیشہ مستمر ہے''۔

ایسا نہیں کہ بار بار روح لوٹائی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے۔ اس طرح تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر متعدد مرتبہ وفات اور متعدد مرتبہ حیات آئے گی تھوڑے وقفے کے بعد اور یہ جائز نہیں ہے۔

تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کے نکالنے اور رد کرنے میں کوئی مشقت نہ ہو۔ سبکی نے اس کا جواب دیا کہ:

يحتمل ان يكون ردا معنويا و ان تكون روحه الشريف صلى الله عليه و آله وسلم مشتغلة بشهود والحضرة الا لهية والملاء الاعلى عن هذا العالم فاذا سلم عليه صلى الله عليه و آله وسلم اقبلت الروح الشريفة على هذا العالم لتدرك سلام من يسلم عليه و ترد

یلزم علیه استغراق الزمان کله علیه فی اقطار الارض کان امور الآخرة لا تدرک بالعقل و احوال البرزخ أشبه باحوال الاخرة

''اس میں احتمال ہے کہ یہاں روح سے مراد ردِ معنوی ہو۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح طیبہ بارگاہِ الٰہی و ملاء اعلیٰ میں مشغول ہوتی ہے اور جب کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام عرض کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارکہ اس عالم سے اس عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے تاکہ اس سلام کا ادراک فرما کر ہر سلام پڑھنے والے کا جواب دے اور یہ استغراق ہر وقت کو لازم نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زمین کے ہر کونے پر اتصال کے ساتھ مسلسل سلام پڑھا جاتا ہے اگر کوئی کہے کہ اتنے سلاموں کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیک وقت کیسے دیتے ہیں؟ تو ہم کہیں گے کہ امور آخرت عقل سے نہیں سمجھے جاسکتے اور احوال برزخ بھی احوال آخرت کی ہی مانند ہیں''۔

اور بعض علماء نے بیان فرمایا کہ ردروح سے مراد صلوۃ وسلام پر موکل فرشتہ ہے اور ابن العماد نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

یحتمل ان یراد به هنا السرور مجازا فانه قد یطلق و یراد به ذلک

''احتمال ہے کہ یہاں ردروح سے مراد سرور اور خوشی ہو کیونکہ عام طور پر اس کا اطلاق خوشی پر ہوتا رہتا ہے''۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں تو اب ''علیک السلام'' کے الفاظ کیساتھ سلام نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ مردوں کی تحیت ہے اور مصنفین کی کتب اس مسئلہ میں بھری پڑی ہیں پھر اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے:

اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فقلت علیک السلام یا رسول اللہ فقال لا تقل علیک السلام فان علیک السلام تحیۃ الموتی

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا تو عرض کی علیک السلام تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا علیک السلام نہ کہہ کیونکہ علیک السلام مردوں کے لیے سلام ہے''۔

ترمذی نے سند حسن کے ساتھ روایت کی:

ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علیک السلام یا رسول اللہ ثلاث مرات فقال لہ ان علیک السلام تحیۃ الموتی ثم قال صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اذا لقی الرجل اخاہ المسلم فلیقل السلام علیک و رحمۃ اللہ ثم رد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علی الرجل سلامہ فقال و علیک السلام و رحمۃ اللہ ثلاثا

''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا علیک السلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تین مرتبہ اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علیک السلام مردوں کا سلام ہے پھر فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس کو السلام علیک ورحمۃ اللہ کہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا تین مرتبہ جواب دیا اور فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ''۔

تو یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو علیک السلام کے الفاظ کے ساتھ جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح سلام صحیح ہے اور یہ معتد بہ ہے اور ابتدا اور

جواب میں بہت تھوڑا سا فرق ہے تو غرض صحیح کے ساتھ یہ بھی صحیح ہوگا اور اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ مردوں کو سلام کرتے وقت ''السلام علیکم دار قوم مؤمنین'' کے الفاظ کے ساتھ سلام کرتے تھے تو پھر ''علیک السلام تحیت الموتی'' کا یہ معنی ہوگا کہ یہ مردہ دلوں کا سلام ہے یا یہ جہالت کی نشانی ہے۔ بہر حال السلام علیکم کہنا بہتر ہے اور افضل ہے اور چاہے زندوں کو سلام کیا جائے یا مردوں کو۔

قصہ تابوت حضرت یوسفؑ اور منکرین حیات انبیاء کا رد

اور صحیح ابن حبان میں جو بنی اسرائیل کی بڑھیا کا قصہ ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کی اطلاع دی تو یہ واقعہ حیات الانبیاء کے منافی نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں عظام یوسف علیہ السلام (حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں) کے الفاظ ہیں تو آپ علیہ السلام نے ان کو نکالا اور اپنے ساتھ مصر سے بیت المقدس لے گئے۔ یہاں عظام سے مراد جسم اقدس ہے اور جب جسم میں روح نظر نہ آئے تو اس کو عظام کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں اور یہ ظن کے اعتبار سے ہے (ویسے بھی کمزور آدمی کو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے حالانکہ وہ زندہ ہوتا ہے۔ مترجم) کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ابدان قبروں میں اسی طرح تر و تازہ ہیں جیسا کہ زندہ کی حالت میں رہتے ہوئے تر و تازہ تھے اور اسی طرح وہ حدیث بھی اس کے منافی نہیں ہے جو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا اکرم علی ربی عن ان یترکنی فی قبری بعد ثلاث

''کہ میں اپنے رب کے نزدیک اس سے زیادہ عزت والا ہوں کہ وہ مجھے تین

دن کے بعد قبر میں چھوڑے''۔

بیہقی نے فرمایا اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام اتنے دنوں کے بعد نہیں چھوڑے جاتے مگر یہ کہ وہ قبور میں نمازیں پڑھتے ہیں جیسا کہ گزرا کہ حضرات انبیاء کرام زندہ ہیں اور قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

اور اسی طرح ایک غیر ثابت خبر میں ہے:

ان الا نبیاء علیهم الصلاة و السلام لا یتر کون فی قبورهم بعد اربعین لیلة ولکن یصلون بین یدی الله تعالیٰ حتی نخ فی الصور

''بے شک انبیاء کرام قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے چالیس راتوں کے بعد لیکن وہ اللہ کے حضور نمازیں پڑھتے ہیں یہاں تک کہ صور پھونکا جائے''۔

اور اسی طرح وہ روایت ہے کہ جس کو عبدالرزاق نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کیا:

انه رأی قوم یسلمون علی النبی صلی الله علیه و آله وسلم فقال ما مکث نبی فی الارض اکثر من اربعین یوما

''انھوں نے کچھ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھتے دیکھا تو انھوں نے کہا کہ کوئی نبی زمین میں چالیس دن سے زیادہ نہیں رہتا''۔

تجھے علم ہونا چاہیے کہ اس مقالہ کی کوئی سند نہیں بلکہ یہ بے اصل ہے اور علماء کرام نے اس کو درخور اعتنا تصور نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف اجماع ہے کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی قبور کے قریب سلام پڑھنا سنت ہے جیسا کہ قبور سے دور سلام پڑھنا سنت ہے۔

اور حضرت سعید بن المسیب سے ہی اس کے خلاف ثابت ہے جو کہ اس مذکورہ

بالا روایت کورد کرتی ہے۔ وہ یہ کہ جب یزید بن معاویہ کا دور نا مبارک آیا اور اس نے مدینہ شریف کا محاصرہ کیا (کہ اس کے ساکنین پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں) تو اس نے اہل مدینہ میں سے قتل کیا جن کو قتل کیا۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی شریف میں نماز کچھ دنوں کے لیے موقوف ہوگئی تو حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں:

کنت فیه و ما کنت اعلم دخول الاوقات الا بسماع الاذان والاقامة من داخل القبر المکرم

''میں مسجد نبوی میں تھا اور میں نماز کے وقت کو نہیں پہچانتا تھا مگر یہ کہ قبر منورہ میں سے اذان واقامت کی آواز سن کر''۔

اور اسی طرح انبیاء کے قبور میں زندہ ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مررت بموسیٰ لیلة اسری بی وهو قائم یصلی فی قبره

''میں معراج کی رات حضرت موسیٰ پر گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے''۔

اور حضرت عثمانؓ کا قول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر انور میں زندہ موجود ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کو ان کے محاصرے کے وقت صحابہ نے کہا کہ آپ شام تشریف لے جائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

لم افارق دار ہجرتی و مجاورة رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فیها

''میں اپنا دار ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسائیگی (مجاورت) ترک نہیں کروں گا''۔

میں نے اس مقام پر کلام کو طول دیا ہے کیونکہ اس میں زائر کے لیے بہت بڑی عظمت و ڈھارس ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور وہ

جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ و جاوید ہیں اور اس کی آواز سنتے ہیں اس کا ویسلہ بنتے اور اس کی شفاعت فرماتے ہیں اور وہ ان سے سوال کرتا ہے کہ وہ رب کے نزدیک میری شفاعت فرمائیں حتیٰ کہ رب تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے اور اس کو دنیا و آخرت کی ہر وہ خیر عطا فرمائے جس کا وہ سوال کرتا ہے۔

تو اس فائدہ سے بڑا فائدہ اور کیا ہو سکتا ہے اور اس سے عظیم اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے تو اے سننے پڑھنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت میں کثرت و زیادتی کر کیونکہ تیرے سامنے تیری ہر امید کا حصول آسان ہے اور تو اس خیرات اور فوائد تک پہنچ اور اس مبارک جگہ پر کھڑے ہو کر اپنے مطلوب کو حاصل کر، اپنے سوال کا جواب و قبولیت پا، اپنے احوال کی اصلاح کر اور اہل کمال کے زیور کو حاصل کرنے کی سعی کر اور اپنی لغزشوں میں افراط کو مٹا اور اخلاق کی گندگی کو طہارت میں تبدیل کر۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تیرے لیے اور ہمارے لیے صفات کاملہ متحقق فرمائے اور تمام نیک مقاصد کو پورا فرمائے۔ آمین

جب میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ سبکی وغیرہ نے اس فصل میں کچھ زیادہ ذکر فرمائی ہیں اور کچھ ایسی مخالفات کو بھی لکھا ہے جو کہ اصل مقصود کے خلاف نہیں ہیں تو میں ان میں سے کچھ کو حصول برکت کے لیے اور اپنے مضبوط کرنے کے لیے نقل کرتا ہوں۔ صحیح حدیث میں آیا ہے:

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی رد علیہ السلام

"کوئی ایک شخص جب مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو میرا رب میری روح کو میری طرف لوٹاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں"۔

بیہقی نے اس کو باب زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیان فرمایا اور اس پر آئمہ کی ایک پوری جماعت نے اعتماد کیا ہے جیسا کہ احمدؒ۔ سبکی نے فرمایا کہ اس پر اعتماد صحیح

ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سلام کی فضیلت ہے اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے اور ابن قدامہ نے احمدؒ سے روایت کی اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

ما من احد یسلم علی عند قبری

''کہ جس نے میری قبر کے قریب مجھ کو سلام کیا''۔ (الحدیث)

اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو یہ اس فصیلت کی تخصیص میں صریح ہے۔ اس مسلمان کے لیے جو کہ قبر شریف کے قریب سلام کہتا ہے اور اگر یہ خصوصی صراحت نہ بھی ہو تب بھی یہ کیا کم ہے کہ مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کے مواجہ مبارکہ پر خطاب کرتا ہے اور جواب پاتا ہے تو بہر حال اس میں ایک زائد فضیلت جو کہ حاضر کو غائب پر حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کہ یا تو سلام سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں دعا ہے تو اس میں غائب و حاضر دونوں برابر ہیں اور یہی وہ چیز ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ تو امت کو اس معنی میں سلام نہیں کہا جائے گا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبعیت میں۔

اور اگر سلام سے مراد ''تحیت'' ہے جیسا کہ زائر کا سلام کہ جب وہ قبر منور پر حاضر ہوتا ہے تو سلام کہتا ہے تو اس میں امت بھی شامل ہے تو اس پر سلام رد کیا جاتا ہے یعنی اس کا جواب عطا ہوتا ہے یا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بنفسِ نفیس جواب مرحمت فرماتے ہیں یا کسی قاصد کے ذریعے اور پہلا جواب اگر ثابت ہو جائے تو یہ یقیناً دوسرے سے ممتاز ہے۔ قرب اور خطاب کے لحاظ سے۔ اگر نہیں تو قبر شریف کی زیارت نہ کرنے والا اس فضیلت سے محروم رہ جائے گا۔ اور یہ اس کا مقتضی ہے جس کی شرح مقبری نے کی ہے جو کہ بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ وہ اس حدیث شریف کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

ما من احد یسلم علی فقال هذا اذا زارنی فسلم علی رد الله

علی روحی حتی ارد علیه

''یعنی یہ فضیلت تب حاصل ہوگی جبکہ سلام کہنے والا میری قبر کے قریب آ کر مجھے سلام کہے گا''۔

اور حدیث شریف:

انانی ملک فقال یا محمد اما یرضیک ان لا یصلی علیک احد من امتک الا صلیت علیه عشرا ولا یسلم علیک احد الا سلمت علیه عشرا

''میرے پاس فرشتہ آیا اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر راضی نہیں کہ جو کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پڑھے تو میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماؤں گا اور جو کوئی ایک مرتبہ سلام کہے میں اس پر دس سلام میں فرماؤں گا''۔

تو ظاہر ہے کہ یہ سلام نوع اول سے متعلق ہے۔ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے:

ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض من یبلغونی من امتی السلام

''بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو کہ زمین میں سیر کرتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں''۔

اور دیگر احادیث میں آیا ہے کہ ملائکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کا صلاۃ و سلام پہنچاتے ہیں بلکہ تمام اعمال پہنچاتے ہیں اور یہ غائب کے حق میں ہے اور جو قبر شریف کے پاس ہو تو وہ بھی ایسا ہی ہے یا کہ اس کا درود وسلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بلا واسطہ سماعت فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دو حدیثیں ہیں:

ان میں سے ایک حدیث جو کہ ضعیف ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

من صلى على عند قبرى سمعته و من صلى على نائيا بلغته

''جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچادیا جاتا ہے''۔

ایک روایت کہ جس کی سند ضعیف جدا ہے کے یہ الفاظ ہیں:

من صلى على عند قبرى رددت عليه و من صلى على فى مكان آخر بلغونيه

''جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا میں اس کو جواب دیتا ہوں اور جس نے دوسری جگہ سے پڑھا وہ مجھے پہنچادیا جاتا ہے''۔

اوران میں سے دوسری روایت کہ یہ پہلی سے بھی زیادہ کمزور اور ضعیف ہے:

من صلى على عند قبرى و كل الله بها ملكا يبلغنى و كفى امر آخرته و كنت له شهيدا و شفيعا

''جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو کہ مجھے درود پہنچا دیتا ہے اور یہ اس آدمی کی آخرت کے لیے کافی ہے اور میں اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا''۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے:

ما من عبد يسلم على عند قبرى الا و كل الله بها ملكا يبلغنى و كفى امر آخرته و دنياه و كنت له شهيدا و شفيعا يوم القيامة

''جس کسی شخص نے بھی میری قریب مجھ پر درود شریف پڑھا اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ موکل فرمایا جو کہ مجھے اس کا درود شریف پہنچا دیتا ہے اور یہ کام اس کی دنیا و آخرت کے لیے کافی ہے اور میں اس کا قیامت کے دن شفیع و گواہ ہوں گا''۔

اگر پہلی حدیث ثابت ہو جائے تو یہ زائر کے شرف کے لیے کافی ہے۔ اگر نہیں تو پھر بھی اس کو رحمت کی امید رکھنی چاہیے۔ اور دوسری سند صحیح سے روایت ان الفاظ کے ساتھ ثابت ہے:

ما من احد یمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا و یسلم علیه الاعرفهٗ و رد علیه السلام

"جو کوئی شخص بھی اپنے مؤمن بھائی کی قبر پر سے گزرے اور وہ دنیا میں اس کو پہچانتا ہو اور وہ اس پر سلام کرے تو وہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا وہ جواب دیتا ہے"۔

اور اسی طرح ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے:

ما من رجل یمر بقبر الرجل کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام

"جو کوئی شخص بھی کسی آدمی کی قبر پر سے گزرے اور وہ صاحب قبر اس کو دنیا میں جانتا تھا تو گزرنے والا اگر اسے سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس طرف لوٹاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کو سلام کا جواب دیتا ہے"۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی:

قال اذا امر رجل بقبر یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام و عرفه و اذا مر بقبر لا یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی قبر پر سے گزرا اور وہ اس کو جانتا تھا تو اس نے سلام کیا تو وہ صاحب قبر سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچانتا ہے اور اگر ایسی قبر پر گزرا کہ جو اسے نہیں پہچانتا تو سلام کیا تو وہ اسے سلام کا جواب دے گا"۔

اور اس سلسلہ میں آثار بہت زیادہ ہیں اور یہ تو ابن تیمیہ نے خود بھی ذکر کیا ہے کہ تمام مومنین جب قبر والوں کو سلام کرتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔ پس جب یہ عام مومنین کے حق میں صحیح و ثابت ہے تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیسے ثابت نہیں ہے۔

اور یہ تو کئی اولیاء کرام سے واقع ہو چکا کہ انھوں نے روضہ شریف سے اپنے سلام کا جواب خود سنا اور حیات الانبیاء تو ثابت ہو چکی اور یہ بلا شک شہداء کی حیات سے بھی اکمل و افضل ہے۔ حالانکہ ان کی حیات کے بارے میں قرآن کریم میں ذکر ہے کہ وہ زندہ ہیں اور منذری نے روایت کی جس کے الفاظ یہ ہیں:

علمی بعد وفاتی کعلمی فی حیاتی

"کہ میرا علم میرے وصال کے بعد بھی ظاہری حیات ہی کی طرح ہے"۔

اور صحیح حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اکثروا الصلاۃ علی یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملائکۃ وان احد لن یصلی علی الا عرضت علی صلاتہ حتی یفرغ منھا قال ابو الدرداء قلت یا رسول اللہ و بعد الموت قال و بعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق

"مجھ پر جمعہ کے روز زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں تم میں سے کوئی بھی درود نہیں پڑھتا مگر وہ مجھ پر اس کے فارغ ہونے سے قبل ہی پیش کر دیا جاتا ہے۔ راویِ حدیث حضرت ابوالدرداء نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعد

از وفات؟ فرمایا کہ بعد از وصال بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کھانے حرام قرار دیئے ہیں پس اللہ کا نبی زندہ ہے اور رزق پاتا ہے''۔

سبکی نے فرمایا کہ یہ مرسل ہے لیکن مرسل معتضد ہے (اور مرسل معتضد آئمہ اربعہ کے نزدیک قابل استدلال ہے) اور یہ حدیث صحیح و ثابت ہے کہ:

ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام

''بے شک اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں سیر کرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں''۔

اور ابو منصور بغدادی جو کہ ہمارے اصحاب میں سے محققین متکلمین میں سے ہیں فرماتے ہیں:

انہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حیی بعد وفاتہ و انہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یسر بطاعات امتہ

''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں''۔

اور اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

حیاتی خیر لکم فاذا مت کانت وفاتی خیر الکم تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیرا حمدت اللہ و ان رأیت غیر ذیلک استغفرت اللہ لکم

''میری حیات تمھارے لیے بہتر ار جب میرا وصال ہوگا تو میرا وصال بھی تمھارے لیے خیر ہے۔ تمھارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے اگر میں نے ان کو اچھا پایا تو اللہ کی حمد کروں گا اور اگر اس کے سوا (برے) پایا تو

تمھارے لیے اللہ سے بخشش طلب کروں گا"۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان الا رد اللہ علی روحی یہ تو عدم استمرار حیات پر دلالت کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے بیہقی نے حیاتِ الانبیاء پر استدلال کیا ہے اور فرمایا کہ اس سے مراد وقد رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام ہے۔ یعنی سلام کرنے والے کے سلام سے پہلے اللہ نے میری روح کو میری طرف لوٹا دیا ہے۔

اور بعض نے فرمایا کہ یہ خطاب ہماری عقلوں کے مطابق فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح سلام سننے اور اس کا جواب دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہو اور اس رد روح میں تکرار نہیں ہے کیونکہ اس سے کئی موتوں کا واقع ہونا ہوگا کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ ہر میت کو سمع و علم حاصل ہوتا ہے اور اس کی قبر میں اس کو زندگی دوبارہ ملتی ہے۔ جیسا کہ سنت سے ثابت ہے اور اس کے بعد مرنے کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس کے لیے نعیم قبر یا عذاب قبر ثابت ہے۔ اور ان دونوں کے ادراک کے لیے حیات شرط ہے لیکن اس کے کسی جز میں ادراک کے لیے حیات کا پایا جانا کافی ہے۔ تو ہم اس حیات کے ہونے میں معتزلہ کی طرح توقف نہیں کریں گے۔

انبیاء کی حیات حقیقی حیات ہے

اور حیات الانبیاء کے دلائل اس چیز کے مقتضی ہیں کہ ان کی حیات حقیقی حیات ہے جیسی کہ دنیا میں تھی۔ لیکن یہ حیات دنیاوی غذا سے مستغنی ہے اور وہ عالم میں تصرف کی قوت رکھتے ہیں۔ اور یہ خبر کہ:

انا اکرم علی ربی من ان یترکنی فی قبری بعد ثلاث

''میں اپنے رب کے حضور اس سے برتر ہوں کہ وہ مجھے میرے قبر میں تین دن سے زیادہ چھوڑے''۔

تو اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے یعنی یہ بے اصل ہے (لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر منورہ میں بحیاتِ حقیقی موجود ہیں) اور جو حضرات سعید بن المسیب سے روایت کیا گیا ہے کہ:

ما کث نبی فی الارض فی اکثر اربعین یوما

''کہ کوئی نبی بھی زمین میں چالیس روز سے زیادہ نہیں ٹھہرتا''۔

تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اور اگر یہ ثابت بھی ہوتا تو زیارت اور سلام عرض کرنا دونوں میں مشروع ہے حتیٰ کہ حضرت سعید بن المسیب کے نزدیک بھی یہ جائز ہیں کیونکہ ان کا قبر مبارکہ سے اذان واقامت سننے کا قصہ مشہور ہے۔

حضرت بلالؓ رسول اللہؐ کی زیارت کے لیے سفر کرتے

اور حضرت بلالؓ سے بسند جید مروی ہے کہ انھوں نے شام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے رشد حال کیا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ زیارت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی وجہ سے تھی کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا تھا کہ اے بلال یہ کیا جفا ہے کہ تو میری قبر کی زیارت کے لیے نہیں آتا تو حضرت بلالؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے روتے ہوئے حاضر ہوئے اور اپنے چہرے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربت پر رکھا۔ یہ واقعہ حضرت عمر بن خطابؓ کی خلافت کا ہے۔ اس وقت صحابہ کرام بہت بڑی تعداد میں موجود تھے تو کسی ایک صحابی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ حالانکہ یہ واقعہ ان سے اوجھل بھی نہیں تھا۔

کیونکہ حضرت حسنین کریمین علیہ السلام نے حضرت بلالؓ سے اذان سننے پر بہت زیادہ اصرار کیا تھا تو حضرت بلالؓ نے مسجد نبوی شریف کی اسی جگہ پر اذان شروع کی جہاں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات میں اذان دیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد وہ اکثر رویا کرتے تھے اور اس دن بھی وہ بہت زیادہ روئے اور کہا گیا ہے کہ آپؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لیے کبھی اذان نہیں دی مگر اس دن کیونکہ اس دن صحابہ کا اصرار بہت بڑھ گیا تھا تو وہ یہ اذان پوری نہ کر سکے کیونکہ ان پر بکا اور وجد غالب آ گیا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عمر کے لیے حضرت بلالؓ نے ان کی خلافت میں اذان دی تھی۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے یہ ثابت ہے کہ آپ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کہنے کے لیے اپنی طرف سے قاصد بھیجا کرتے تھے اور اس قاصد کو اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ یہ تابعین کے دور کا اول زمانہ ہے اور کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

اور حضرت عمر فاروقؓ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو آپؓ کی بارگاہ میں حضرت کعب الاحبار آئے اور اسلام قبول کیا تو آپؓ اس پر بہت خوش ہوئے اور حضرت کعب سے ارشاد فرمایا کیا تو ہمارے ساتھ جا کر مدینہ شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارکہ کی زیارت نہیں کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے لطف اندوز نہیں ہوگا تو حضرت کعب نے عرض کی کیوں نہیں۔

اور یہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب بھی سفر سے واپس آتے تو قبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوتے اور سلام عرض کرتے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ پر سلام کہتے اور پھر اپنے باپ حضرت عمرؓ پر۔ حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت

عبداللہ بن عمرؓ کو سو (۱۰۰) یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ ایسا کرتے دیکھا۔

روضہ شریف پر کھڑے ہونے کا طریقہ

مسند ابوحنیفہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا:

من السنة ان تأتي قبر النبي صلى الله عليه و آله وسلم من القبلة و تجعلها لظهرک و تستقبل القبر الشريف بوجهک ثم تقول السلام عليک ايها النبي و رحمة الله و بركاته

''سنت یہ ہے کہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر منورہ پر قبلہ کی طرف سے آئے اور تیری پشت قبلہ کی طرف ہو جبکہ چہرہ قبر شریف کی طرف ہو پھر یوں عرض کرے السلام عليک ايها النبي و رحمة الله و بركاته''۔

اور یہ اصول کی کتب میں طے شدہ اصول ہے کہ جب صحابی من السنۃ کذا کہے تو اسے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر محمول کیا جائے گا اور اس کا حکم مرفوع کا حکم ہوگا۔

مؤرخین اور محدثین نے بیان کیا ہے کہ زیاد بن ابیہ نے حج کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکرہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ان کو اس ارادے سے منع کا اشارہ فرمایا۔ ار کہا کہ حضرت ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ مدینہ شریف میں موجود ہیں اگر وہ تجھے حجرہ شریف میں داخل ہونے کی اجازت دیتی ہیں تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیانت ہوگی۔ کیونکہ وہ آپ کو اپنے خاندان میں شامل نہیں کر سکتیں مگر اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے توسط سے اور یہ تو سارے لوگ جانتے ہیں کہ امور مشہور میں استلحاق باطل ہوتا ہے۔

یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام تھی لوگ زیارت کرتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو زیاد کسی ایسے راستے سے سفر کرتا کہ مدینہ

شریف راہ میں نہ آتا بلکہ یہ زیادہ قریب ہے کیونکہ وہ عراق میں رہتے تھے لیکن وہ مدینہ شریف آئے ان کے نزدیک یہ ایک ایسا امر تھا کہ جس کو ترک نہ کیا جائے اور کہا گیا ہے کہ انھوں نے حج کیا لیکن زیارت نہ کر سکے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انھوں نے زیارت کی لیکن حجرہ میں داخل نہ ہو سکے اور ایک قول کے مطابق حضرت ام حبیبہؓ نے حجاب کی وجہ سے ان کو منع فرمادیا۔

استطاعت کے باوجود ترک زیارت پر وعید

چاہیے کہ اس تمام استطاعت کا ضبط کیا جائے کہ جس کا ضبط آئمہ نے حج میں کیا ہے۔ پس وہ استطاعت جو حج میں واجب کی گئی ہے وہ بدرجہ اولیٰ زیارت کے واجب ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

جان تو (اے قاری) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک زیارت سے سختی کے ساتھ ڈرایا ہے اور اللہ تعالیٰ تجھے اس کی ہدایت دے۔ میں اس کا بیان بلیغ اور واضح تحریر کرتا ہوں اور اس کے ترک کے مضرات و آفات واضح کرتا ہوں تاکہ تو اس کے عواقب و انجام سے ڈرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من حج ولم یزرنی فقد جفانی

"جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ سے جفا کی"۔

پس (اے قاری) تیرے لیے ظاہر ہو گیا کہ ترک زیارت جفا ہے اور یہ گزر چکا کہ "جفا" نیکی اور صلہ رحمی کے ترک کا نام ہے۔ یا پھر غلیظ طبع اور سخاوت سے دوری کو جفا کہا جاتا ہے اور یہ بھی گزر چکا کہ اس میں حج کی قید ضروری نہیں کہ صرف حج کرے اور زیارت نہ کرے تبھی جفا ہو گی بلکہ مطلقاً استطاعت رکھنے کے باوجود زیارت نہ کرنا جفا ہی شمار ہو گی اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سننے کے وقت صلاۃ وسلام نہ پڑھنے والے کو بھی جفا کا اطلاق فرمایا ہے۔

صحیح سند میں حضرت قتادہ سے مرسلاً روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من الجفاء ان اذکر عند رجل فلا یصلی علی

''یہ ظلم (جفا) ہے کہ کسی شخص کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے''۔

اس سے ظاہر ہوا کہ استطاعت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی سنتے وقت درود نہ پڑھنا جفا میں برابر ہیں۔

پس تارک زیارت پر خوف ہے کہ اسے یہ عقوبات اور قباحتیں پہنچیں گی جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی سنتے وقت تارک درود کو پہنچیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

احضروا المنبر فحضروا فلما ارتقی صلی الله علیه و آله وسلم درجة فقال آمین ثم ارتقی الثانیة قال "آمین" فلما نزل قلنا : یا رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم قد سمعنا منک الیوم شیئاً ما کنا نسمعه فقال : ان جبرائیل عرض لی فقال: بعد (ای بالضم) عن الخیر (وحکی الکسر ای هلک) من ادرک رمضان فلم یغفرله قلت آمین فلما رقیت (ای بکسر القاف) الثانیة قال: بعد من ذکرت عنده ولم یصلی علیک قلت " آمین" فلما رقیت الثالثة قال: بعد من ادرک ابویه الکبر عنده او احدهما فلم یدخلاه الجنة قلت " آمین".

''منبر حاضر کرو پھر منبر حاضر کیا گیا، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے

ایک درجہ (سیڑھی) پر چڑھے اور فرمایا "آمین" پھر دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا "آمین" پھر تیسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا "آمین" پس جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے تشریف لائے تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ چیز سنی ہے جو پہلے کبھی نہیں سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے پاس جبرائیل آئے اور کہا خیر سے دور ہوا اور ہلاک ہوا وہ شخص جو رمضان پائے اور اپنے گناہ نہ بخشوائے۔ تو میں نے "آمین" کہا اور پھر جب میں دوسری سیڑھی چڑھا تو حضرت جبرائیل نے عرض کیا: ہلاک ہوا وہ شخص جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے تو میں نے "آمین" کہا پھر جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو انھوں نے عرض کیا وہ شخص ہلاک ہو جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو تو میں نے کہا "آمین"۔

اور وہ روایت کہ جس کو ابن حبان نے صحیح کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

و من ذکرت عنده فلم یصل علیک فابعده الله قل " آمین" فقلت " آمین".

"اور جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے فرمایئے "آمین" تو میں نے کہا "آمین"۔

اور دوسری روایت کہ جس کی سند حسن ہے۔ اس میں الفاظ اس طرح ہیں:

ورغم انف من ذكرت عنده فلم يصل عليک قلت آمین

''اور اس کی ناک خاک آلود ہو کہ جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھے تو میں نے فرمایا ''آمین''۔

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

وارغم الله انف رجل

''اور اللہ اس شخص کی ناک خاک میں رگڑے''۔

اس کا اصل معنی تو یہی ہے کہ اس کی ناک خاک میں رگڑی جائے لیکن عام طور پر یہ الفاظ ذلت اور خواری کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ رغم بالکسر: مٹی کے ساتھ ذلت اور خواری سے ملنا اور بالفتح بھی یہی معنی ہے۔

اور ایک رُوایت کہ اس کی سند حسن ہے:

شقی عبد ذكرت عنده فلم يصل عليک فقلت آمین

''وہ شخص بڑا بدبخت ہے کہ جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے تو میں نے کہا آمین''۔

اور ایک روایت جو کہ بیہقی میں ہے کے الفاظ یہ ہیں:

فلما صعد العقبة الثالثة (وكان المنبر اذا ذات ثلاث درج) قال: اى جبرائيل: يا محمد، قلت "لبيک" وسعديک قال: من ذكرت عنده فلم يصل عليک فمات ولم يغفر له فدخل النار فابعده الله قل آمين فقلت آمين

''پس جب تیسرے درجہ پر تشریف لے گئے (اور اس وقت منبر تین درجوں کا تھا) تو جبرائیل نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے کہا لبیک

تو انھوں نے عرض کیا کہ جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھے اور مر جائے اور بخشا نہ جائے اور جہنم میں داخل ہو۔ اللہ اس کو ہلاک کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمین فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آمین کہا"۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان من ذکرت عنده فلم یصل علیک دخل النار فابعده الله و استحقه فقلت آمین

"کہ جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھے تو وہ جہنم رسید ہو اور اللہ اس کو ہلاک کرے اور جہنم کا مستحق کرے (تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) میں نے کہا آمین"۔

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

و من ذکرت عنده فلم یصل علیک فابعده الله ثم ابعده فقلت آمین

"جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھے تو اللہ اس کو ہلاک کرے پھر ہلاک کرے تو میں نے کہا آمین"۔

اور دیلمی نے روایت کیا:

من ذکرت عنده فلم یصل علی دخل النار

"جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو وہ جہنم میں گیا"۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بسند حسن متصل مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ذكرت عند فنسي الصلاة علي خطئي الجنة

''جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول جائے پس وہ جنت کا راستہ بھول گیا''۔

''بھولنا'' بمعنی جان بوجھ کر چھوڑ دینا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

كذالك اتتك آياتنا فنسيتها (سورہ طہ، آیت ۲۶)

''یونہی تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تو انھیں بھلا دیا''۔

یا اس میں یہ احتمال ہے کہ جب وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر سنے تو کسی اور بات میں مشغول رہے حتیٰ کہ بھول جائے اور بھولنے والے کی عدم تکلیف تب ہے کہ جب اس کا نسیان کھیل کود کی وجہ سے نہ ہو اور اگر اس وجہ سے ہو تو پھر وہ عابد کی طرح گناہ گار ہوگا۔ جیسا کہ شطرنج کھیلنے والا جب کھیلتے کھیلتے نماز بھول جائے حتیٰ کہ اس کا وقت گزر جائے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بسند حسن یا صحیح مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

البخيل كل البخيل من ذكرت عنده فلم يصل علي

''سب بخیلوں سے بڑا بخیل وہ ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے''۔

ابونعیم نے ''حلیہ'' میں ہرنی کے مشہور واقعہ میں روایت کیا کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

مر هذا ان يخليني حتي ارضع اولادي و اعود قال فان لم تعودي؟

قالت ان لم اعد فلعنتي الله كمن تذكر بين يديه فلا يصلي عليك

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے یہاں سے نجات دلایئے یہاں تک کہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تو واپس نہ آئی تو؟ ہرنی نے عرض کی اگر میں واپس نہ آؤں تو مجھ پر اسی طرح اللہ لعنت کرے جس طرح کہ جس شخص کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھے"۔

اور ابوسعید نے حدیث شریف میں یہ جملہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الام الناس من اذا ذكرت عنده لم يصل علي

"سب سے لئیم وہ شخص ہے جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا"۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک ایسی سند کے ساتھ کہ جس میں راوی کا نام نہیں لیا گیا (یعنی ایک راوی مجہول ہے) مروی ہے:

من لم يصل علي فلا دين له

"کہ جس نے مجھ پر درود نہ پڑھا اس کا کوئی دین نہیں ہے"۔

اور مرفوع روایت میں ہے:

لا يرى وجهي ثلاثة انفس : العاق لوالديه والتارك لسنتي ومن لم يصل علي اذا ذكرت بين يديه

"تین شخص میرا دیدار نہیں کر سکیں گے۔ والدین کا عاق (گستاخ) میری سنت کا تارک اور وہ جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے"۔

تارکِ درود کا حال

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی سنتے وقت جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہیں پڑھتا وہ ان تمام اوصاف قبیحہ وشنیعہ کا مرتکب ہوتا ہے گویا کہ وہ بد بخت ہے اور اس کی ناک خاک آلود ہوگی اور دخول نار کا مستحق ہے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہے کیونکہ اس پر ان عقوبات اور دوری کی دعا حضرت جبرائیل امین اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہوئی ہے اور وہ جنت کا راستہ بھولنے والا ہے بلکہ تمام بخیلوں سے بڑا بخیل ہے۔ یعنی وہ ملعون ہے اور وہ بے دین ہے اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے محروم رہے گا۔

اور یہ گزر چکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کا ترک اور طاقت رکھنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ کرنا برابر ہے۔ کیونکہ یہ دونوں کام جفا ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی مذکور ہو چکا ہے۔

تو یہ تمام اوصاف قبیحہ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کی ساعت کے وقت تارک درود کے لیے ثابت ہیں۔ خوف ہے کہ یہی تمام قبائح تارک زیارت پر ثابت ہوں۔ لہذا ڈر ہے کہ تارک زیارت شقی و بد بخت، جہنم میں جانے کا مستحق، اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور اور اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بد دعا اور ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم ہے پس ان چیزوں کو ساتھ رکھ اور یاد کر۔

اس میں اس امر کی خبر دی ہے کہ جو شخص قدرت وطاقت رکھنے پر ترک زیارت کو حقیر سمجھتا ہے وہ ان تمام قبائح سے بیزار ہے اور اللہ تعالی کی بارگاہ اقدس میں رجوع کرتا ہے اور اس کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جفا سے باز آتا ہے۔ جو کہ اللہ کے حضور اس

کا اور ساری کائنات کا وسیلہ ہیں۔

اور ہم نے بہت سارے تارکینِ زیارت کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دیکھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں پر ظلمت و سیاہی بھر دی ہے جو کہ ظاہری طور پر محسوس ہوتی ہے اور وہ نیکیوں اور بھلائیوں سے دور اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کٹ چکے ہیں اور دنیا کمانے میں مشغول ہوتے ہیں حتیٰ کہ اسی حالت میں مر جاتے ہیں اور ان میں سے بہت سارے ایسے ہیں کہ لوگوں کے اوپر ظلم کرتے ہیں اور وہ اس قہر سے منع نہیں کر سکتے۔

اور مکہ مکرمہ کے کچھ لوگوں کے بارے میں مجھے بتایا گیا کہ جب اس کا سامان زیارت کے لیے تیار کیا گیا تو اس نے روک دیا اور لوگ اس کو ہمیشہ برا کہتے رہے پس اس شخص نے اپنا اسباب پکڑا اور تمام گھر والوں کو تیار کیا اور ان پر کافی مال خرچ کیا اور ان سے کہا تم چلو میں بھی تم سب سے عنقریب آ ملوں گا۔ پس جب وہ سواری پر سوار ہونے لگا تو کثرت گناہ کی وجہ سے اس کو نکسیر پھوٹی اور وہ اس کارِ خیر سے رہ گیا اور اس کے تمام اہلِ خانہ زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چلے گئے اور زیارت کر کے واپس آ گئے۔ پھر وہ حسرت میں ڈوبا رہا اور لوگوں سے چھپتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ زیارت کرنے کے بغیر ہی مر گیا تو جب اس پر اس حرماں نصیبی کا قول واقع ہو گیا اور اس کی روسیاہی لوگوں میں عیاں ہو گئی تو یہ بہت بڑا خسارا ہے۔

گستاخِ رسولؐ کی حاضری قبول نہیں

اور ایسے ہی کئی ایک کے لیے یہ واقعہ ہو چکا کہ اس نے اپنا سامان سفر تیار کیا اور زیارت کے لیے چلا حتیٰ کہ مدینہ شریف کے قریب پہنچ گیا اور مدینہ شریف سے ایک خادم باہر آیا اور اس نے پوچھا کہ فلاں بن فلاں کہاں ہے جب اس کو بتایا گیا تو اس خادم نے

ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ تو مدینہ شریف میں داخل نہ ہو۔ پس وہ بیٹھا اور اپنے آپ پر رونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ لوگ زیارت کے لیے گئے اور واپس تشریف لے آئے۔ پس وہ ان کے ساتھ خائب و خاسر واپس لوٹا۔ اور اس پر نہایت تاسف، ندامت اور عار ہے۔

پس اے زائر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے ڈر کہ تو زیارت کے لیے جائے او گناہوں اور فواحش پر اڑا رہے اور تو اسی طرح ہو جائے جیسا کہ مذکورہ مثال والا شخص ہوا تھا اور تو دنیا و آخرت میں بری مثال بن جائے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ معاملہ صرف اس شخص سے فرماتے ہیں کہ جس کی اصلاح ناممکن ہو اور اس کی دم فلاح کا علم قطعی ہو جائے بلکہ یہ اس کے سوئے خاتمہ کی واضح دلیل ہے۔ (والعیاذ باللہ) پس تجھے چاہیے کہ جب تو زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نکلنے کا ارادہ کرے تو صحیح توبہ کرے اور تمام شروط کو پورا کرے جو کہ تیرے گناہوں کو ختم کر دے اور تیرے تمام عیوب چھپا دے تا کہ تو تمام انبیاء کرام کے وسیلہ و سردار کی بارگاہ میں حاضری کے اہل و قابل ہو سکے۔

تنبیہ

حدیث شریف میں حج کا ذکر گزرا:

من حج ولم یزرنی فقد جفانی

''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا''۔

یہ بیان ہے کہ جس نے حج کیا اور مدینہ شریف کے قریب سے گزرا اور زیارت نہ کی تو وہ غیر حاجی کے زیارت نہ کرنے سے زیادہ برا و قبیح ہے۔ اس سے یہ مفہوم نہیں لیا جائے گا کہ جس نے زیارت کی اور بعد میں حج کیا اور پھر دوبارہ زیارت نہ کی تو اس نے ظلم

کیا۔ ہاں اس سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ ہر حاجی کے لیے مسنون ہے چاہے وہ مکی ہو یا غیر مکی کہ ہر حج کے بعد وہ زیارت کرے۔ کیونکہ اس وقت اس پر زیارت زیادہ متاکد ہوگی اور اسکو پہلے پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ جس کو ایک افضل کام تصور کیا جائے گا۔ لیکن اس کا ترک جفا شمار نہیں ہوگی۔ بخلاف اس کے کہ جو زیارت کی سنت کو بالکل ہی ترک کردے پس یہ تو جفا ہی جفا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ

حج کے تکرار کے ساتھ ساتھ زیارت کا تکرار (بار بار کرنا) بہت افضل ہے۔ اور جو ایسا نہ کر سکے اور صرف ایک ہی مرتبہ زیارت کرلے تو اس پر جفا کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ترک افضل کیا ہے جو کہ جائز ہے۔ اور جس نے تکرار حج کے ساتھ زیارت کے تکرار کو ترک کیا اور اس کے معارض اس سے کوئی افضل بھی نہ ہو اور جب ترک تکرار کسی افضل معارض کی وجہ سے ہو جیسا کہ افادۂ علم اور اس کے استفادۂ علم تو اس پر نہ تو حقیقی اعتبار سے اور نہ ہی مجازاً جفا کا اطلاق کیا جائے گا۔ پس اس پر غور و فکر کر کوئی تجھے اس طرح متنبہ نہیں۔

موجودہ مدینہ کا محل وقوع

مدینہ منورہ مکہ معظّمہ کے شمال میں ۴۵۵ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مغرب میں ایک سو تیس میل دور سمندر اور اس علاقہ کی بندرگاہ ینبوع ہے۔ یہ شہر مکہ معظّمہ اور شام کے تقریباً وسط میں پایا جاتا ہے۔ مدینہ کریمہ سطح سمندر سے ۶۱۹ میٹر بلندی پر آباد تہامہ و حجاز کا صحت پرور مقام سمجھا جاتا ہے۔ یہاں جاڑا اور گرمی دونوں میں رات کے وقت ۶ سنٹی گریڈ تک گر جاتا ہے۔ لیکن جزیرہ نمائے عرب کی ہوا میں رطوبت کی کمی کو زیادہ خشک بنا دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے گرمی کی شدت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

مدینہ منورہ کے طول البلد اور مکہ مکرمہ کے طول البلد میں تقریباً یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یعنی ۲/۱/۳۹ درجہ مشرقی ہے۔ البتہ اس کا عرض البلد ۲۴ درجہ شمال ہے۔ جبکہ مکہ معظّمہ کا عرض البلد ۲۱ درجہ شمالی ہے۔ یہ مقدس شہر ایک ایسے میدان میں آباد ہے جس کے شمال کی جانب ایک ہلکی سی پہاڑی ڈھال پائی جاتی ہے اور مشرقی و مغربی سمتوں سے دو حروں اور شمال و جنوبی اطراف سے دو پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ مشرق میں حرۃ الواقم اور مغرب میں حرۃ الوبدۃ واقع ہیں۔

مدینہ منور کی حدود کا رقبہ جبل عیر اور جبل ثور کے درمیان ۱۶ کلو میٹر پر محیط ہے۔ علامہ فرید وجدی کی تحقیق کے مطابق ۱۶۰۰ قبل المسیح ۲۲۱۲ قبل الہجرۃ النبویؐ قوم عمالقہ نے مدینہ کریمہ آباد کیا تھا۔

محقق عصر حاضر علامہ سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء رقم طراز ہیں۔

یہ شہر ۱۶۰۰ ق م اور ۲۰۰ ق م کے درمیانی زمانہ میں معرضِ وجود میں آیا کیونکہ معتبر تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں سب سے پہلے عمالیق آباد ہوئے اور یہ بات پایہ نبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عمالیق ۳۰۰ ق م میں مصر کے حکمران تھے۔ وہ ۱۶۰۰ ق م میں وہاں سے نکال دیئے گئے۔ بنابریں اس شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ ق م اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان ثابت ہوتا ہے لیکن حسبِ ذیل تاریخی روایات کی بناپر اغلب تو یہ ہے کہ تقریباً ۲۲۰۰ قبل المسیح میں ''یثرب'' کا شہر دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوا جس کی آبادکاری کے اسباب اس طرح رونما ہوئے:

''قوم عمالقہ اور جرہم یمن میں آباد تھے جو قحط کی جاں گداز مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے پانی، چارہ اور سرسبز و شاداب علاقوں کی تلاش میں تہامہ کی طرف نکل گئے۔ انہی کے چند خاندان ''یثرب'' کے مقام پر آباد ہوئے''۔

قبائل عمالقہ اور جرہم ایک ساتھ یمن سے ترک وطن کر کے کچھ اطراف مکہ مکرمہ میں اور بعض مدینہ منورہ کے مقام پر آباد ہوئے۔ جیاس کہ مورخین کا بیان ہے:

''بنو جرہم بن عبیل بن قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح مکہ مکرمہ کے قریب آباد ہوئے۔ جبکہ مدینہ منورہ کے مقام پر آباد ہونے والے قبائل بنو عبیل بن مہلائیل بن عوض بن عملیق بن لاذر بن سام بن نوحؑ تھے''۔

اس شہر کے آباد کرنے والے شخص کا نام ''یثرب'' تھا جس کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

یثرب بن عبیل بن مهلائیل بن عوض بن عمليق بن لاوذ بن سام بن نوح عليه السلام

بعض مؤرخین نے نسب اس طرح بھی بیان کیا ہے:

یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوض بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام

اور یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ ۲۲۰۰ ق م میں جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام شیر خوارگی کے عالم میں مکہ مکرمہ جاتے ہیں تو وہاں قبیلہ بنو جرہم پہلے سے موجود تھا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ منورہ کی آبادکاری بھی اسی زمانہ کے قریب عمل میں آئی تھی۔ علاوہ ازیں ''بنو سام کی حقیقی ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م یا ۲۰۰۰ ق م سے ۱۵۰۰ ق م تک کا ہے''۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترقی کے زمانہ سے پہلے ہی نامساعد حالات کے باعث ترک وطن کیا تھا۔

علامہ ہمدانی المتوفی ۳۳۴ھ/۹۴۶ء لکھتے ہیں:

''ارض مدینہ، قبا، قضجا، احد، عقیق، بطحان، سلع، حرہ، اتبان، زبسجہ حریفہ اور حابہ واجیہ آبادی پر مشتمل ہے''۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی آبادی پہلے پانچ سو تھی۔ کچھ عرصہ بعد پندرہ سو گئی تھی۔ جن میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور غلام سب شامل تھے۔

علاوہ ازیں عہد نبوی میں بنو قینقاع اور بنو قریظہ کی مجموعی تعداد پانچ ہزار کے قریب تھی۔ بنو قینقاع میں سات سو جنگجو اور قریظہ میں چھ سو بہادر سپاہی تھے۔

علامہ فرید وجدی اپنے دور کی آبادی کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس وقت آبادی ۶۰،۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ ان میں اکثریت دوسرے ممالک سے آئے ہوئے لوگوں کی ہے جو ہند، ترکی، شام اور مصر وغیرہ سے آ کر یہاں آباد ہیں''۔

۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی ۱۲،۰۰،۰۰۰ افراد پر مشتمل تھی۔
اس وقت مدینہ منورہ کی آبادی تقریباً سات لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

آب وہوا

اسلام سے قبل جزیرہ نما عرب میں آب وہوا کی خرابی کے لحاظ سے مدینہ مشہور تھا۔ چنانچہ جب رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وباؤں، بیماریوں اور مہلک امراض کے شہر میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو وہاں کی آب وہوا صحابہ کو موافق نہ آئی اور اکثر مسلمان بیماری میں مبتلا ہو گئے۔

ایک مرتبہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں آئے لیکن آب وہوا کی خرابی کے باعث بیمار ہو گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے چند اونٹنیاں مقرر کر دیں کہ مدینہ سے باہر چراگاہ میں ان کا دودھ پئیں۔ چنانچہ جب وہ لوگ تندرست ہو گئے تو ارتداد اختیار کر لیا اور آپ کے چرواہے کو قتل کر کے تمام اونٹ لوٹ کر لے گئے۔

الغرض ابتدائے ہجرت میں مہاجرین پر مدینہ کی آب وہوا کا ایسا مضر اثر پڑا کہ تقریباً سب بیمار ہو گئے۔ صرف چند اشخاص صحت مند تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسل کے ساتھ شریک نماز ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے محض حفظانِ صحت کے خیال سے ''حمی اور عرض'' کی طرف منتقل ہو جانا چاہا اسی ضمن میں آپ نے فرمایا ''اگر حمی میں سانپوں کی کثرت نہ ہوتی تو کتنا بہتر مقام تھا''۔ اور عرض کے متعلق فرمایا کہ ''وہ مدینہ سے بہت زیادہ صحت بخش مقام ہے''۔

لیکن خداوند تعالیٰ نے اس تھوڑی سی آزمائش کے بعد مدینہ کو آپ کی برکت سے

نہایت صحت بخش مقام بنا دیا اور اس کی آب و ہوا کو بے حد لطیف، صحت افزا اور خوشگوار بنا دیا۔

آپ کی مقدس دعاؤں کی بدولت دنیا جہاں کی نعمتیں اور برکتیں سمٹ کر اس شہر خوباں میں جمع ہوگئیں اور مہلک امراض اور وباؤں نے رخت سفر باندھ لیا۔

بعد میں ہر زمانہ کے مورخین اور جغرافیہ نویسوں نے مدینہ طابہ کی صحت پرور آب وہوا کی تعریف وتحسین کی ہے کہ علامہ یاقوت حوی المتوفی ۶۲۶ھ/ ۱۲۲۹ء لکھتے ہیں:

''مدینہ طیبہ کی خصوصیت میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کی ہوا نہایت پاکیزہ ہے اور اس شہر میں عطر کی خوشبو میں ایک ایسا نفیس اضافہ ہو جاتا ہے جو مدینہ طیبہ کے سوا کسی شہر میں نہیں پایا جاتا اور اس کی صیہانی کھجور کی مثل کسی دوسرے شہر میں کھجور نہیں پائی جاتی''۔

ابن فقیہ ہمدانی نے کتاب البلدان میں مدینہ باسکینہ کی آب وہوا کی تعریف کس عمدگی کے ساتھ کی ہے:

''مدینہ کی خاکِ پاک اور مدینہ کی ہوا دوسرے شہروں کی خوشبودار چیزوں سے زیادہ خوشبودار ہے اور مدینہ منورہ میں کھانا بہت زیادہ کھانے والے آدمی کو بھی دو روٹیاں کافی ہو جاتی ہیں جبکہ مدینہ کے علاوہ اسے پانچ روٹیاں بھی کافی نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس غذا میں کسی قسم کی کثافت پائی جاتی ہے یا اس کے غلہ میں کوئی خرابی ہوتی ہے یا وہ اچھا پسا ہوا نہیں ہوتا۔ اگر یہ نقائص ہوتے تو یقیناً سوءِ ہضم کا عارضہ لاحق ہو جاتا بلکہ یہ قدرتی برکات و آب وہوا کی نفاست کا اثر ہے''۔

علامہ محمد لبیب البتنونی اپنے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں:

''یقینی طور پر مدینہ کریمہ کی آب وہوا نہایت صحت بخش ہے اور اہل مدینہ کے اخلاق و عادات میں جو نرمی اور لطافت پائی جاتی ہے اس میں بھی اس کی آب وہوا کا لازماً اثر ہے۔ مدینہ پاک کا پانی نہایت شیریں اور خوشگوار ہے جتنا پیا جائے ہضم ہو جاتا ہے۔ خوب ٹھنڈا اور مسکن ہے۔ مدینہ طیبہ کی آب و ہوا معتدل اور غذائے روح ہے۔ یہاں کسی قسم کی موذی بیماری نہیں ہے۔ نہ پیچش و اسہال اور نہ ہیضہ و طاعون کی وبا ہے بلکہ جو لوگ مکہ مکرمہ یا راستہ میں پیچش کے عارضہ میں مبتلا ہو کر مدینہ کریمہ پہنچتے ہیں وہ بھی یہاں آ کر صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ صبح و شام ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ مدینہ طیبہ کی رات خنکی میں مشہور ہے''۔

مورخ عصر حاضر علامہ محمد رابع ندوی لکھتے ہیں:

''اس شہر کا قدیم نام یثرت تھا جو قوم عمالقہ سے شروع ہوا۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قبل بیماری کا اثر جلدی ہو جایا کرتا تھا اس لیے یہ نام اسی مناسبت سے پڑ گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے یہاں تشریف فرما ہونے کی وجہ سے اسے مدینۃ الرسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا شہر کہا گیا۔ لہٰذا عام طور پر المدینۃ کہا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعا کی بدولت یہاں کی گرمی اور لُو کے اثر سے پیدا ہونے والی بیماریاں بھی تقریباً ختم ہو گئیں''۔

اِس وقت یہ شہر تہامہ اور حجاز کا صحت پرور شہر سمجھا جاتا ہے۔

مدینہ کا سابقہ نام

اس شہر کا قدیم نام یثرب تھا۔ بعد ازاں رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہونے پر مدینۃ المنورۃ جیسے دل آویز نام سے شہرت پذیر ہوا۔ جس کا تاریخی پس منظر خدمت ہے:

یَشْرَبُ ، ثَرَابَ ، ثَرَّبَ اور اَثْرَبَ سے بنا ہے جبکہ ان سب کا مادہ ایک ہی ہے اور اَلتَّثْرِیْبَ، اَلتَّانِیب وَالتَّعِییر وَالْاِستِقْصَاء فِی اللَّوْمِ ملامت کرنا، گناہ پر عار دلانا، لعن طعن کرنا اور کسی جرم پر ذلیل کرنا وغیرہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (لسان العرب، ج۱، ص۲۳۴۔۲۳۵)

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکَ (آج تجھ پر کوئی الزام نہیں)

(تاج العروس، ج۱، ص۱۶۳)

علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

یثرب مصری زبان کا لفظ ہے اور یہ "اتربس" کی تعریف ہے۔

(دائرۃ المعارف، ج۸، ص۵۲۹)

زبیدی المتوفی ۲۰۵ھ/۸۲۰ء فرماتے ہیں:

"یَثْرِبُ ، یَضْرِبُ کے وزن پر ہے، یہ ایک چھوٹی سی بستی کا نام تھا جس سے مدینہ منورہ مشہور ہوا۔ یا مدینہ منورہ ہی کے ایک حصہ کا نام تھا"۔

(تاج العروس، ج۱، ص۱۹۳)

زین الدین المراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء لکھتے ہیں:

''یثرب دراصل اس شہر کے غربی حصہ کی ایک بستی کا نام تھا جو پورے شہر کے لیے راستعمال ہونے لگا۔ جب رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس شہر میں رونق افروز ہوئے تو اسے مدینۃ النبیؐ جیسے مبارک نام سے پکارا جانے لگا اور پھر مختصر ہو کر ''مدینہ'' زبانِ زدعام ہو گیا۔ قدیم زمانہ میں اس کا محل وقوع ''عیون حمزہؓ'' تھا جسے آج کل ''مشہد حمزہ'' کہا جاتا ہے''۔

(معالم دار الھجرات، ص ۲۲)

چونکہ اس شہر خوباں کو پردۂ اخفا سے منصۂ شہود پہ لانے اور اسے آباد کرنے والا سیدنا نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے یَثْــرِبْ نامی ایک فرد فرید تھا جس کے سر پر اس کی آبادکاری کا سہرا سجایا گیا۔ اس لیے شہر اسی کے نام کی مناسبت سے یثرب شہرت پذیر ہوا۔

محدث شہیر یحییٰ بن شرف الدین المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء تحریر فرماتے ہیں:

''یَثْرِبُ لفظ تَثْرِیبُ سے بنا ہے جس کے معنی توبیخ اور ملامت کے ہیں۔ چونکہ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمدہ نام محبوب و مرغوب اور برے ناموں سے نفرت تھی۔ اس لیے خالق ائنات نے محبوب کائنات کی ناز برداری کرتے ہوئے اس مکروہ نام کو محبوب نام سے بدل دیا''۔ (شرح مسلم، ج ۱، ص ۴۴۴)

شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

''یثرب التثر یب سے ہے جس کے معنی توبیخ اور ملامت کرنے کے ہیں۔ یا الثرب سے بنا ہے جس کے معنی فساد کے ہیں۔ جبکہ دونوں لفظ قبیح اور برے ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ برے ناموں کو اچھے ناموں سے بدل دیتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے یثرب کی

جگہ اس کا نام طابہ رکھ دیا''۔ (ارشاد الساری، ج۳،ص۳۳۲)

چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

یقولون یثرب و ھی المدینة (صحیح بخاری، ج۱،ص۲۵۲)

''منافق لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ اس کا نام مدینہ ہے''۔

اور اللہ کریم نے بھی اسی مکرم نام سے بار بار یاد فرمایا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ

دوسری جگہ فرمایا:

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ

نووی المتوفی ۶۷۶/ ۱۲۷۷ء فرماتے ہیں:

''مدینہ کے مادہ کے متعلق دو قول ہیں (۱) یہ لفظ دان سے مشتق ہے جس کے معنی اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ مدینہ مَدَن سے مشتق ہے جس کا معنی اقامت اختیار کرنا ہے اور شہر آباد کرنا وغیرہ۔ اس کی جمع مُدُن، مُدُن اور مدائن ہے''۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المتوفی ۷۱۱ھ/ ۱۳۶۹ء تحریر کرتے ہیں:

''مدینہ زمین کے اس معزز خطہ کو کہا جاتا ہے جہاں محفوظ محل یا قلعہ تعمیر کیا جائے اور المدینۃ کی نسبت صرف فخر کون و مکان سرور زمین و زماں رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والا صفات کے مبارک شہر کی طرف ہے اور اسی نسبت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اسے عزت و تکریم سے نوازا ہے''۔

بنا بریں اس محترم شہر کے باشندوں کو جب مدینۃ الرسول کی نسبت سے یاد کیا جائے گا تو وہ مدنی کہلائیں گے اس کے برعکس مدینۃ المنصور کے رہنے والوں کو مدینی اور

مدائن کسریٰ کے باشندوں کو مداینی کہا جاتا ہے۔

جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ سمی المدینۃ طابۃ

''اللہ تعالیٰ نے اس کا نام مدینہ طابہ رکھ دیا ہے''۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ امرنی ان اسمی المدینۃ طیبۃ

''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شہر کا نام مدینہ طیبہ رکھ دوں''۔

جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں:

کانوا سمون المدینھی یثرب فسماھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طیبۃ

لوگ مدینہ کو یثرب کہتے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام طیبہ رکھ دیا۔ اس کے بعد بڑے اعزاز واحترام کے ساتھ یہ نام استعمال ہونے لگا۔ جیسا کہ ابوحمیدؓ بیان کرتے ہیں کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا ھذہ طابۃ۔

جب اس شہر خوبان کا مکروہ اور غلط نام مبارک ومسعود نام سے بدل دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اب جو آدمی مدینہ منورہ کو یثرب کہے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک گناہ لکھا جائے گا''۔

ایک روایت میں ہے:

''جو آدمی میدنہ منورہ کو یثرب کہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنی

چاہیے کیونکہ یہ طابہ ہے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ آدمی تین مرتبہ استغفار کرے۔ بخاری المتوفی ۲۵۶ھ/۸۷۰ھ نے اپنی تاریخ میں یہ روایت بیان کی ہے:

''جو شخص ایک دفعہ یثرب کہے تو اس کی تلافی اور تدارک کے لیے اسے دس دفعہ مدینہ کہنا چاہیے''۔

ایک روایت میں ہے کہ جو آدمی مدینہ منورہ کو یثرب کہے تو اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ وہ دس دفعہ مدینہ کہے۔ اس طرح لفظ ''یثرب'' شجر ممنوعہ قرار دیا گیا اور پھر یہ شہر خوباں ''مدینۃ المنورۃ'' جیسے پاکیزہ نام سے ایسی آب و تاب اور نان و بان سے آفاقِ عالم میں جگمگایا کہ تا ابد اس کی تابندگی و درخشندگی قائم رہے گی۔

شہر مدینہ کے اسماء قرآن وحدیث کی روشنی میں

جس طرح مکہ مکرمہ زاداللہ تعظیماً و تکریماً رشد وہدایت کا منبع اور باعث صد تعظیم و تکریم ہے۔ اسی طرح مدینہ منورہ زاداللہ تنویراً بھی مسلمانوں کا ملجاء و ماوی اور مرکز ایمان و ایقان ہے۔ یہ شہر خوباں بے مثل شرف و مجد اور عظمت وجلالت کا حامل ہے۔ محبوب انس و جن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب شہر بے شمار ناموں سے موسوم اور بے پناہ خوبیوں کا حامل گلشن سدابہار ہے۔

علامہ سید سمہودی المتوفی ۸۸۱ھ/ ۱۴۷۶ء بیان کرتے ہیں:

"اس مقدس شہر کے ناموں کی کثرت اس کی شرافت اور عظمت کی واشگاف دلیل ہے۔ میں نے اس قدر زیادہ نام کسی بھی دوسرے شہر کے نہیں پائے۔ شیخ المشائخ علامہ شیرازی اللغوی نے تیس نام لکھے تھے۔ حالانکہ وہ اس فن میں مہارت تامہ کے مالک تھے۔ جبکہ میں نے اپنی بساط کے مطابق ان سے کہیں زیادہ جمع کیے ہیں جن کی مجموعی تعداد ۹۴ ہے اور حروف تہجی کے مطابق ان کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ اثرب: بروزن مسجد ہمزہ برفتح ثا ساکن رمکسوراوراسی سے یثرب بھی ہے۔ اس نام کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب سیدنا نوح علیہ السلام کی اولاد مختلف شہروں میں آباد ہوئی۔ ان میں سے جو شخص اس مقام پر آباد ہوا اس کا نام یثرب تھا۔ پھر اس میں بھی تین قول ہیں۔ ابی عبید کہتے ہیں یہ اس حصہ کا نام ہے جس سے

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھیلا اور بڑھا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ مدینہ منورہ ہی کا نام ہے اور اس قول کو زمخشری نے اپنایا ہے اور تیسرا قول مالکؒ کے جلیل القدر تلمیذ محمد بن الحسن کا ہے جسے ابن زبالہ کی تائید بھی حاصل ہے کہ یثرب قری المدینہ ہے جو کہ قناۃ، حرف، البرنی اور زبالہ کے درمیانی خطہ ہے۔

۲۔ ارض اللّٰہ : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا (النساء، ۹۷)

مقاتل اور ثعلبی کا قول ہے کہ اس آیت میں ارض سے مدینہ منورہ مراد ہے جو اس شہر کی تعظیم پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ ارض الھجرۃ : حدیث شریف میں ہے المدینہ قبۃ الاسلام و دار الایمان و ارض الھجرۃ (کنز العمال ج ۱۲، ص ۲۳۰، جمع الفوائد ج ۱، ص ۳۰۱)

۴۔ اکالۃ البلدان: یعنی ساری دنیا کے شہروں پر تسلط رکھنے والا اور سب سے بلند مقام کا مالک۔

۵۔ اکالۃ القری: حدیث شریف میں ہے:

اُمِرتُ بقریۃ تاکل القری (بخاری، ج ۱، ص ۲۵۲)

یعنی مجھے ایسے شہر میں ہجرت کرنے کا حکم ملا جو دوسرے شہروں کو کھا جائے گا۔

۶۔ الایمان: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ (سورۃ الحشر ۹)

اور ابن زبالہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

سمی اللہ المدینة الدار والایمان

(کنز العمال ج ۱۲، ص ۲۳۰)

اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام الدار اور الایمان قرار دیا ہے اور بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اس کی تائید میں لکھا ہے کہ سمی اللہ المدینة الایمان اللہ تعالیٰ نے اُس شہر کا نام ایمان رکھا ہے کیونکہ یہ شہر ایمان کی تشہیر اور اظہار کا سبب بنا ہے۔

۷۔ البارة : ۸ . البرة: یہ دونوں نام اس مقدس شہر کے رہنے والوں کے نیک اعمال کی کثرت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ شہر منبع اسرار و برکات اور انوار و فیوضات ہے۔

۹۔ البحرةُ: ۱۰ . البحیرةُ: جو کہ بحرة کی تصغیر ہے۔

۱۱۔ البحیرة : ۱۲ . البلاط : ہموار زمین۔ ۱۳۔ البلدُ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لااقسم بھذالبلد اس آیت میں بلد سے مراد مدینہ باسکینہ بھی ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کے شرف و مجد کو چار چاند لگا دیئے۔

۱۴۔ بیت الرسول: جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کما اخرجک ربک من بیتک بالحق (سورہ البلد) مفسرین نے بیت کو مدینہ کریمہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

۱۵۔ تندد : ۱۶ . تندر : ۱۷ . الجابرة : حدیث شریف میں آتا ہے لا نہا تجبر الکسیر و تغنی الفقیر ۔ ۱۸۔ جبار :

۱۹۔ الجبارة: تورات میں جابرہ اور جبورہ دونوں نام پائے جاتے ہیں۔

۲۰۔ جزیرة العرب : ابن زبالہ کا قول ہے کہ مدینہ باسکینہ کو جزیرة العرب بھی کہا گیا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا: ان اللہ برأهذه الجزيرة من الشرک اس میں جزیرہ سے مراد مدینہ منورہ ہے اور ہروی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ اخرجو المشرکین من جزيرة العرب اس میں مدینہ کو صراحتاً جزیرۃ العرب کہا گیا ہے۔

۲۱۔ الجنة الحصينة : حدیث میں آتا ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر آپؐ نے فرمایا انا فی جنة حصينة یعنی المدينة دعوهم يدخلون نقاتلوهم.

۲۲۔ الحبيبة : یہ نام حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب شہر ہونے کی نسبت سے رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا اللهم حبب الينا المدينه كجنا مكة او اشد ۔

۲۳۔ الحرم : نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المدينة حرم اور ایک روایت میں ہے انها حرم آمن (کنز العمال ج۴:۱۳۳، ج۱۲:۲۳۰)

۲۴۔ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من اخاف اهل حرمی اخافه الله اور ابن زبالہ نے ایک روایت کی طرح بیان کی ہے۔ حرم ابراهيم مكة و حرمی المدينة۔

۲۵۔ حسنة سيئة کے مقابل میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ولنبلونهم فی الدنيا حسنة مفسرین کرام کا ارشاد ہے کہ اس آیت میں حسنه مدینہ کریمہ کو کہا گیا ہے۔

۲۶۔ الخيرة : ۲۷۔ الخيرة : جس کے معنی بہت زیادہ بھلائی کے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: والمدينه خير لهم لو كانوا يعلمون.

۲۸۔ الدار: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: والذين تبووا الدار والايمان دار سے مراد مدینہ منورہ ہے۔

۲۹۔ مـرار الاهـرار :۳۰۔دار الاخیـار : سیدکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین وانصارؓ جیسے قدسی نفوس کا دارالاقامت ہونے نسبت سے اسے اس نام سے پکارا گیا۔

۳۱۔ دار الایـمـان :حدیث شریف میں ہے الـمـدینة قبة الاسـلام و دار الایمان (مجمع الفوائد ج۱:۲۰۱، کنز العمال ج۱۲ ۲۳۰)

کیونکہ اسی مقدس شہر سے اسلام ظاہر ہوا اور پھیلا۔حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:الایـمـان یـار زالـی الـمـدینة کـما تار زالحیة الی حجرھا (بخاری ج۱:۲۵۲)

۳۲۔ دار البسـنة : ۳۳. دار السـلامة : ۳۴. دار الـفـتـح : ۳۵. دار الھجرہ: جیسا کہ عبدالرحمٰن نے حضرت عمرؓ سے کہاحتی تقدم المدینة فانھا دار الھـجـرة والسـنة (بخاری ج۱:۵۵۹)اورعلامہ کشمیہنی کی روایت میں السلامۃ کے الفاظ بھی مروی ہیں۔اس مبارک شہر ہی سے مکہ معظّمہ اور دوسرے شہر اور ممالک فتح ہوئے۔یہی ذی شان شہر انصار و مہاجرین کا مسکن اور رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین کا دارالہجر ۃ تھا اور اسی سے اطراف و اکناف عالم میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پھیلا۔

۳۶۔ ذات الـحـجـر :حجرات والا،حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ مہاجرین جب مدینہ باسکینہ میں آئے تو انصار نے انھیں مکانات عنایت کیے۔

۳۷۔ ذات الحرار :یہ حرة کی جمع ہے جہاں حرے کثرت سے پائے جاتے ہوں (پتھریلا علاقہ)جیسے ایک روایت میں ہے یثرب ذات النخل والحرة۔

۳۸۔ ذات الـنـخـل :حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اریت ُ دار

هجرتی ذات نخل و حرة

۳۹۔ السلقة: وسیع وعریض زمین ہونے کی وجہ سے اور اس شہر میں مصائب وآفات اور گرمی کی شدت کے باعث یہ نام مشہور ہوا۔ پھر اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہلیانِ مدینہ کو تمام ممالک پر مسلط کر دیا اور انھوں نے ساری دنیا کو فتح کر کے زیر نگین بنالیا۔

۴۰۔ سیدة البلدان: دیلمی نے عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے کہ آپ نے مدینہ کریمہ کے متعلق فرمایا: یا طیبة یا سیدة البلدان

(کنز العمال، ج۴:۱۲۷، ج۱۲:۲۵۹، ج۱۴:۱۳۶)

۴۱۔ الشافیة: حدیث شریف میں ہے: ترابها شفاء من كل داء و ذكر الجذام و البرص (ایضاً ج۱۲:۲۳۶)

۴۲۔ طابة: ۴۳۔ طیبة: ۴۴۔ طیبة: ۴۵ طائب: جیسے کاتب ہے یہ چاروں اسماء لفظاً ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مگر معنی کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔

ان الله سمى المدينه طابه۔ ایک اور حدیث میں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان الله امرنی ان اسمی المدينة طابة ابن شیبہ وغیرہ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ اس شہر کا پہلا نام یثرب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بدل کر طیبہ رکھ دیا۔ اسی طرح ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد پایا جاتا ہے للمدينه عشرة اسماء هی المدينة و طيبه و طابه اور صاحبِ نواحی نے طابة کی جگہ طابت نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں مدینۃ المنورۃ کے دس نام بیان

فرمائے ہیں۔جن میں طیبہ ، طابہ اور مطیبۃ بھی ہیں اور طیبۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس ومبارک شہر کو شرک کی نحوست سے پاک کر دیا ہے یا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان بریح طیبۃ کی موافقت سے اسے طیبہ کہا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود عنبرین کی مہک او نفیس خوشبو کی مناسبت سے اسے طیبہ کہا گیا ہو اور طیبۃ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہاں کے تمام امور پاکیزہ ہیں۔اس شہر کی ہوا میں پاکیزگی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ابن بطال کہتے ہیں جو آدمی اس شہر خوباں میں سکونت اختیار کرے تو اسے اس کی مٹی اور در و دیوار سے نہایت نفیس اور عمدہ خوشبو محسوس ہو گی۔حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں:" مدینہ منورہ زاد اللہ تنویراً " کی مٹی میں کچھ ایسی لطیف سی مہک پائی جاتی ہے جو دنیا جہاں کی خوشبوؤں سے نرالی اور عجائبات قدرت کا نفیس شاہکار ہے۔یوں ہی علامہ یاقوت حموی فرماتے ہیں کہ مدینہ کریمہ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی ہوا میں پاکیزگی اور بارش میں ایسی روح پرور مہک پائی جاتی ہے جو نرالی اور امتیازی شان کی حامل ہے۔

بطیب رسول اللہ طاب نسیمھا فما المسک ما الکافور ما المندل الرطب

۴۶۔ طبانا :۴۷۔العاصمہ : کیونکہ یہ مہاجرین کی پناہ گاہ تھی یا بمعنی المعصومہ کے ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو جابر اور ظالم بادشاہوں کے دست تصرف سے محفوظ رکھا اور یہ مقدس شہر دجال اور طاعون کی کربناک مصیبت سے بھی مامون رہے گا۔

۴۸۔ العذراء: دشمنوں کے قہر و غضب سے مامون و محفوظ ہے۔

۴۹۔ العرا :۵۰۔ العروض :جس طرح صبور ہے اس مقدس شہر کی وادیوں اور پہاڑی دامنوں کی نسبت سے یہ نام مشہور ہوا۔

۵۱۔ الغراء: اس شہر خوباں کی مقدس علامات اور مکارم کا آشکارا ہونا۔ اس کی نورانی شعاؤں، پاکیزہ مہک، کثرت باغات دوسرے شہروں پر اس کی برتری اور اس کے مکینوں کی عظمت نیز اس کے محل وقوع کی رفعت شان کے باعث اس نام سے موسوم ہوا۔

۵۲۔ غلبة: اس شہر میں جو قوم وارد ہوئی غلبہ اس کا مقدر بن گیا۔ جیسے جب یثرب آباد ہوا تو اسے غلبہ حاصل ہوا۔ پھر یہود کو عمالیق پر اور اوس وخزرج کو یہود پر اور پھر مہاجرین کو اوس وخزرج پر غلبہ نصیب ہوا۔

۵۳۔ الفاضحه: فاسد اور غلط عقیدہ والے کا ظاہر ہو جانا یا خبث کا دور کر دینا۔

۵۴۔ القاصمة: یہ نام تورات کے ناموں میں سے ہے جس کے معنی ہیں جو جبارو قہار لوگوں کو ہلاک کرنا اور سرکش عناصر کو سرنگوں کر دینا اور اس شہر کے باشندوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرنے والوں کو تباہ کر دینے والا۔

۵۵۔ المدینة قبة الاسلام: جیسا کہ حدیث شریف میں ہے المدینة قبة الاسلام (کنز العمال ج ۱۲۔ ۲۳۰)

۵۶۔ قرية الانصار: ہر چھوٹی بڑی بستی کو عربی میں قریہ کہا جاتا ہے اور انصار وہ خوش نصیب لوگ تھے جنھوں نے فخر کون ومکاں سرور زمین وزماں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرینؓ کی نصرت کا اعزاز حاصل کیا اور ان پر تن من دھن سب کچھ نچھاور کر دیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اس لقب سے نوازا والذین آوو ونصروا اور حدیث شریف میں ہے ان الله قد طهر هذه القرية من الشرک۔

۵۷۔ قلب الایمان :۵۸۔ المؤمنة: ابن زبالہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ والذی

نفسی بیدہ ان تربتھا المؤمنة ایک روایت کے مطابق تورات میں اس شہر کا نام مومنۃ مذکور ہے۔

۵۹۔ المبارکة: اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے اس شہر کو خصوصی برکات سے نوازا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: اللھم جعل بالمدینة ضعفی ما جعلت بمکة من البرکة.

۶۰۔ مبدء الحلال و الحرام :۶۱۔ مبین الحلال و الحرام : حلال اور حرام کے احکامات اسی شہر سے صادر ہوئے۔

۶۱۔ المجبورة: حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اور آپ کی دعا کی وجہ سے اس کے مد صاع یہ پیمانے تھے اور دیگر اشیا میں برکت کی فراوانی کے باعث یہ شہر دوسرے شہروں پر شرف افتخار رکھتا ہے۔

۶۳۔ المجبة: ۶۴. المجبة :۶۵۔ المحبوبة :یہ تینوں نام پہلی آسمانی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور دعا کی وجہ سے یہ شہر ان ناموں سے موسوم ہوا۔ آپ کا ارشاد ہے: انھا احب البقاع الی اللہ تعالیٰ اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں کا محبوب بن گیا۔

۶۶۔ المحبورة: اگر یہ لفظ حبر سے بنا ہو تو معنی سرور ہوگا اور اگر الحبرة سے ہو تو نعمت ہوتا ہے۔

۶۷۔ المحرمة :۶۸۔ المحفوفة: برکات سمیٹنے والا اور فرشتوں کا اس حدود پر پہرہ دینا تاکہ دجال اور طاعون وغیرہ داخل نہ ہو سکیں۔ حدیث شریف میں ہے: المدینة و مکة محفوفات بالملائکة علی کل نقب منھا ملک لا

یدخلها الدجال ولا الطاعون

۶۹۔ المحفوظة: ایک حدیث میں ہے: القری لمحفوظة اربع اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے دجال اور طاعون سے محفوظ فرما دیا ہے۔

۷۰۔ المختارة: کیونکہ اللہ جل شانہ نے اس شہر کو اس مقدس ہستی کے لیے اختیار فرمایا جو ساری کائنات میں ممتاز ہیں۔

۷۱۔ مدخل صدق: ارشاد باری تعالیٰ ہے وقل رب ادخلنی مدخل صدق اس آیت مبارکہ میں مدخل صدق سے مدینہ یا سکینہ مراد ہے اور مخرج صدق سے مکہ مکرمہ جبکہ سلطانا نصیرا سے مراد انصار مدینہ ہیں۔

۷۲۔ المدینة: ۷۳۔ مدینة الرسول: ۷۴۔ المرحومة: رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقام اور ارحم الراحمین کی رحمتوں کی آماجگاہ۔

۷۵۔ المرذوقة: کیونکہ اس شہر میں اللہ کریم نے سرور کائنات کو رزق وسکون فراہم فرمایا یا پھر اس کے باشندوں کو حسی اور معنوی اعتبار سے رزق میں اس قدر فراوانی عطا فرمائی کہ وہ دنیا جہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

۷۶۔ مسجد الاقصی: ۷۷۔ المکینة: حدیث شریف میں وارد ہوا کہ ان اللہ تعالیٰ قال للمدینة یا طیبة یا طابة یا مسکینة لا تقبلی الکنوز ارفع اجاجیرک علیٰ اجاجیر القریٰ اللہ تعالیٰ نے اس متبرک شہر میں خضوع و خشوع کو غالب کر دیا اور اس کے باشندوں کو نرم مزاج اور خندہ روی کے وصف سے نوازا۔

۷۸۔ المسلمة: یہ لفظ مؤمنة کی مانند ہے یعنی اس شہر کے باشندے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور اس نام کا اطلاق اس وجہ سے بھی ہے یہ شہر قرآن مجید

کے ذریعے فتح ہوا۔ اسے جنگ وجدال وتلوار سے فتح نہیں کیا گیا۔

۷۹۔ مضجع رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المدینة مهاجری و مضجعی فی الارض۔

۸۰۔ المقدسة:اس شہر کی نفاست و پاکیزگی اور شرک کی نحوست سے پاک ہونے کی نسبت سے یہ نام مشہور ہوا۔

۸۱۔ المطیبة:۸۲۔المقر: یہ لفظ قرار سے ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اللهم اجعل لنا بها قرار و رزقاً حسنا

۸۳۔ المکتان: اہالیان مکہ معظّمہ کے اس شہر میں منتقل ہونے اور غالب ہونے کی وجہ سے اسے مکتان کہا گیا۔

۸۴۔ المکینة:۸۵۔مهاجر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: آپ کا ارشاد گرامی ہے المدینة مهاجری۔

۸۶۔ الموفیة:اس شہر میں آنے والوں کے حقوق کو پورا پورا ادا کرنا۔

۸۷۔ الناجیة: طاعون اور دجال سے اسے نجات حاصل ہے۔

۸۸۔ نبلاء: اس کی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے۔

۸۹۔ النحر: گرمی کی شدت کے باعث۔

۹۰۔ الهذراء: ابن نجار نے یہ لفظ العذر الکھا ہے۔ یہ نام بھی گرمی کی شدت کی مناسبت سے ہے۔

۹۱۔ یثرب : ۹۲ . یندر : ۹۳. یندد

فضیلت مدینہ منورہ

مدینہ جسے ہادیٔ سبل، ختم رُسل، مولائے کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دارالہجرت مسکن وراستراحت گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جو کہ منبعِ فیوض وبرکات، مرکزِ کمالات، سرچشمہ انوار وتجلیات اور فقید المثال فتوحات کا مبدأ بھی ہے۔

اس کی خاکِ پاک کے تابناک ذرات کو اس اعزاز پر بجا طور پر ناز ہے کہ فخرِ کون ومکان سلطانِ زمین وزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود انہی سے معرض وجود میں آیا اور اسی خاک کو رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوہر عنصر شریف کا صدقہ بننے کا شرف نصیب ہوا۔

اس شہر خوباں کے دل رُبا تذکرہ سے ایمان میں تروتازگی، روح کو فرحت و سرمستی اور قلب کو سرور وشادمانی نصیب ہوتی ہے۔ آیئے دیار یار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منقبت وفضیلت کے ایمان افروز ذکر سے کیف وسرور حاصل کریں۔

محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب اطہر اس دیس کی محبت سے لبریز تھا جس کا اظہار آپ کے اعمال واقوال سے ہوتا رہتا تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ کریمہ کے در و دیوار نظر نواز ہوتے ہی بے تابانہ طور پر سواری کو خوب تیز کرتے تاکہ فراق کی جاں گداز گھڑیاں ختم ہو کر وصل کی روح پرور ساعت جلد نصیب ہو۔

آپ کے قلب اطہر میں اس ارض مقدس کی گرد وغبار اور ریگ زاروں کے ادب

واحترام کا یہ عالم تھا کہ اگر آپ کے چہرۂ پر ضیاء پر لگ جاتے تو انھیں صاف نہیں فرماتے تھے۔ (مسلم، ج۱، ۴۷۰)

اگر صحابہ کرامؓ میں سے کوئی فرد چہرہ یا سر گرد و غبار سے چھپاتا تو آپؐ ایسا کرنے سے منع فرماتے اور یہ ایمان افروز خوش خبری سناتے کہ اس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ مدینہ منورہ زادھا اللّٰہ تنویرا کی خاک میں ہر بیماری کی شفا ہے۔ حتیٰ کہ کوڑھ اور برص جیسے موذی اور لا علاج امراض کے لیے بھی باعثِ شفا ہے۔

(جمع الفوائد ج۱: ۲۰۱، الترغیب والترہیب ج۲: ۱۱۸)

بغوی نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

لنبوئنهم فی الدنیا حسنة

''ہم انھیں دنیا میں عمدہ ٹھکانا ضرور عطا کریں گے''۔

(سورۃ النحل ۱۸۸)

اس فرمان باری تعالیٰ میں جس عمدہ ٹھکانے کا وعدہ ہے اس سے مدینہ با سکینہ مراد ہے۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

''اے اللہ! بے شک تو نے مجھے میرے محبوب شہر مکہ سے ہجرت کا حکم دیا سو مجھے اپنے پسندیدہ شہر میں سکونت نصیب فرمادے''۔ (مستدرک حاکم)

دربارِ رحمت میں رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں دست بدعا ہوئے:

اللهم حبب الینا المدینة کحبنا مکة او اشد

''اے اللہ! مدینے کی محبت ہمارے دلوں میں جاگیں فرما۔ جس طرح ہمیں مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی مدینہ کی محبت زیادہ عطا فرما''۔

(بخاری ج۱ ۲۵۳، موطا مالک باب فضل مدینہ)

حضور انور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

امرت بقریة تاکل القریٰ یقولون یثرب وھی المدینہ

''مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا جو شہروں کو کھا جانے والا ہے۔ لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ یہ مدینہ ہے''۔ (بخاری، ج۲۵۲:۱،مسلم، ج۴۴۴:۱)

نووی المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء فرماتے ہیں:

''مدینہ منورہ کی تعریف میں ''تاکل القریٰ'' کہنے کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں اول یہ شہر اسلامی لشکر کا مرکز ہے اور اسی مرکز سے تمام ممالک فتح کیے جائیں۔ نیز اموال غنیمت اسی میں جمع ہوں گے یا اس شہر کے باشندے تمام شہروں پر غلبہ حاصل کرلیں گے''۔ (شرح مسلم، ج۴۴۴:۱)

ایک روایت میں ہے:

المدینة معلقة بالجنة

''مدینہ منورہ جنت میں آویزاں ہے یعنی جنت میں داخل ہے''۔

(کتاب البلدان:۲۳۰)

مکحول سے روایت ہے دنیا میں چار شہر جنت کے ہیں جن میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی شامل ہیں۔ (کتاب البلدان:۴۷)

ابوداؤد طیالسی نے مسند میں شعبہ سے روایت بیان کی ہے:

''اس شہر کو لوگ یثرب کہا کرتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام طابہ رکھ دیا۔ اس روایت کو نقل کر کے علامہ عسقلانی لکھتے ہیں کہ طاب اور طیب دونوں کا مادہ طیب ہے اور یہ نام رکھنے کی کئی وجود پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اس کے باشندے لطیف ونظیف طبیعت کے مالک ہیں۔ اس کی

پاکیزہ مٹی کی نسبت سے یہ نام رکھ گیا۔ وہاں کے پاکیزہ ماحول اور صاف ستھری بود و باش کی بنا پر اس نام سے موسوم ہوا۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ مدینہ کریمہ کی مٹی اور در و دیوار میں ایسی نفاست پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان سے کچھ ایسی روح پرور مہک آتی ہے جو کسی بھی دوسرے شہر میں نہیں پائی جاتی۔ جو لوگ وہاں قیام پذیر ہیں وہ اس فرحت انگیز خوشبو سے لطف اندوز ہوتے ہیں''۔ (فتح الباری ج۴:۸۹، کتاب البلدان ۷۵)

ابن حوقل ایک روایت نقل کرتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی مدینہ کریمہ میں اقامت گزیں ہوتا ہے وہ اس کی مٹی اور ہوا میں بے حد نفیس خوشبو محسوس کرتا ہے جو اس مقدس و متبرک مٹی میں قدرتی اور حقیقی جوہر لطیف پایا جاتا ہے''۔

(کتاب صورۃ الارض ۳۱)

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الا ایمان لیارزالی المدینة کما تار زالحیة الی حجرها

''ایمان بالآخر سمٹ کر مدینہ منورہ میں آجائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے''۔ (بخاری، ج۱:۲۵۲، مسلم، ج۱:۸۴)

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''ایمان کی ہوائیں مدینہ باسکینہ سے چلیں اور اقصائے عالم تک پھیل گئیں۔ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے باعث ہر مومن کے دل میں مدینہ کی کشش پائی جاتی ہے۔ اس کی کیفیات کو کئی ادوار پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جیسے یہ کشش آپ کے مبارک زمانہ میں تعلیم دین کے باعث

تھی۔ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور میں ان کی پیروی کی وجہ سے تھی ۔ان کے بعد کے زمانہ میں روضہ انور کی زیارت کے اشتیاق اور مسجد نبوی میں نماز کی خاطر اوراس مقدس شہر کے اطراف میں واقع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کبار کے انوار سے تبرک حاصل کرنے کی غرض سے پیدا ہوئی۔ علاوہ ازیں آپ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہلیانِ مدینہ اسلام پر قائم ودائم رہیں گے اور بدعات وخرافات سے محفوظ ومامون رہیں گے"۔

(فتح الباری، ج۴،۹۴)

فخر کون مکاں سرور زمین وزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب مدینہ باسکینہ میں ورود مسعود ہوا تو یہ الفاظ وردِ زبان تھے:

اللھم اجعل لنا بھا قرارا و رزقا حسنا

"اے اللہ کریم ! ہمیں اطمینانِ قلب اور عمدہ رزق عطا فرما"۔

(کنز العمال، ج۴: ۱۳۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مقدس دعاؤں سے مدینہ کریمہ او اہلیانِ مدینہ کو بے پناہ نعمتوں سے مالا مال کردیا۔ آپ کی آہ سحر گاہی نے اہل مدینہ کے مستقبل کو تابناک بنادیا۔ آپؐ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ کریم تو مدینہ طیبہ کے مد صاع اور ناپ کے پیمانہ میں برکت مرحمت فرما"۔

(مسلم، کتاب الحج باب فضل مدینہ ج ۱)

"اے اللہ! ہمارے پھلوں میں ہمارے شہر میں ، ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے معزز بندے، خلیل اور نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انھوں نے مکہ

مکرمہ کے لیے دعا فرمائی تھی جبکہ میں تجھ سے مدینہ کے لیے ویسی ہی دعا کرتا ہوں اور اس کے مانند مزید بھی"۔ (ایضاً)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی:

اللھم اجعل بالمدینة ضعفی ما بمکة من البرکة

"اے اللہ! مکہ معظّمہ کی نسبت مدینہ منورہ کو دو چند برکات عطا فرما"۔

(بخاری، ج۱:۲۵۳، مسلم، ج۱:۴۴۲)

صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ جب موسم کا نیا پھل آتا تو اسے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ وہ پھل لے کر دعا فرماتے:

"یا اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، ہمارے شہر کو بابرکت بنا اور ہمارے صاع اور مد میں بھی برکت عطا فرما۔ یا اللہ حضرت ابراہیمؑ تیرے بندے، خلیل اور نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں۔ جس طرح انھوں نے مکہ معظّمہ کے لیے دعا فرمائی تھی ویسی ہی میں مدینہ طابہ کے لیے دعا کرتا ہوں بلکہ اس سے دو چند کی دعا کرتا ہوں"۔

دعا کے بعد پھل کسی بچے کو عنایت فرما دیتے تھے۔ (مسلم، ج۱:۴۴۲)

ابوسعید خدریؓ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ اس میں دعائیہ جملوں کو دو مرتبہ کہنا مذکور ہے اور آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

اللھم اجعل مع البرکة برکتین ۔

"اے اللہ دو گنا برکتیں عطا فرما"۔ (مسلم، ج۱:۴۴۲)

ابن عساکر نے ابوہریرہؓ سے بھی یہ روایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

"اے اللہ مدینہ والوں کو رزق عطا فرما من ھھنا و ھھنا آپ نے

مدینہ طیبہ کے چاروں طرف اشارہ فرمایا"۔ (کنز العمال، ج ۱۲: ۲۴۵)

آپ کی مسلسل اور پیہم دعاؤں نے مدینہ باسکینہ کو قابل رشک اور مثالی شہر بنا دیا۔ اس ویرنہ میں ایسی بہار آئی دنیا جہاں کی نعمتیں اور برکتیں سمٹ کر اس شہر خوباں میں جمع ہو گئیں اور انوار و تجلیاتِ ربانی نے اسے بقعۂ نور بنا دیا۔

تفصیل مدینہ کریمہ

قرنِ اولیٰ ہی سے محدثین، مفسرین، فقہا اور مؤرخین کے مابین یہ معرکۃ الآراء بحث جاری ہے کہ حرمین شریفین میں سے افضلیت کس شہر کو حاصل ہے۔ بعض اکابرین مکہ معظّمہ کو افضل قرار دیتے ہیں جبکہ بعض عمائدین کے نزدیک مدینہ منورہ افضل ہے۔ جانبین سے دلائل کی بھرمار ہے مگر ہم بلا نکیر انھیں قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

ابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ/۱۰۶۳ء تحریر فرماتے ہیں:

"مکہ مکرمہ، حرم اور اس کی حدود سمیت اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے افضل ہے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ مدینۃ النبی کو حاصل ہے۔ بمعہ حرم شریف اور اس کی حدود کے اس کے بعد مسجد اقصیٰ کا درجہ ہے اور یہ قول جمہور علماء کا ہے۔ جبکہ مالکؒ کے نزدیک مدینہ منورہ مکہ معظّمہ سے افضل ہے۔

جناب جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اندرون ای یوم اعظم حرمة فقلنا یومنا هذا قال فای بلد اعظم حرمة فقلنا بلدنا هذا

"کیا تمھیں معلوم ہے کہ سب سے زیادہ حرمت والا دن کون سا ہے۔ ہم نے

عرض کیا آج کا دن۔ ارشاد ہوا۔ سب سے زیادہ حرمت والا شہر کون سا ہے۔ تو ہم نے عرض کیا ہمارا یہ شہر مکہ"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے جواب میں صحابہ کبار کا مکہ معظّمہ کو تمام بلاد سے زیادہ عزت وحرمت والا قرار دینا اوراس پر مہر تصدیق ثبت کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے:

هذا اجماع من جميع الصحابة فی اجابتهم اياه عليه السلام بانه بلدهم ذلک و هم بمکة

"یہ تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ترین شہر ہے کیونکہ یہ بات انھوں نے مکہ میں موجود ہوتے ہوئے کہی تھی"۔

لہٰذا اجماع صحابہؓ سے ثابت ہو گیا کہ مکہ معظّمہ مدینہ منورہ سے حرمت وعزت میں اعظم ہے۔ بنابریں بلاشک وشبہ یہی افضل ہے۔ کیونکہ حرمت میں اعظم ہونا افضلیت ہی کی بنا پر ہو سکتا ہے۔

محدث شہیر نووی المتوفی ۶۷۶ھ/ ۱۲۷۷ء فرماتے ہیں:

"شافعی اور جمہور علماء کا مذہب ہے کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے اور مکہ معظّمہ کی مسجد مدینہ طیبہ کی مسجد سے افضل ہے لیکن مالکؒ اور علماء کی ایک جماعت کا مسلک اس کے برعکس ہے"۔

جناب مالک اور اکثر علماء مدینہ، مکہ مکرمہ پر مدینہ منورہ کی افضلیت کے قائل ہیں جبکہ اہل مکہ، اہل کوفہ، شافعی اور مالکیہ میں سے ابن وھب، ابن حبیب وغیرہ مکہ معظّمہ کی افضلیت کے معترف ہیں۔

ہمارے علماء نے مکہ معظّمہ کی افضلیت کو ان احادیث سے ثابت کیا ہے۔ مثلاً

عبداللہ بن عدی بن الحمراء سے روایت ہے:

انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو واقف علی راحلتہ بمکۃ یقول واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الی اللہ ولو لا انی اخرجت منک ماخرجت

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جبکہ آپ مکہ میں اونٹنی پر سوار تھے فرمایا: اللہ کی قسم بے شک تو (مکہ معظّمہ) اللہ کی زمین سے بہترین ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسندیدہ ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں تجھے نہ چھوڑتا''۔

یہ روایت ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کی ہے اور اسے ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میری اس مسجد میں ایک نماز باقی مسجد کے مقابلہ میں ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ مگر مسجد حرام میں ایک نماز میری مسجد سے بھی ایک سو گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے''۔

اس روایت کو احمد بن حنبلؒ نے مسند میں اور بیہقی وغیرہ نے حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (شرح مسلم، ج۱:۴۴۶)

محدث کبیر ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء مساجد ثلاثہ میں نماز کے ثواب کی زیادتی والی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مدینہ منورہ پر مکہ معظّمہ کی تفضیل استدلال کیا گیا ہے کیونکہ مکہ مکرمہ میں دوسرے مقامات کی نسبت عبادت کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے اور یہی جمہور کا قول ہے جو کہ مالک اور ان کے اصحاب ابن وھب، مطرف اور ابن حبیب سے بھی منقول

ہے لیکن مالک کا مشہور قول اور اکثر صحابہ کرامؓ تفضیل مدینہ منورہ کے قائل ہیں۔ ان اکابرین نے اس حدیث طیبہ سے استدلال کیا ہے۔

ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة

''میری قبر شریف اور میرے منبر شریف کے درمیان کا حصہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے''۔

لیکن ابن البر کہتے ہیں۔ اس حدیث سے مدینہ منورہ کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی جبکہ ابی سلمہؓ والی حدیث جس میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ میں خزورہ کے مقام پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا:

''خدا کی قسم بے شک تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری زمین سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں تجھے ہرگز نہ چھوڑتا''۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ اصحاب السنن نے اسے بیان کیا ہے۔ ترمذی ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اسی طرح اس حدیث سے بھی مدینہ منورہ کی تفضیل پر استدلال کیا گیا ہے:

اللھم اجعل بالمدینة ضعفی ما جعلت بمکة من البرکة

''اے اللہ! مکہ معظمہ کی نسبت مدینہ منورہ کو دو چند برکات عطا فرما''۔

ظاہراً اس حدیث سے مدینہ باسکینہ کی فضیلت مکہ مکرمہ پر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس میں بھی کسی مفضول چیز کی فضیلت لازم نہیں آتی جبکہ مکہ مشرفہ کی افضلیت علی الاطلاق ثابت ہے۔ (فتح الباری، ج۴، ۹۸)

حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء فرماتے ہیں:

''جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ جبکہ قبر اطہر اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس موضوع پر جمہور علماء نے طویل دلائل پیش کیے ہیں۔ امام مالکؒ مدینہ منورہ کی افضلیت کے قائل ہونے میں منفرد ہیں دیگر ائمہ ثلاثہ مکہ معظّمہ کی افضلیت کے قائل ہیں''۔ (البدایہ والنہایہ ج۳:۲۰۵)

علی علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء رقم طراز ہیں:

''مالکیہ کے نزدیک مدینہ مکہ معظّمہ سے افضل ہے اور یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا: **المدينة خير من مكة** لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور بعض نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالبر نے لکھا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:

اللهم انک اخترجتني من احب البقاع الى فاسكني احب البقاع اليک

''اے اللہ! تو نے میرے پسندیدہ شہر سے مجھے نکالا ہے۔ پس تو اپنے پسندیدہ شہر میں قیام نصیب فرما''۔

یہ روایت بھی مرسل اور ضعیف ہے۔

اگر چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی یہ دعا صحیح روایت سے ثابت ہے:

اللهم اجعل بالمدينة ضعفي ما بمكة من البركة

اس سے مدینہ منورہ کی فضیلت پر دلالت تو ضرور ہوتی ہے مگر اس سے بھی افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس مکہ مکرمہ کی افضلیت پر متعدد صحیح احادیث پائی جاتی ہیں جیسا کہ:

والله انک لخير ارض الله واحب ارض الله الى الله ما اطيبک

احبک الی ولو لا ان قومی اخرجونی منک ماسنت غیرک

اسی طرح حجتہ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا:

ای بلد تعلمون اعظم حرمة

"تمھارے علم میں سب سے زیادہ حرمت والا شہر کون سا ہے"۔

اس کے جواب میں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "مکة المکرمه"۔

بناء بریں اس بات پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ثابت ہوگیا کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اس بات کا صحابہؓ سے اقرار بھی کرایا۔

البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی قبر اطہر مکہ معظّمہ، کعبہ مشرفہ بلکہ عرش عظیم سے بھی افضل ہے۔

علاوہ ازیں بعض اکابرین امت مذکورہ دو نظریات کے سوا ایک اور نظریے کے قائل بھی ہیں۔ جیسا کہ شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ فریقین کے دلائل تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فالفضل ثابت للفرقین ولا یلزم من ذلک تفصیل احدی البقعتین

(نیل الاوطار، ج۴: ۲۴۹)

اور شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء فرماتے ہیں:

اصح المحتملات عندی ان یتوقف فیه

مزید تفصیلات کے لیے ابن حزم کی تصنیف المحلی جلد ۷ اور علامہ محمد یوسف بنوی کی معارف السنن جلد ۳ باب ماجاء فی ای المساجد افضل کی طرف رجوع فرمائیں۔

شفاعت کی بشارت

اس مقدس ومتبرک شہر کے بے شمار اوصاف حمیدہ اور خصائل شریفہ میں سے یہ بھی ایک انتہائی قابل رشک وصف ہے کہ رحمتِ کائنات، منبع فیوض و برکات، فخر کون و مکاں، سلطانِ زمین وزماں صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اس بلدہ طیبہ میں سکونت کی ترغیب و تحریص ولائی تا کہ اس پاک سرزمین کے انوار وتجلیات سے فیض بار ہوکر محشر کے ہولناک دن میں شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی شفاعت سے سرفراز ہوسکیں۔جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"روئے زمین پر مدینہ منورہ کے سوا کوئی ایسا خطہ نہیں جس میں مجھے دفن ہونا پسند ہو"۔

(موطا امام مالک، ج۲:۵۵۰،المحلی ج ۷:۲۸۶)

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمتِ کائنات،فخر موجودات صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

"جو آدمی مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اسی جگہ مرے وہ خوش نصیب قیامت کے دن میری شفاعت اور شہادت با سعادت سے مشرف ہوگا"۔ (مسلم ج۱:۴۴۴،ترمذی ج۲:۲۲۹)

آپ کا ارشاد ذی شان ہے:

"مدینہ منورہ میری ہجرت گاہ اور آرام گاہ ہے اور اسی خاکِ پاک سے میں قیامت کے دن اٹھایا جاؤں گا۔لہٰذا میری امت کا حق ہے کہ وہ میری ہمسائیگی اختیار کرے۔اگر میرے پڑوس میں رہ کر گناہوں سے اجتناب کیا تو میں قیامت کے دن ان کے لیے شفیع اور گواہ بنوں گا"۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص مدینہ منورہ کی تکالیف اور مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور صبر وقناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے تو میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا اور شفاعت کروں گا''۔

(مسلم ج۱،۴۴۳، ترمذی باب فضل مدینہ ج۲،۲۳۰)

ابوسعید خدریؓ سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور اس میں شفاعت کا اعزاز حاصل کرنے کے لیے مسلمان ہونے کی شرط بیان ہوئی ہے۔ (مسلم ج۱،۴۴۴)

شفیع یا شہید کی توجیہ اس طرح ہوسکتی ہے کہ خطا کار کے لیے شفاعت فرمائیں گے اور نیک وکار اور ابرار کے حق میں شہادت دیں گے۔ یا جو مسلمان آپ کی حیاتِ طیبہ میں انتقال فرما گئے تھے ان کے حق میں شہید ہوں گے اور جو آپ کی رحلت کے بعد دنیا س رخصت ہوئے ان کے لیے شفیع ہوں گے اور ممکن ہے کہ شفیعاً سے قیامت کے دن مدینہ والوں کے لیے درجات کی بلندی حساب میں تخفیف اور محشر میں ان کی تکریم و تعظیم مثلاً عرش عظیم کے سایہ میں راحت وغیرہ کی سفارش کرنا مراد ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:

''جو آدمی مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ میں فوت ہوا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے امن والے لوگوں میں اٹھائیں گے''۔ (سنن الکبریٰ ج۵،۲۴۵)

دوسری روایت میں ہے کہ اس کی شفاعت کرنا مجھ پر لازم ہوجاتا ہے۔

(کنز العمال ج۱۲،۲۷۱)

سید دوعالم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''قیامت کے دن میری امت میں سے جنھیں سب سے پہلے میری شفاعت کا شرف حاصل ہوگا۔ وہ مدینہ کریمہ کے خوش بخت لوگ ہوں گے۔ ان کے بعد اہل مکہ اور پھر طائب والوں کی شفاعت کی جائے گی''۔ (جامع الصغیر ج ۱:۱۱۱)

تاج دارِ مدینہ، شاہِ حرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی یہ تمنا اور آرزو قابل تقلید ہے کہ آپ مدینہ باسکینہ میں سفر آخرت کی دعا کرتے ہیں۔ اسی کی خاکِ پاک کو اپنی قبر مبارک کے لیے پسند فرماتے ہیں۔ یحیٰی بن سعیدؓ بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ جنت البقیع میں قبر کھودی جارہی تھی۔ جہاں مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ آلہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ اسی اثنا میں ایک صاحب وارد ہوئے اور قبر دیکھ کر کہنے لگے۔ مومن کے لیے یہ کیسی بری جگہ ہے۔ آپ کو اس کی بات ناگوار گزری۔ آپؐ نے فرمایا تم نے کیسی بری بات کہی ہے (غالباً آپ کی مراد یہ تھی کہ مومن کی قبر تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتا ہے اور تم اسے بری جگہ کہہ رہے ہو) وہ صاحب عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی موت اپنے گھر میں واقع ہوئی ہے۔ انھیں اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش کرنا چاہیے تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا شہادت کے برابر تو کوئی چیز نہیں ہوسکتی لیکن ساری روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مجھے اپنی قبر بنانا پسند ہو سوا مدینہ کریمہ کے۔ آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے''۔ (مؤطا امام مالک ج ۲:۵۵۰)

اللہ اللہ! وہ دھرتی کس قدر قابل رشک اور پرشکوہ ہے جس کے ریگ زاروں کو مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اپنا اوڑھنا بچھونا اور مسکن بنانے کے لیے مضطرب اور بے تاب رہے۔

ان جذبات کا اظہار کوئی اتفاقیہ بات نہ تھی بلکہ مدینہ کریمہ کی خاکِ پاک کے ساتھ انس ومحبت تو ایک فطری تقاضا تھا۔ کیونکہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے وجود مسعود کا خمیر اسی خاک سے بنا تھا اور آپ کا فرمان والا شان ہے:

''جس مٹی سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے اسی میں اس کی تدفین ہوتی ہے''۔

(فتح الباری ج ۳: ۸۶، نیل الاوطار، ج ۴: ۲۴۹)

مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے جسد عنبریں کی تخلیق جس خاکِ پاک سے ہوئی اور پھر جس کے افق پر رسالت کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا اور بالآخر اسی کی گود میں راحت گزیں ہوا۔ اس خاک کی رفعت شان اور بلندی مقام کا کیا کہنا۔

مالکؒ کو خاکِ طیبہ کے ساتھ اس قدر عشق اور فریفتگی تھی کہ آپ نے تمام عمر عزیز مدینہ کریمہ میں بسر فرمائی اور شہر سے باہر کہیں بھی نہیں جاتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مدینہ طیبہ سے نکل جاؤں اور میری موت آجائے اور میں مدینہ باسکینہ کی خاکِ پاک میں دفن ہونے سے محروم رہ جاؤں۔ صرف ایک مرتبہ فریضہ حج ادا کرنے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تھے بالآخر شاد کام ہوئے اور آج جنت البقیع میں آسودہ خواب ہیں۔ (جذب القلوب: ۲۵)

آپ کا قلبِ مبارک عشق رسولؐ سے اس قدر معمور تھا کہ ضعف، پیری اور کبرسنی کے باوجود مدینہ منورہ میں کبھی سوار ہو کر نہیں چلتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ جس ارض مقدس میں جسم عنبریں صلی اللہ علیہ آلہ وسلم آرام فرما ہو اس زمین پر سوار ہو کر چلنا گستاخی ہے۔

آپ ساری عمر قضاء حاجت کے لیے مدینہ طابہ کے حرم محترم سے باہر تشریف لے جاتے رہے۔ البتہ بیماری یا کسی مجبوری کی وجہ سے بیت الخلاء استعمال کر لیتے تھے۔ آپ تین دن میں صرف ایک مرتبہ بیت الخلاء جاتے اور فرماتے کہ بار بار جانے سے مجھے

شرم آتی ہے۔ (تذکرہ محدثین سید احمد رضا بجنوری ج۱:۱۲۹)

اللہ کریم اپنی رحمت سے ہمیں بھی مدینہ کریمہ میں موت نصیب فرمائے اور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی قیامت کے دن شفاعت سے نوازے۔

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا کی گوناگوں خوبیوں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ بعض لوگ دنیوی فوائد اور ذاتی اغراض کی بنا پر اس شہر کی سکونت ترک کر دیں گے جیسا کہ سفیان بن ابی زہیرؓ بیان کرتے ہیں کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یمن فتح ہوگا اور بعض لوگ وہاں کے حالات دریافت کریں گے پھر اپنے اہل وعیال کو اور جو لوگ ان کے کہنے میں آئیں گے انھیں ساتھ لے کر وہاں چلے جائیں گے۔ حالانکہ ان کے لیے مدینہ ہی بہتر تھا۔ اگر وہ سمجھ سے کام لیتے۔ پھر جب شام فتح ہوگا تو لوگ وہاں کے خوش کن حالات سن کر اپنے اہل وعیال اور جو کوئی ان کا کہا مانے گا ساتھ لے کر وہاں منتقل ہو جائیں گے۔ حالانکہ ان کے لیے مدینہ ہی بہتر تھا اگر وہ سمجھ سے کام لیتے۔ اسی طرح جب عراق فتح ہوگا تو لوگ وہاں کے حالات سن کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہاں جا کر آباد ہو جائیں گے حالانکہ ان کے لیے مدینہ ہی بہتر تھا۔ کاش وہ اس بات کو سمجھتے''۔ (بخاری، ج۱:۲۵۲، مسلم ج۱:۴۴۵)

جناب جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:

''اہالیانِ مدینہ پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ یہاں سے لوگ خوشحال زندگی کی تلاش میں سرسبز و شاداب مقامات پر چلے جائیں گے اور وہ اپنی مطلوبہ خوشحالی پالیں گے اور پھر اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔

حالانکہ ان کے حق میں مدینہ بہتر ہے اگر وہ سمجھ سے کام لیتے''۔

(الترغیب والترہیب ج ۲: ۱۴۰، فتح الباری ج ۴: ۹۲)

ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء فرماتے ہیں کہ:

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا یہ ارشاد اسی طرح پورا ہوا اور مذکورہ شہر اسی ترتیب سے فتح ہوئے نیز اس حدیث سے مدینہ منورہ کی دوسری شہروں پر فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا حرم، آپ کا پڑوس، مہبط وحی اور نزول برکات کا مرکز ہے۔ یہاں دین کے دائمی اور ابدی فوائد حاصل ہوتے ہیں جبکہ بعض لوگ ناپائیدار اور ناقابل اعتبار دنیوی فوائد کی خاطر دوسرے شہر میں چلے جائیں گے''۔

(فتح الباری، ج ۴: ۹۲-۹۳)

منذری المتوفی ۶۵۶ھ/۱۲۵۹ء رقم طراز ہیں:

''جب اسلام کی نورانی شعاعیں حجاز سے دوسرے ممالک تک پھیل گئیں اور اسلامی فتوحات کے ذریعے بہت سے سرسبز و شاداب علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں آئے تو طبعی طور پر بہت سے لوگوں نے حجاز کی خشک اور بنجر زمین کے مقابلے میں شام و عراق وغیرہ کے ہرے بھرے اور نعمات دنیا سے مالا مال خوشحال اور شاداب علاقوں میں رہنا پسند کیا اور وہ مدینہ منورہ چھوڑ کر ان علاقوں میں منتقل ہونا شروع ہو گئے۔ اس طرح وہ شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا جو دس سال کی پیہم جانی و مالی قربانیوں سے معرض وجود میں آیا تھا''۔

(الترغیب والترہیب، ج ۳: ۱۳۱)

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مدینہ منورہ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ برے آدمی کو اس طرح نکال کر باہر پھینک دیتا ہے جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے''۔ (بخاری، ج۱:۲۵۳)

جناب جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بدوی جو مدینہ طیبہ میں رہتا تھا اسے ایک مرتبہ سخت بخار آیا جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں رہنے سے دل برداشتہ ہو گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ میری بیعت توڑ دیں۔ میں یہاں انہیں رہ سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے بیعت توڑنے سے انکار فرمایا۔ اس نے دوبارہ بلکہ سہ بارہ آ کر اصرار کیا مگر آپ مسلسل انکار فرماتے رہے۔ بالآخر وہ مدینہ منورہ سے بھاگ گیا۔

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:

''مدینہ منورہ بھٹی کی مانند ہے۔ یہ برے آدمی کو نکال دیتا ہے اور اچھے آدمی کو خالص کر دیتا ہے''۔ (بخاری، ج۱:۲۵۳، مسلم، ج۱:۴۴۴۔۴۴۵)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''آگاہ رہو کہ مدینہ لوہار کی بھٹی کی مانند ہے۔ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک مدینہ منورہ شریر اور بدکار آدمیوں کو نکال دے جس طرح بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے''۔ (بخاری، ج۱:۲۵۳، مسلم، ج۱:۴۴۴۔۴۴۵)

انس بن مالکؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں:

''مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سوا دجال ہر شہر میں داخل ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان دونوں شہروں کی حفاظت کریں گے اس وقت مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا جس کے خوف سے ہر کافر اور منافق مدینہ سے نکل کر

بھاگ جائے گا"۔ (بخاری ج۱:۲۵۳)

ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"ہر وہ آدمی جس کا ایمان خالص نہیں ہوگا وہ مدینہ سے نکل جائے گا اور صرف مخلص مومن ہی باقی رہ جائیں گے جن پر دجال مسلط نہیں ہو سکے گا"۔

(فتح الباری،ج۴:۹۶)

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضۂ اطہر جو اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمتوں اور برکتوں کا منبع ہے۔ اہالیانِ مدینہ ان برکات سے ہمہ وقت مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ تزکیہ وتطہیر اس مقدس شہر کی خصوصیات میں سے ہے۔ اللہ کریم ہم سب مسلمانوں کو اس کے فیوضات و برکات سے بہرہ یاب فرمائے اور گنبد خضرا کے ظلِ عاطفت میں سکونت نصیب فرمائے اور جنت البقیع میں دفن ہونا نصیب فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

اہالیان مدینہ کے بدخواہ کا عبرتناک انجام

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب پڑوسی اور اہل وطن، باشندگانِ مدینہ کریمہ کے ساتھ اگر کوئی بدنصیب دھوکہ، فریب یا برائی کی جسارت کرے تو پھر وہ ربِ ذوالجلال کی گرفت اور اپنے عبرتناک انجام سے بچ نہیں سکتا۔ محبوب انس وجان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگری کے مکینوں کو اذیت پہنچانے والا خود بھی چین وسکون کی نعمت سے محروم ہی رہے گا۔ چنانچہ سعد حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد قول کرتے ہیں:

"جو آدمی اہالیانِ مدینہ کے ساتھ مکروفریب کرے گا تو وہ ایسا گھل جائے گا جیسا پانی میں نمک گھل جاتا ہے"۔ (بخاری،ج۱:۲۵۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص مدینہ منورہ والوں کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا ارادہ کرے گا تو حق تعالیٰ شانہٗ اسے آگ میں اس طرح پگھلا دیں گے جس طرح آگ میں سیسہ پگھل جاتا ہے یا پانی میں نمک گھل جاتا ہے''۔ (مسلم، ج۱:۴۴۱)

حضور اقدس سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

'جو ظالم اہالیانِ مدینہ کو خوف زدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن خوفزدہ کریں گے ایسے بدبخت پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اور نہ ہی اس سے مال اور غلہ قبول کیا جائے گا''۔ (کنز العمال، ج۱۲،۲۴۶)

جناب جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فتنہ پرداز سرداروں میں سے ایک سرکش سردار مدینہ طیبہ آیا۔ اس وقت حضرت جابر بڑھاپے کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس ظالم کے مقابلے سے چند دنوں کے لیے کنارہ کشی اختیار کر لیجیے تاکہ ابتلاء سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ آپ دونوں بیٹوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر شہر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے کہ ضعفِ پیری اور بینائی نہ ہونے کے باعث گر گئے اور زبان سے یہ الفاظ نکلے، ''ہلاک ہو وہ شخص جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈرایا''۔ بیٹا عرض کرنے لگا کہ ''حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے ڈرایا جا سکتا ہے جبکہ وہ تو اس دار فانی سے دار بقا کو تشریف لے جا چکے''۔ جابرؓ نے فرمایا، ''میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرمان خود سنا ہے کہ جس شخص نے مدینہ والوں کو ڈرایا اس نے درحقیقت مجھے ڈرایا ہے''۔

آقا کے ان ارشادات کی روشنی میں زائرین کو بالخصوص اور ہر مسلمان کو بالعموم اس بات کا اہتمام اور خیال رکھنا لازم ہے کہ اس کے قول و فعل سے ان لوگوں کی دل آزاری نہ ہو

۔انھیں کوئی اذیت نہ پہنچنے پائے، خرید وفروخت اور لین دین میں ان سے قطعاً چالبازی یا مکرو فریب نہ کیا جائے۔ نیز اپنے وطن میں رہتے ہوئے بھی اہالیانِ مدینہ باسکینہ کی غیبت، عیب جوئی، بدگمانی اور انھیں بدنام کرنے کی مکروہ جسارت ہرگز نہ کی جائے ان کے ساتھ صفائی اور سچائی کا معاملہ ہونا چاہیے۔ ورنہ مذکورہ بالا وعید کے بموجب قہر الٰہی سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔

مدینہ منورہ کے باشندوں کی صحبت کو حرز جاں بنائیں۔ بالخصوص علماء، صلحاء، سادات اور مسجد نبوی شریف کے خدام سے حسب مراتب محبت اور عقیدت رکھی جائے حتیٰ کہ وہاں کے عوام اور غلام جنھیں چنداں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے بھی واجب الاحترام ہیں۔ کیونکہ انھیں جو شرفِ ہمسائیگی رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل ہے اس سے دنیا جہاں کے مسلمان محروم ہیں۔ اگر ان کے اعمال میں کچھ نقص اور کمی ہو تب بھی وہ شرفِ سکونت اور ہمسائیگی خیر الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باعث ہمارے لیے واجب التعظیم وتکریم ہیں۔

ترابِ مدینہ باسکینہ

وہ ارض مقدس جہاں پہنچ کر مریضانِ عشق اور مہلک روحانی امراض کے بیمار شفایاب ہوتے ہیں۔ وہاں حکیم مطلق اور کارسازِ عالم نے جسم وجاں اور ظاہری امراض کے لیے مدینہ کریمہ کی خاکِ پاک کو اکسیر بنا دیا ہے۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی بیمار کو جھاڑ پھونک کرتے تو اپنے مقدس کلام کے ساتھ مدینہ کی خاکِ پاک بھی شامل کر لیتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

''رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت بن قیسؓ کی بیمار پرسی کے لیے

تشریف لے گئے۔ آپ نے انھیں دم کیا۔ پھر بطحا کی مٹی ایک پیالہ میں ڈالی اور پانی ڈال کر بیمار پر چھینٹے مارے"۔

(ابوداؤد شریف، کتاب الطیب باب ماجاء فی الرقی ج۲:۹۶)

نووی المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں ارض سے مدینہ طیبہ مراد ہے جو مخصوص برکات کی حامل ہے۔ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگشت شہادت کو لعابِ دہن لگا کر زمین پر رکھتے تاکہ مٹی لگ جائے پھر مذکورہ دعا پڑھ کر زخم والی جگہ یا بیمار پر پھیر دیتے تھے"۔ (شرح مسلم، ج۲:۲۲۳)

مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اک مرتبہ قبیلہ بنوالحارث کے بعض بیماروں کی مزاج پرسی کو تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے بتایا ہم بخار میں مبتلا ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے پاس صہیب موجود ہے (مدینہ منورہ میں واقع وادی بطحان کی ایک خاص جگہ کا نام ہے) وہ لوگ عرض کرنے لگے حضور ہم صہیب کو کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کی مٹی لے کر پانی میں ڈالو اور یہ دعا پڑھ کر دم کرو اور لعاب ڈال کر بیمار پر چھینٹے مارو۔

بِسْمِ اللّٰهِ تُرَابُ اَرْضِنَا بِرِيْقِ بَعْضِنَا شِفَاءِ مَرِيْضِنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا

چنانچہ ان لوگوں نے جب اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخار جاتا رہا"۔

(اخبار مدینہ:۲۸)

ثابت بن قیس بن شماسؓ سے روایت ہے کہ: "مدینہ منورہ کا غبار مرض جذام کے لیے شفا ہے"۔ (کنزالعمال ج۱۲:۲۳۶، الوفا: ابن جوزی ج۱:۲۵۳)

سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مدینہ منورہ کی خاک میں ہر ایک بیماری کی شفا ہے''۔

(جمع الفوائد ج ۱:۲۰۱، الترغیب والترہیب ج ۳:۱۱۶)

جن علماء کرام کے نزدیک حرم شریف سے مٹی لینا جائز نہیں انھیں بھی اس خاص مٹی کی خصوصیت کا انکار نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء لکھتے ہیں:

''اس جگہ سے لوگ آج تک برابر مٹی لے جاتے رہتے ہیں اور تجربہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات صحیح پاتے ہیں۔ اب وہاں گڑھا بن گیا ہے۔ میں نے بھی وہ گڑھا دیکھا اور مٹی حاصل کی''۔ (اخبار مدینہ:۲۸)

شیخ مجد الدین فروز آبادی اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ:

''میرا غلام ایک سال تک مسلسل بخار میں مبتلا رہا۔ بالآخر میں نے اس جگہ سے مٹی حاصل کی اور پانی میں ڈال کر اس پر چھینٹے مارے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ہی دن میں شفا عطا فرمادی''۔ (وفاء الوفا، ج ۱:۴۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں کہ:

''اس علاج اور تجربہ اور مشاہدہ سے میں بھی شرف بار ہوا جس زمانہ میں مدینہ باسکینہ کے قیام سے سرفراز ہوا۔ میرے پاوں میں ایسا مہلک ورم آ گیا کہ اطباء نے اتفاق رائے سے اسے ہلاکت کی علامت قرار دیا۔ مگر میں نے اس پاک مٹی سے اپنا علاج شروع کر دیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں آسانی اور سہولت کے ساتھ اس مہلک مرض سے چھٹکارا مل گیا''۔ (جذب القلوب ۲۹)

مولانا عاشق الٰہی میرمیرٹھی المتوفی ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء بیان کرتے ہیں:

"شیخ المشائخ علامہ خلیل احمد انبہٹوی کو عرب کے آدمیوں ہی سے نہیں بلکہ وہاں کی ہر چیز سے بے حد محبت تھی بالخصوص مدینہ طیبہ کی مٹی آپ کو بہت محبوب تھی۔ زائرین کو ابیار سبعہ (سات کنویں) کا پانی اور تراب مدینہ لے جانے کی ترغیب دیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان میں شفا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ مٹی کھانا نہیں۔ کیونکہ ناجائز ہے۔ ہاں لیپ وغیرہ میں استعمال کریں۔

موصوف فرماتے ہیں کہ ایک سفر حج میں میرے چچا بھی رفیق سفر تھے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر وہ مرض ماشرہ (منہ کا مہلک ورم) میں مبتلا ہو گئے۔ طبیعت نے حرکت کرنا اور ہوا لگنا سخت مضر بتایا۔ لیکن اتفاق سے قافلہ کی روانگی کا وقت آ گیا اور عم بزرگوار مصر تھے کہ قافلہ کے ساتھ ہی روانہ ہونا ہے۔ بعد میں مشکلات پیش آئیں گی۔

ڈاکٹر رفاقت علی مرحوم جو فوجی ڈاکٹر تھے۔ ان سے مناسب ادویات لے لیں لیکن ڈاکٹر صاحب نے سخت تاکید کی کہ منہ پر ہر وقت روئی لپٹی رہے اور ہوا نہ لگنے پائے ورنہ جان جانے کا خطرہ ہے۔

مولانا موصوف فرماتے ہیں۔ میں نے یہ تمام پریشان کن حالات اور اضطراب کی کیفیت شیخ المشائخ مولانا انبہٹوی کی خدمت میں عرض کیں کہ اتنا دور دراز کا سفر اونٹوں پر اور پھر بیماری کی شدت کا یہ عالم اور چچا جان مصر ہیں۔ فرمایا بھئی! اللہ کی مشیت میں کسی کو دخل نہیں اور غیب کی خبر کسی کو نہیں کہ کیا ہوتا ہے ہاں اس کا مجھے بھی فکر ہے کہ سفر میں ہوا سے بچنا بہت مشکل ہے اور تیمار داری اس سے زیادہ مشکل مگر گھبراؤ نہیں اللہ سب آسان فرمائے گا۔ فرمایا کہ آستانہ شریفہ کی مٹی لے لو اور وہ منہ پر ملو۔

مولانا موصوف کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں مٹی کہاں سے آئی۔ فرمایا روضہ شریف کے قریب قالین کے نیچے جو بھی گرد و غبار ہو ہاتھ کو مل لیجیو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ نماز ظہر سے فارغ ہو کر مٹی حاصل کی اور چچا کے چہرہ پر مل کر روئی لپیٹ دی۔ رات کو عشا کی نماز سے فارغ ہو کر جب گھر آیا تو چچا بہت مسرور پایا۔ کہنے لگے ذرا میرا منہ کھول کر دیکھو تو سہی مجھے تو یوں لگتا ہے کہ آدھا مرض ختم ہو گیا ہے نہ وہ سوزش ہے اور نہ کرب۔ اس ترابِ مدینہ نے تو اکسیر سے زیادہ کام کیا ہے۔ دوسری دفعہ اس مقدس مٹی کے استعمال سے شافی مطلق نے کلیۃً شفا عطا فرما دی"۔ (تذکرۃ الخلیل:۲۹۶،۲۹۷)

امام ابن حوقل ایک حدیث بیان کرتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مدینہ باسکینہ کا غبار جذام جیسے لاعلاج مرض کے لیے باعثِ امن وسکون ہے"۔ (کتاب صورۃ الارض:۳۱)

خصائص مدینہ

مدینہ باسکینہ کو اللہ تعالیٰ نے بے انتہا خصائص وفضائل سے نوازا ہے۔ عظمت و شان میں منفرد حیثیت کا حامل ہے اس کی بعض خصوصیات کا ایمان افروز تذکرہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ تمام اسلامی ممالک بزور شمشیر فتح ہوئے لیکن مدینہ کریمہ صرف قرآن کے ذریعہ فتح ہوا۔

۲۔ تمام اسلامی ممالک حتیٰ کہ مکۃ المکرّمہ بھی مدینہ ہی کے ذریعہ اسلام کے زیرنگیں ہوئے اور اللہ کریم نے اسے دین اسلام کا مظہر بنایا۔

۳۔ اللہ جل مجدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت و امداد کے لیے اہالیان مدینہ کو منتخب کیا۔

۴۔ سید الکونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس مقدس شہر کو قرار سکون اور دار الھجرہ بنا دیا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی سرزمین کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

الم تکن ارض الله واسعة

''یا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی''۔ (النساء:۹۷)

۶۔ اللہ کریم نے اس شہر کو محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر قرار دے کر اسے ان کی طرف بھی منسوب کیا ہے:

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق

''اللہ کریم نے اپ کو آپ کے گھر سے حق کے ساتھ نکالا''۔

۷۔ اللہ رب العزت نے اس مبارک شہر کی قسم کھائی ہے:

لا اقسم بھذ البلد

''قسم ہے اس شہر کی''۔ (انفال:۵)

ھذا البلد سے مراد مدینہ شریف ہے جسے آپ کے اقامت گزین ہونے سے مشرف کیا اور آپ کی قبر اطہر کے ذریعے سے برکتوں سے نوازا۔

۸۔ نیز فرمایا:

رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق

''اے پروردگار! مجھے داخل ہونے کی سچی جگہ میں داخل کر اور نکلنے کی سچی جگہ

سے نکال''۔ (سورہ بنی اسرائیل)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو مُدخَلَ صِدْق فرما کر مقدم کیا اور مخرج صدق سے مکہ مراد ہے جسے موخر کیا۔ اگرچہ اصولی طور پر مُخرج صِدْق کو یعنی مکہ کا ذکر مقدم ہونا چاہیے تھا کیونکہ ترتیب کے اعتبار سے بھی نکلنا داخل ہونے سے پہلے واقع ہوا تھا لیکن مدینہ منورہ کی خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا ذکر پہلے فرمایا۔

۹۔ مدینہ منورہ کی سرزمین پاک ہی میں ایک ایسا مقدس خطہ پایا جاتا ہے جس کے دنیا کی تمام جگہوں سے افضل ہونے پر علماء امت کا اجماع ہے یعنی قبر اطہر سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۰۔ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا اسے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

۱۱۔ راہ خدا میں جانِ عزیز کا ندرانہ پیش کرنے والے شہداء محفوظ خزانہ کی طرح اس سرزمین پاک میں مدفون ہیں۔ مالک مدینہ باسکینہ کی عظمت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ یہ دارالہجرۃ ہے۔ یہ دارالسنۃ ہے اور شہداء سے لبریز ہے۔

۱۲۔ فخر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہر کو حرم قرار دیا۔

۱۳۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ اطہر سے اس میں مسجد تعمیر فرمائی۔

۱۴۔ مدینہ کریمہ کو یہ شرف بھی نصیب ہے کہ اس سرزمین میں حجرۂ نبویؐ اور منبر نبوی کے درمیان جنت کا ایک باغ واقع ہے۔

۱۵۔ مدینہ منورہ ہی کی مسجد میں وہ ذی شان منبر پایا جاتا ہے جس کے پائے جنت میں ہیں۔

۱۶۔ مسجد نبوی میں نماز کا ثواب دنیا بھر کی تمام مساجد سے پچاس ہزار گناہ زیادہ ملتا ہے۔ صرف مسجد حرام کا ثواب اس سے افزوں تر ہے۔

۱۷۔ اسی مسجد کے متعلق تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اللہ اسے جہنم کی آگ، عذاب جہنم اور نفاق سے بری کر دیتا ہے۔ (الوفا، ج۱:۵۲)

۱۸۔ مسجد نبوی شریف میں تعلم و تعلیم کا خصوصی حکم صادر ہوا ہے۔

۱۹۔ انبیاء علیہ السلام کی تعمیر کردہ مساجد میں سب سے آخری مسجد مدینہ کریمہ ہی میں تعمیر ہوئی اور اس کی زیارت کے لیے سفر کا اہتمام کرنے کی اجازت بھی ہے۔

۲۰۔ مدینہ طابہ میں مشاہد و مزارات بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مالک سے پوچھا گیا کہ آپ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہونا پسند کرتے ہیں یا مکہ معظّمہ میں؟ تو انھوں نے کہا ''مدینہ منورہ''۔ میں کیوں کہ اس شہر کا کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ چلے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک کے نقوش نہ ثبت ہوئے ہوں۔

۲۱۔ آپؐ کے ارشاد کے مطابق یہ شہر ہمیشہ ہمیشہ دارالسلام رہے گا۔

۲۲۔ دنیا کے تمام اسلامی ممالک اور شہروں میں یہ شہر قیامت کے قریب سے آخر میں ویران ہوگا۔

۲۳۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ مدینہ منورہ کے علماء سے زیادہ علوم دینیہ کا ماہر دنیا میں نہیں ملے گا۔

۲۴۔ قیامت کے دن امت محمدیہؐ کے اشرف لوگوں کا حشر اسی شہر سے ہوگا۔

مزید تفصیل کے لیے وفاء الوفا، ج۱، الفصل السابع ملاحظہ ہو۔

مدینہ منورہ کا معرض وجود میں آنا
اور اس کے قدیم باشندے

مدینہ جو مقصود و مطلوبِ مومن اور روحانی و ایمانی مرکزیت کا حامل ہے۔ کس طرح اور کب معرض وجود میں آیا اسے کس نے آباد کیا اور کتنی اقوام وملل کی آماجگاہ رہا۔ یہ تاریخی حقائق اور تاریخی کوائف ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ تاریخ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر ۲۲۰۰ قبل المسیح میں معرضِ وجود میں آیا تھا کیونکہ ۲۱۸۹ ق م میں جب حضرت اسماعیلؑ شیر خوارگی کے عالم میں والدہ ماجدہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ جاتے ہیں تو قبیلہ بنو جرہم کو پہلے سے وہاں موجود پاتے ہیں اور اسی زمانہ کے قریب عمالقہ میں سے یثرب بن قانیہ نے یہ شہر آباد کیا تھا۔

عمدۃ المورخین سید شہاب الدین بن عباس احمد السمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ کشتی نوح سے اترنے والے افراد کی تعداد اسی تھی۔ بابل کے اطراف میں جس جگہ یہ لوگ آباد ہوئے اس بستی کا نام ''سوق الثمانین'' (اسی لوگوں کا بازار) مشہور ہوا۔ ان میں مختلف بہتر زبانیں بولی جاتی تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں عربی کا فہم وادراک عطا فرمایا اور وہ عربی بھی بولنے لگے۔ جب ان کی تعداد زیادہ ہوگئی تو انھوں نے نمرود بن کنعان بن حام کو اپنا بادشاہ مقرر کر دیا۔ ان ہی میں سے عاد اور عبیل تھے جو

عوص بن ارم بن سام کے بیٹے تھے۔ جب کہ عبیل کے بیٹے یثرب نے یہ شہر آباد کیا تھا''۔ (وفا الوفا، ج۱)

ابو جعفر بن حبیب ابن امیہ بن عمرو الہاشمی البغدادی المتوفی ۲۴۵ھ/ ۸۵۹ء بیان کرتے ہیں۔ کشتی نوح علیہ السلام سے اترنے کے بعد ان لوگوں نے اسی مکانات رہائش کے لیے بنا لیے پھر جب ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو انھوں نے ''بابل'' شہر آباد کر لیا جو ۹۶ مربع کلومیٹر میں تھا ان کی افزائش نسل کا سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ ایک لاکھ کی آبادی ہو گئی پھر انھوں نے نمرود بن کنعان بن سحاریب بن نمرود بن کوش بن حام بن نوح کو اپنا بادشاہ مقرر کر لیا۔ ابتداء میں ان کی زبان سریانی تھی۔ پھر ۷۲ مختلف زبانیں بولی جانے لگیں۔ اسی اثناء یں اللہ تعالیٰ نے انھیں عربی زبان کا فہم بھی نصیب فرمایا اور سب سے پہلے عاد اور عبیل نے عربی زبان میں کلام کیا۔ یہ دونوں عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اسی طرح ان قبائل میں ثمود اور جدیس جاثر بن ارم بن سام کے بیٹے، عملیق، طسم اور امیم، لوذ بن ارم بن سام کے بیٹے تھے۔

جب یہ لوگ بابل سے نکل کر متفرق مقامات پر آباد ہوئے تو بنو عاد ''شحر'' کے مقام پر قیام پذیر ہوئے جو بعد میں اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں ہلاک ہو گئے۔ بنو عبیل ''مدینہ منورہ'' کے مقام پہ آباد ہوئے۔ بنو ثمود ''الحجر'' اور اس کے گردونواع میں جا بسے۔ طسم اور جدیس ''الیمامہ'' میں اور عمالیق ''صنعا'' کے مقام پر ''بنو امیم'' مکہ مکرمہ کے قرب و جوار میں آباد ہوئے۔ بعد ازاں عمالیق بنو عبیل کو مدینہ منورہ سے بیدخل کر کے خود وہاں قابض ہو گئے۔ بنو عبیل وہاں سے نکلنے کے بعد الجحفۃ کے مقام پر آباد ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد سیلاب میں غرق ہو گئے اسی بنا پر اس مقام کا نام جحفۃ مشہور ہوا۔ (کتاب المجر، ۳۸۴: ۳۸۵)

ابو القاسم الزجاجی فرماتے ہے کہ مدینہ طیبہ میں پہلے پہل آباد ہونے والا شخص

یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوض بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تھا اور اسی کے نام کی مناسبت سے بستی کا نام یثرب مشہور ہوا۔ (وفاء الوفا، ج ۱:۱۰۹۔۱۱۰)

مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ نے بھی ''یثرب'' کا سلسلہ نسب اسی طرح بیان کیا ہے۔ (مروج الذہب، ج ۲:۱۲۷)

اور سہیل المتوفی ۵۸۱ھ فرماتے ہیں کہ نسب نامہ کے بعض اسماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بنابریں سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

یثرب بن قاین بن عبیل بن مھلایل بن عوض بن عملاق بن لاوذ بن ارم

(روض الانف، ج ۲:۱۶)

مدینہ منورہ میں آباد ہونے والی سب سے پہلی قوم ''عمالقہ'' تھی۔ جس کا اصل وطن یمن تھا۔ وہاں سے نکل کر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دوسرے علاقوں میں آباد ہوگئی تھی۔ وہ لوگ قوی ہیکل اور دیو پیکر تھے۔ شام اور شمالی حجاز کی زبردست طاقت ور اور مضبوط قوم تھی۔ جنھوں نے اپنی قوت بازو سے ان علاقوں کی ساری حکومتوں کو زیر نگیں کرلیا تھا۔

قوم عمالقہ کا سلسلہ نسب

عرب العاربہ نو قبائل پر مشتمل ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ عاد، ثمود، امیم، عبیل، طسم، جدیس، عملیق، جرہم اور دیار۔

ان اقوام وقبائل میں سے طسم اور عملیق دونوں حقیقی بھائی لاوذ بن سام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ (نہایت الادب، ج ۲:۲۹۲، جمہرۃ انساب العرب: ۴۶۲)

عملیق اور عمالقہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ جن کا تعلق قوم عاد سے تھا اور متفرق علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ عملیق بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔

(تاج العروس ج ۷:۲۵، عملق، تاریخ ابوالفداء ج ۱:۹۸، کتاب العبر ج ۲:۸۷، ۸۸)

مساکن قوم عمالقہ

قوم عمالقہ کا اصل وطن یمن اور اطراف یمن تھا۔ قرآن مجید میں اس علاقہ کو ''احقاف'' کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ یمن کے مشرقی پہلو میں واقع صحرائی ریگستان کو احقاف کہا جاتا تھا۔ جس کے جنوب میں حضر موت واقع تھا۔ تقریباً دو ہزار سال قبل المسیح یہ قوم وہاں آباد تھی۔ قوم عمالقہ عظمت و جلالت، جسمانی اور سیاسی برتری میں مشہور تھی۔ عالی شان اور خوبصورت عمارتیں بنانے میں بے حد ماہر، باغبانی اور زراعت میں بھی خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی آبادیوں کا مشرقی پہلو صحرائی اور ریگستانی تھا جب کہ مغربی و جنوبی علاقہ یمن و حضر موت کے شاداب پہاڑوں اور سبزہ زار سے معمور تھا۔ گویا کہ ایک طرف کے حالات جفاکشی اور محنت کا مزاج پروان چڑھاتے اور دوسری طرف کے حالات ان کے لیے عیش و عشرت اور لطف و نشاط کے ذرائع فراہم کرتے تھے۔

چونکہ یہ واقعات قدیم ترین تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کا قطعی ثبوت فراہم کرنا مورخین کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ علامہ ابن حزم اندلسی جیسے محقق اور شہرہ آفاق مورخین کو بھی اس تلخ حقیقت کا اقرار کرنا پڑا۔

و ھذا کله دعوی لا یدریھا الا اللہ (جمہرۃ انساب ۴۶۲)

تاہم روایات میں شدید اختلاف و اضطراب کے باوجود چند مؤرخین کے اقوال سپرد قرطاس کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں۔

سام بن نوح علیہ السلام حجاز کے وسط اور اس کے گرد و نواح میں نیز یمن حضر موت اور عمان وغیرہ میں آباد تھے۔ قوم عاد کا مسکن احقاف تھا۔ طسم اور جدیس دونوں لاوذ بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے اور یمامہ میں مقیم تھے۔ ان کے بھائی عملیق

بن لاوذ کا قبیلہ حجاز اور شام میں آباد تھا۔

فمنهم العماليق امم تفرقوا فى البلاد و منهم فراعنة مصر و الجبابرة

''ان ہی میں سے عمالیق تھے وہ متعدد قومیں تھیں جو مختلف ممالک میں منتشر ہوگئی تھیں اور ان ہی میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ تھے''۔

علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ/ ۱۴۰۵ء لکھتے ہیں:

يقال لهم انتقلوا لى جزيرة العرب من بابل لماز حمهم فيها بنو حام

''کہا جاتا ہے کہ بنو حام کی مزاحمت کی وجہ سے عمالقہ سے بھاگ کر جزیرۃ العرب میں آباد ہو گئے تھے''۔ (کتاب العبر، ج ۲:۱۹)

ان قوم عاد و العمالفة ملكوا العراق

'قوم عاد اور عمالقہ نے عراق پر بھی بادشاہی کی تھی''۔

(کتاب العبر، ج ۲:۲۹۵)

علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں:

نزلوها (الحجاز) ايام خروجهم من العراق امام النماردة من بنى حام

''بنو حام کے بادشاہ کے خوف کی وجہ سے عمالقہ عراق سے بھاگ کر حجاز میں مقیم ہو گئے تھے''۔ (کتاب العبر، ج ۲:۲۷)

قوم عمالقہ عراق سے نکلنے کے بعد حجاز میں تہامہ میں قیام پذیر ہوئی۔

(کتاب العبر ج ۲:۲۷)

احمد بن ابی یعقوب المتوفی ۲۹۲ھ/ ۹۰۵ء بیان کرتے ہیں:

''جب مصریوں نے عنانِ حکمرانی عورتوں کے ہاتھ میں دے دی تو شام کے عمالقہ بادشاہ ولید بن دومغ نے مصر پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ باقی ماندہ

اہل مصر نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور اس طرح ولید زمانہ دراز تک سلطنت کرتا رہا۔ پھر اس کے بعد عالقہ کا دوسرا بادشاہ ریان بن ولید تخت نشین ہوا جو یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر میں مصر کا فرعون تھا"۔ (تاریخ یعقوبی، ج ۱:۱۵۱)

یہ قوم زبردست طاقت ور، جابر اور دیو پیکر تھی۔ لیث کا قول ہے یہی جابر قوم ملک شام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں آباد تھی اور ابن اثیر کا کہنا ہے کہ یہ جابر قوم عاد کی بقیہ نسل تھی جو ملک شام میں اقامت گزین تھے۔ ابن الجوانی کہتے ہیں:

"عملیق ابوالعمالقہ، فراعنہ اور بابل، مصر اور شام میں مقیم تھے۔ امام سہیلی کے بقول ولید بن مصعب بن اشمیر بن لھو بن عملیق مصر کے عمالقہ بادشاہوں میں سے تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بادشاہ تھا اور الریان بن الولید بھی مصر کے عمالقہ بادشاہوں میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا"۔ (الصحاح للجوھری "عمق"، ج ۴: ۵۳۳، تاج العروس "عملق"، ج ۷: ۲۵)

عملاق مثل قرطاس کا معنی ہے لوگوں کو دھوکہ دینے والا مکار، مکر و فریب کی کہاوت سنانے والا اور عملیق جور و ظلم اور زبردستی کرنے والا۔

(تاج العروس "عملق"، ج ۷: ۲۵، لسان العرب "عملق"، ج ۱۰: ۲۷)

شاہان عمالقہ میں سے شام میں ولید بن دومغ اور بقول بعض مورخین کے ثوران بن ارشہ بن فادان بن عمرو بن عملاق مصر کے بادشاہ نے قبطی قوم کو غلام بنالیا۔ اس کے بعد مصر کے عمالقہ بادشاہوں میں سے ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں سان بن الاشل، بن عبید بن عوج بن عملیق، یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں الریان بن فوران اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ولید بن مصعب بن ابی الھون بن الھلوان تھے۔ (کتاب العبر ج ۲: ۸۲)

مدینہ منورہ میں عمالقہ کی آمد

مورخین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ ۱۶۰۰ قبل المسیح اور ۲۲۰۰ قبل المسیح کے درمیانی زمانہ میں قوم عمالقہ نے آباد کیا تھا۔ (دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۸:۵۲۹)

اگرچہ غالب خیال یہ ہے کہ ۲۲۰۰ قبل المسیح میں یہ شہر منصۂ شہود پر آیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ قوم عمالقہ کا اصل وطن یمن کا شہر صنعا تھا۔ جب ان میں متعدد زبانیں بولی جانے لگیں تو وہ مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ کچھ قبائل مکۃ المکرّمہ میں آباد ہوئے اور بہت سی قوموں کو تباہ و برباد کر کے اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ان ہی میں سے یثرب، خیبر اور گردونواح کا بادشاہ تھا۔ (تاریخ ابوالفداء ج ۱:۹۸)

بعض روایات کے مطابق قوم عمالقہ اور جرہم یمن میں آباد تھے جہاں شدید قحط میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے پانی، چارہ اور سرسبز و شاداب علاقوں کی تلاش میں تہامہ کی طرف چلے گئے۔ ان ہی کے چند خاندان "یثرب" میں آباد ہوئے تھے۔

(مروج الذہب ذکر مکہ واخبارھا، ج ۲:۴۶)

ابوالفرج الاصبہانی لکھتے ہیں:

"مدینہ منورہ میں بنی اسرائیل سے پہلے قوم عمالقہ آباد تھے جو بڑی طاقت ور اور سرکش قوم تھی۔ دور دور تک ان کی بستیاں آباد تھیں۔ چند قبائل بنوھف، بنوسعد، بنوالازرق اور بنومطروق مدینہ منورہ (یثرب) میں بھی آباد تھے۔ ان ہی میں سے "الارقم" حجاز کا بادشاہ تھا۔ عمالقہ تیماء سے فدک تک تمام سرسبز و شاداب علاقوں پر قابض تھے۔ مدینہ میں باغبانی اور زراعت ان کا پیشہ تھا"۔

(کتاب الاغانی، ج ۱۹:۹۵)

مدینہ منورہ میں بنی اسرائیل کی آمد

ابوالفرج الاصبہانی بیان کرتے ہیں:

''حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے مختلف ممالک میں آباد سرکش اور جابر و ظالم قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کے لیے فوج کشی کی تو ایک لشکر حجاز میں آباد عمالقہ کو قتل کرنے پر بھی مامور کیا اور اسے حکم دیا کہ بادشاہ سمیت تمام مرد و زن قتل کر دیے جائیں۔ چنانچہ اسرائیلی فوج نے بھرپور حملہ کر کے سب کو نیند سلا دیا مگر ایک حسین و جمیل شہزادے کو قتل نہ کیا اور طے پایا کہ اس کے متعلق جناب موسیٰ علیہ السلام جو فیصلہ کریں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن اس فوج کی واپسی سے پہلے ہی جناب موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا اور قوم نے فوج کی اس غلطی کو ناقابل معافی جرم قرار دے کر ملک میں داخلے پر پابندی لگا دی۔ بالآخر وہ لشکر حالات سے مجبور ہو کر اپنے مفتوحہ علاقوں میں لوٹ گیا اور ان میں سے ایک قبیلہ مدینہ منورہ میں بھی آباد ہوا۔

وكان ذلك الجيش اول سكنى اليهود المدينة

''اور یہ یہود کا پہلا لشکر تھا جو پہلی مرتبہ مدینہ میں آباد ہوا''۔

موصوف مزید لکھتے ہیں:

وہ لوگ زمانہ دراز تک مدینہ منورہ میں عیش و عشرت اور امن و سکون کی زندگی گزارتے رہے۔ انھوں نے کئی قلعے بنا لیے۔ جاگیریں بنائیں اور زراعت کو فروغ دیا۔ پھر جب شاہ روم نے بنی اسرائیل کی شان و شوکت کو تاخت و تاراج کر دیا یہودیوں کے ملک شام پر قبضہ کر لیا۔ بنی اسرائیل کو بیدردی سے قتل کیا اور ان کی عورتیں لونڈیاں بنا لیں تو لٹے پٹے اسرائیل کے قبائل بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو بہدل ذلیل و خوار ہو کر کسمپرسی کے عالم میں۔

هاربين منهم الیٰ من الحجاز من بنی اسرائیل

"رومیوں سے بھاگ کر حجاز میں مقیم بنی اسرائیل کے پاس جا کر پناہ لی"۔

وہاں کی سبزہ زار زمین اور لہلہاتے باغات دیکھ کر منہ میں پانی آ گیا۔ اس طرح بنو نضیر اور ان کے ہمنوا لوگ بطحان میں اور بنو قریظہ، بنو بہدل اور ان کے ساتھی مہروز میں آباد ہو گئے۔ (کتاب الاغانی، ج۱۹: ۹۵)

موصوف کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ یہودی قبائل دو مختلف زمانوں میں مدینہ منورہ میں آباد ہوئے ہیں۔ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے فوراً بعد ۱۴۰۰ ق م میں چند قبائل اور دوسری مرتبہ بخت نصر کی غارت گری کے بعد ۵۸۶ ق م میں کچھ قبائل وارد ہوئے تھے۔

اسماعیل ابوالفداء المتوفی ۷۳۲ھ/۱۳۳۲ء لکھتے ہیں:

"عمالقہ کی ایک قوم ملک شام میں آباد تھی جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد جناب یوشع علیہ السلام نے جہاد کیا۔ اسی قوم سے مصر کے فراعنہ اور یثرب، خیبر اور نواحی علاقوں کا بادشاہ بھی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ ملک حجاز کے بادشاہ اور اس کی قوم کو قتل کر کے نیست و نابود کر دو۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے عمالقہ کے ساتھ جنگ کر کے سب کو فنا کر دیا لیکن ایک شہزادے کا قتل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ تک موخر رکھا۔ جب فاتحانہ شان سے شام واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کا انتقال ہو چکا ہے اور بنی اسرائیل نے شہزادے کو قتل نہ کرنے کے جرم میں اس لشکر کو ملک بدر کر دیا۔

چنانچہ انھوں نے باہمی مشورہ سے اپنے مفتوحہ علاقوں میں واپس جانے کا

فیصلہ کرلیا۔ اس طرح بنی اسرائیل یثرب، خیبر اور حجاز کے دوسرے علاقوں میں آباد ہو گئے۔

یہودی ان شہروں میں زمانہ دراز تک آباد رہے۔ یہاں تک کہ سیل عرم کے باعث اوس وخزرج یمن سے نکل کر یثرب میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل بخت نصر کے ظلم وتشدد کے باعث یثرب میں آباد ہوئے تھے''۔ (تاریخ ابوالفداء، ج۱: ۱۹۸)

ابن خلدون نے قدرے اختصار کے ساتھ ان واقعات کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ (کتاب العبر، ج۲: ۸۸)

احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ/ ۸۹۸ء لکھتے ہیں:

''جب بخت نصر نے بیت المقدس کو تاخت وتاراج کردیا اور بنی اسرائیل میں سے بعض کو جلاوطن اور بعض پابند سلاسل کردیے تو جلاوطن بنی اسرائیل کی ایک جماعت حجاز میں وادی القریٰ، تیماء اور یثرب میں آباد ہوگئی۔ یثرب میں جرہم اور عمالیق پہلے آباد تھے جن کا پیشہ کھیتی باڑی اور باغبانی تھا۔ بنی اسرائیل بھی ان کے ساتھ رہنے سہنے لگے اور ان سے شیر وشکر ہو گئے۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھتی گئی اور جرہم وعمالیق کی طاقت کمزور ہوتی گئی۔ بالآخر انھیں بزور بازو شہر سے نکال کر بنی اسرائیل قابض ہو گئے''۔

اس روایت کے اعتبار سے یہود کا مدینہ منورہ میں آباد ہونے کا واقعہ ۵۸۶ قبل المسیح کا ہے۔ کیونکہ بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کرکے یہود کو ۵۸۶ ق م میں تباہ وبرباد کیا تھا۔

عمالقہ جیسی قوی ہیکل اور ناقابل تسخیر قوم پر بنی اسرائیل نے کیسے غلبہ حاصل کیا اس کی تفصیل ابن زبالہ عروہ بن زبیر سے اس طرح بیان کرتے ہیں:

''قوم عمالقہ مختلف شہروں میں پھیل گئی اور مکہ معظّمہ مدینہ منورہ اور حجاز کے دیگر شہروں میں سکونت اختیار کر لی۔ پھر یہ لوگ سرکشی اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے اسی اثنا میں جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون پر فتح عطا فرمائی تو انھوں نے شام پر لشکر کشی کی۔ وہاں بھی فتح و کامرانی نے آپ کی قدم بوسی کی۔ اس کے بعد حجاز میں مقیم قوم عمالقہ کی سرکوبی کے لیے بھی ایک لشکر بھیجا اور اسے حکم دیا کہ بادشاہ اور رعایا سب کو تہ تیغ کر دیں۔

چنانچہ وہاں پہنچ کر اسرائیلی فوج نے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ یہاں تک کہ عمالقہ کے بادشاہ الارقم بن الارقم کو بھی موت کی نیند سلا دیا۔ البتہ شاہی خاندان کے ایک نوجوان کی قابل رشک جوانی اور حسن و جمال کو دیکھ کر اسے قتل کرنے میں توقف کیا اور طے پایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کے متعلق مشورہ کیا جائے اگر وہ اس پری پیکر نوجوان کو قتل کرنے کا ہی حکم دیں تو قتل کر دیا جائے گا۔

جب یہ لشکر فاتحانہ شان و شکوت کے ساتھ ملک شام واپس لوٹا تو اس وقت جناب موسیٰ علیہ السلام رحلت فرما چکے تھے۔ تاہم ان کی کامرانی اور ظفر یابی کے باعث لوگ بڑی خوشی اور گرمجوشی سے ان کے استقبال کو نکلے۔ لیکن جب فوج نے اس بات کا انکشاف کیا کہ ایک جواں سال شہزادے کے قتل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر موقوف رکھا گیا ہے تو یہ سنتے ہی قوم سیخ پا ہو گئی اور سخت برہم ہو کر کہنے لگی کہ تم نے نبی کے حکم کی صریح نافرمانی کی ہے لہٰذا تمھیں اس ملک میں داخل ہونے کی اجازت ہرگز نہیں دی جائے گی۔ قوم کی ہٹ دھرمی سے مجبور ہو کر وہ لوگ حجاز کی طرف لوٹ گئے اور اپنے مفتوحہ

علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے۔

چونکہ بنی اسرائیل علم تورات سے بہرہ یاب تھے جس میں انھوں نے خاتم النبین رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دار الہجرت کے اوصاف میں یہ بھی پڑھا تھا کہ وہ سرسبز و شاداب شہر ہوگا۔ اس لیے ان کی ایک جماعت نے پہلے تیما میں قیام کیا لیکن جب اسے مذکورہ اوصاف کے مطابق نہ پایا تو کچھ لوگ وہاں مقیم رہے اور باقی خیبر میں آباد ہو گئے۔ لیکن وہاں بھی ان اوصاف کا فقدان پا کر ایک جماعت یثرب چلی گئی۔ جس کا محل وقوع تورات کی تصریحات کے مطابق سبزہ نخلستان اور حروں کے درمیان دیکھ کر یقینکر لیا کہ یہی مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دار الہجرت ہوگا۔ یہ نو وارد لوگ خاندان قریظہ اور نضیر سے تعلق رکھتے تھے جنھوں نے یثرب میں سکونت اختیار کر کے زراعت اور باغبانی کے کام کو فروغ دیا۔ بنو نضیر وادی مذنیب میں اور بنو قریظہ وادی مہروز میں آباد ہوئے"۔ (اخبار مدینہ ۱۲ تا ۱۴، روض الانف، ج ۲: ۱۶)

اوس وخزرج کی مدینہ میں آمد

اوس وخزرج کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے:

"حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امری القیس بن ثعلبہ بن مازن بن عبداللہ بن الازد بن الغوث بن نبت بن مالک ابن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان"۔

(کتاب الاغانی، ج ۱۳: ۱۰۵، جمہرۃ انساب العرب ۳۳۲، ۴۸۴)

سہیلی المتوفی ۵۰۸ھ نے بھی یہی نسب نامہ بیان کیا ہے۔ (روض الانف، ج ۱: ۱۴)

اور ابن خلدون نے اسی کو واضح قرار دیا ہے۔ (کتاب العبر ج ۲:۲۸۶)

عبدالکریم بن ابوبکر السمعانی المتوفی ۵۶۲ھ/۱۱۶۶ء لکھتے ہیں:

''اوس وخزرج اور اہل یمن کا سلسلہ نسب قحطان سے جا ملتا ہے اور وہ سب یعرب بن یشجب بن قحطان کی نسل میں سے تھے''۔ (انساب للسمعانی ردیف "ق" ۴۴۴)

اوس وخزرج کے قبائل بھی متعدد بڑے بڑے خاندانوں پر مشتمل تھے اور ہر ایک قبیلے کثیر التعداد افراد پر مبنی پانچ پانچ خاندانوں پر مشتمل تھا۔ اوس کے پانچ قبائل حسب ذیل تھے: عوف بن مالک، عمرو بن مالک اور اسی کی النبیت کہا جاتا تھا۔ مرۃ بن مالک، جشم بن مالک اور امراؤ القیس بن مالک، ان سب کی والدہ ہند تھی جو اوس کے بھائی فزرج کی بیٹی تھی۔ (جمہرۃ انساب العرب ۲۳۲)

خزرج بھی پانچ بڑے قبائل پر مشتمل تھے۔

عمرو بن الخزرج، عوف بن الخزرج، جشم بن الخزرج، کعب بن الخزرج اور الحارث بن الخزرج اور ان کی نسلیں بھی عظیم خاندانوں میں منقسم ہو چکی تھیں۔ (جمہرۃ انساب العرب ۲۳۲) جن کی تفصیل یہاں گنجائش نہیں۔ ملک یمن میں ''سد مآرب ایک عظیم الشان ڈیم تعمیر کیا گیا تھا جس سے قوم سبا کے باغات اور کھیت سیراب ہوتے اور بے پناہ پھل وغلہ کی پیداوار تھی۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ عمرو مزیقیا بن عامر بن حارثہ بن ثعلبہ بنامر القیس بن مازن بن الازد بن غوث بن مالک بن زید کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان نے بند کی دیوار میں چوہے کو سوراخ کرتے دیکھا جس پر اسے بند کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہوا اس لیے جان و مال کی حفاظت کے پیش نظر اس نے خفیہ طور پر ہجرت کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ اپنی آل اولاد کے ساتھ یمن سے چل نکلا اور قبیلہ آرزو بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ یہ لوگ عک، نجران ار پھر مکہ مکرمہ ٹیں جا کر آباد ہوئے۔ اس

وقت مکہ مکرمہ میں قوم جرہم آباد تھی۔

پھر معاش کی تنگی کے باعث ثعلبہ بن عمرو مزیقیا بن عامر اپنی اولاد حارثہ اور اس کے بیٹوں اوس وخزرج اور دیگر لوگوں کے ہمراہ یثرب میں آ گیا۔ جہاں یہود آباد تھے۔ یہ لوگ شہر کے باہر اقامت گزیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد میں افزائش بخشی اور انھیں عزت سے سرفراز کیا۔ ان کی شکوت وسطوت میں اس قدر اضافہ ہوا کہ انھوں نے اپنی قوت بازو سے یہود کو شہر سے نکال دیا اور خود قابض ہو گئے۔

(فتوح البلدان، تاریخ یعقوبی ج۱:۲۶۵، اخبار مدینہ:۱۶، کتاب الاغانی ج۳:۱۳۳، مروج الذہب ج۲:۱۷۰تا۱۷۲)

ابتداء میں اوس وخزرج مدینہ کے باہر قیام پذیر تھے لیکن وہاں بھی معاشی مشکلات سے دوچار ہوئے نہ تو ان کے قبضہ میں باغات تھے نہ زراعت نہ ہی ان کے پاس اونٹ تھے اور نہ ہی کوئی اور چیز تھی۔ وہ یہودیوں کے دستِ نگر ہو کر مظلومیت کے ساتھ گزارتے تھے۔ بالآخر مالک بن عجلان کی حکمتِ عملی اور خرد و دانش کے باعث شاہ غسان ابوجبیلہ کے ہاتھوں یہود کی بربریت اور معاشی تنگی سے نجات حاصل ہو سکی۔

(کتاب الاغانی ج۱۹:۹۵۔۹۶)

علامہ احمد بن ابی یعقوب المتوفی ۲۹۲ھ اور علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"عمرو بن عامر یا اس کی بیوی کاہن تھی اور اس نے بند کے ٹوٹنے کی پیشین گوئی کی تھی جس کے باعث انھوں نے قلبِ مکانی کا فیصلہ کیا تھا"۔

(تاریخ یعقوبی، ج۱:۲۰۳، البدایہ والنہایہ ج۲:۱۶۰۔۱۶۱)

ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقی المتوفی ۲۲۳ھ/ ۸۳۸ء نے بھی اسی طرح یہ روایت بیان کی ہے۔ (اخبار مکہ ج۱:۹۲)

ابی محمد عبدالملک بن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء مذکورہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''عمرو بن عامر اور قبیلہ ازد یمن سے نکلنے کے بعد پہلے بلاد عک میں آباد ہوئے وہاں کے باشندوں سے جنگ ہوئی نتیجتاً یہ لوگ مغلوب ہو کر مختلف شہروں کی طرف چل دیئے۔ چنانچہ آل جفنہ بن عمرو بن عامر ملک شام اوس اور خزرج یثرب میں، غزاء مرا میں، ازد السراۃ، سراہ میں اور آزو عمان، بلاد عمان میں آباد ہو گئے تھے''۔ (سیرت ابن ہشام نیز اخبار مکہ ج۱ ۹۴ میں بھی ہے روایت پائی جاتی ہے)

جدید تحقیقات کے مطابق مذکورہ ڈیم ٹوٹنے کا واقعہ ۱۵ قبل المسیح کے قریب پیش آیا تھا کیونکہ ملوکِ سبا کی ابتدا نویں صدی قبل المسیح اور انتہا ۱۵ قبل المسیح ہے۔ (ارض القرآن ج۱: ۱۸۹)

بنا بریں اوس و خزرج کا مدینہ میں ورود ۱۵ ق م کے قریب ثابت ہوتا ہے۔ جس زمانہ میں قبائل اوس و خزرج یثرب میں وارد ہوئے تو وہاں یہود کے حسب ذیل قبائل آباد تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو محم، بنو زعورا، بنو قینقاع، بنو ثعلبہ، بنو عکوہ، بنو ماعصہ، اہل زہرہ اہل زبالہ اور اہل یثرب (اخبار مدینہ ۱۷) بنو ماسلہ، بنو لقمعہ، بنو مزایہ، بنو زید اللات اور اہل یثرب جنھیں اہل العیص کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ الاخبار: ۲۱)

ابی الفرج الاصبہانی نے جن قبائل کا ذکر کیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

بنو عکوہ، بنو ثعلبہ، بنو محم، بنو عورا، بنو قینقاع، بنو زید، بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو بہدل، بنو عوف اور بنو الفصیص (کتاب الاغانی ج۱۹: ۹۵، ابن اثیر ج۱: ۵۰۲)

یثرب سے شام تک تمام سرسبز و شاداب بستیوں میں یہود آباد تھے۔ خیبر، فدک، تبوک، تیما، مدین، وادی القریٰ اور حجر وغیرہ تجارت، زرگری، مہاجنی، لین دین اور سودی کاروباران کے اہم پیشے تھے۔ (ارض القرآن ۳۱۴۔ ۳۱۵)

یہود نے یثرب میں علمی درسگاہیں بھی قائم کر رکھیں تھیں۔ جو ''بیت المدارس'' کے نام سے مشہور تھیں اوران میں توراۃ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (بخاری، ج۲:۱۰۲۷)

یہود صاحب ثروت وصاحبِ اقتدار تھے۔ مال و دولت کی فراوانی نے انھیں درندہ صفت بنادیا تھا۔شرافت واخلاق سے بے نیاز ہوکراوس وخزرج کی مظلوم عورتوں کی عزت وناموس سے کھیلنا ان کا محبوب مشغلہ تھااوراپنے اس فعل بد پرفخرمحسوس کرتے تھے۔ ان کا ایک رئیس فطیون سخت بدکاراور بدمعاش تھا۔اوس وخزرج کی کوئی دوشیزہ شبِ زفاف اس کے پاس بسر کیے بغیراپنے شوہر کے گھرنہیں جاسکتی تھی۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اوس و خزرج کے سردار مالک بن عجلان کی بہن عین شادی کے دن گھر سے بالکل ننگی ہوکر بھائی کے سامنے سے گزری۔ یہ منظر دیکھ کر مالک شرم کے مارے پانی پانی ہوگیااورغیض وغضب سے آگ بگولا ہوکر بہن کے پاس آیا۔اسے ملامت کرنے لگالیکن بہن نے جواب میں کہا کہ کل جوکچھ میرے ساتھ پیش آنے والا ہے کیااس سے بھی میری یہ حرکت زیادہ بری ہے۔

مالک بن عجلان نے بہن کا جواب سن کردل ہی دل میں فطیون کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ دوسرے روز حسب دستوراس کی بہن دلہن بن کرفطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو وہ بھی زنانہ لباس پہن کرسہیلیوں کے ساتھ اندر چلا گیااورموقع پاکرفطیون کوقتل کردیا۔

(وفاء الوفاءج۱:۱۲۶ا ۔۱۲۷کامل ابن اثیرج۱:۲۷۶)

علاوہ ازیں اوس اورخزرج کے قبضہ میں نہ کاشت کاری تھی اور نہ ہی چراگاہیں جس کی وجہ سے ان کی گزران سخت تنگ تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد مالک بن عجلان نے ایک وفد اپنے ہم نسب شاہ غسان ابوحبیلہ بن جفنہ بن عمرو بن عامر کے پاس اردن بھیجا جس نے شاہ کواپنی قوم کی معاشی زبوں حالی اور یہود کے جوروستم تم کی دلگداز داستان سنائی اوراس سے مدد طلب کی۔ بعض روایات میں ہے کہ مالک بن عجلان، فطیون یہودی کوقتل کر

کے وفد کے ساتھ خود شاہ غسان کے پاس گیا اور اسے واقعات سے آگاہ کیا تھا۔

مالک بن عجلان کی درد بھری داستان سن کر شاہ غسان نے اسے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور یہود کو نیست و نابود کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ چند دن بعد ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر شہر سے باہر جبل احد کے شمال مغرب میں "ذی حرض" کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔

ادھر یہود لشکر کی آمد کی اطلاع ملتے ہی قلعہ بند ہو گئے مگر جبیلہ نے کمال دانشمندی اور عقلمندی سے کام لیا اور یہود کو دام فریب میں پھنسانے کے لیے ایک عالیشان مکان بنوایا جس میں بے حد پر تکلف دعوت کا انتظام کیا اور اوس و خزرج کو بیش بہا قیمتی تحفے عطا کیے۔ پھر یہود کے روسا کو بھی دعوت دی۔ وہ لالچ و طمع کا شکار ہو کر شاہ غسان کے دام میں خود آ گئے۔ اس نے ایک ایک سردار کو چن چن کر قتل کیا۔ اس طرح تین سو پچاسی نامور سردار موت کے گھاٹ اتار دیے گئے جس سے یہود کی شان و شوکت خاک میں مل گئی۔

(معجم البلدان، ج ۷: ۴۲۸، وفاء الوفاء ج ۱: ۱۲۶۔۱۲۷)

بچے کھچے سرداروں کو مالک بن عجلان نے تہ تیغ کر دیا اور عام لوگ جو زندہ بچے انھوں نے مدینہ سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی اور بعض نے اوس و خزرج سے امان طلب کی اور ان کے دست نگر ہو کر مدینہ میں رہنا گوارہ کر لیا۔

اس طرح مدینہ میں اوس و خزرج کی حکومت کا سورج طلوع ہوا اور انھیں ہر لحاظ سے سکون و طمانیت نصیب ہوئی۔ یہود کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کی تعداد انتہائی کم ہو گئی۔ اب جو گردشِ ایام نے پلٹا کھایا تو ذلت و رسوائی، تباہی اور بربادی یہود کا مقدر بن گئی اور عزت و ثروت اور شکوت و توانائی اوس و خزرج کے قدم چومنے لگی۔

ان ہر دو خاندانوں نے متعدد قلعے تعمیر کر لیے اور عرصہ تک اتفاق و اتحاد اور یگانگت

کے ساتھ خوشحالی اور فارغ البالی سے لطف زندگی گزارتے رہے لیکن بعد میں وہ بھی انتشار افتراق اور خانہ جنگی کا شکار ہو گئے۔ اپنی تمام تر توانائی اور نامور سردار باہمی جنگ وجدال میں تباہ کر دیئے۔ ان کی سب سے آخری اور انتہائی تباہ کن جنگ ''بعاف'' کے نام سے مشہور ہے جس میں دونوں خاندان تباہ و برباد ہوئے۔ بالآخر جنگ سے چور چور بچے کھچے لوگ آپس میں صلح کرنے پر مجبور ہو گئے اور طے پایا کہ کسی ایک سردار کو دونوں خاندان متفقہ طور پر بادشاہ تسلیم کر کے امن و آشتی اور راحت و رافت کی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ قبیلہ عوف بن خزرج کے رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول پر دونوں قبائل متفق ہو گئے۔ اور اس کی تاج پوشی کے لیے جشن منانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ (سیرت ابن ہشام عنوان یثرب میں اسلام کا آغاز)

اوس اور خزرج میں بھی تاج پوشی کا رواج تھا اور رئیس تاج کے ساتھ کچھ پٹیاں بھی استعمال کرتا تھا جیسا کہ سعد بن عبادہ کے بیان سے واضح ہوتا ہے:

''اس شہر کے باشندوں نے فیصلہ کر لیا کہ اس (ابن ابی) کو تاج پہنا دیں اور اسے سلطنت کی پٹی باندھیں''۔ (صحیح بخاری، ج ۲: ۶۵۶ باب قولہ و تسمعن اوتوا الکتب)

ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

''یعنی رئیس کو مصعب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سر پر ایک پٹی علامت کے طور پر ہوتی تھی جو دوسرے نہیں باندھ سکتے تھے''۔ (فتح الباری، ج ۸: ۱۷۴)

عینی اس روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''پٹی باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بادشاہ ہونے کا عمامہ باندھا جائے''۔ (عمدۃ القاری، ج ۸: ۵۳۴)

اوس اور خزرج اگرچہ مشرک اور بت پرست تھے مگر یہود کے ساتھ میل جول کی وجہ سے کتب آسمانی اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے تذکرہ سے

آشنا تھے۔ یہود سے رقابت وعداوت کے باوجود ان کے علمی فضل وکمال کے قائل تھے۔ یہود کا جب کبھی اوس وخزرج سے جھگڑا ہوتا تو وہ دھمکی دیتے کہ عنقریب نبی آخرالزمان مبعوث ہونے والے ہیں پھر ہم ان کے ساتھ مل کر تمھیں قوم عاد وارم کی طرح تباہ وبرباد کر دیں گے۔ (سیرت ابن ہشام عنوان یثرب میں اسلام کی ابتداء)

زین الدین مراغی لکھتے ہیں کہ اوس اور خزرج کے درمیان ایک سوبیس سال تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ (معالم دارالھجرۃ ۲۴)

قبائل اوس وخزرج

مدینہ منورہ میں اوس وخزرج کے قبائل کی تعداد بہت زیادہ تھی جن میں سے بعض کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

اوس کے قبائل:

بنوعبدالاشہل بن جشم بن الحارث اور بنو حارثہ بن الخزرج الاصغر بن عمرو بن مالک بن اوس حرہ۔شاقیہ کی سمت مقیم تھے جہاں ان کے مکانات اور قلعے پائے جاتے تھے۔

بنوظفر جوکعب بن الخزرج الاصغر میں سے تھے بقیع کے مشرق میں آباد تھے جہاں ان کی مسجد البغلہ مشہور ہے۔ان کے قریب ہی بنوخیم زعور بن جشم آباد تھے۔

بنوعمرو بن عوف بن مالک بن الاوس قبا میں آباد تھے اور ان کی بہت سی شاخیں تھیں۔بنومعاویہ بن مالک بقیع الغرقد کے پیچھے مسجد اجابہ کے قریب آباد تھے۔امراءالقیس بن مالک بن اوس کے بیٹے واقف اور بنواسلم مسجد فضیح کے قبلہ سمت آباد تھے اور بنوسعد بن مرہ بن مالک بن اوس راتج میں آباد تھے۔ (عمدۃ الاخبار:۲۶ تا ۲۸)

خزرج کے قبائل:

بنوحارث بن خراج الاکبر وادی بطحان کے مشرق میں جبکہ حارث کے بیٹے جشم اور زید شیخ میں آباد تھے۔ بنوحطمہ وادی بطحان کے مغرب میں، بنو حدارہ بن عوف بن الحارث، جرار سعد شامی میں، بنوحدرہ بن عوف بن حارث بصہ کے قریب (بصہ کا موجودہ نام بوصہ ہے اور باب العوالی کے قریب واقع ہے) بنو عالم اور بنوغنم بن عوف بن عمر بن عوف بن الخزرج الاکبر حرہ غربیہ کی جانب مسجد جمعہ کے قریب آباد تھے۔ اس جگہ ان کا ایک قلعہ القوافل کے نام سے مشہور تھا جو مسجد بنی عطیہ کے پاس قبا میں واقع تھا۔

بنوسلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن شاردہ بن تزید، مسجد قبلتین اور اطم بن بنی حرام کے درمیان آباد تھے۔ بنوسوار بن غنم بن سلمہ مسجد قبلتین کے پاس آباد تھے اور بنوعبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ مسجد خربہ کے قریب پہاڑ کی جانب اور بنوحرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ قاع کے مقام پر آباد تھے۔ بنو دقش اور بنوعنان جو ثعلبہ بن ظریف بن الخزرج کی شاخیں تھیں۔ مسجد رایہ کے قریب آباد تھے بنو مالک بن النجار اور بنوغنم بن مالک مسجد نبوی کے مشرق میں آباد تھے۔ (عمدۃ الاخبار:۲۹ تا ۳۲)

تفصیل کے لیے عمدۃ الاخبار اور وفاء الوفا جلد اول فصل پنجم کی طرف رجوع فرمائیں۔

مہاجرین کے قبائل:

بنوغفار بن ملیل بن ضمرہ بن عبدمناف بن کنانہ، بنوغفار بن لیث بن بکر، بنوعمر بن معمر بن لیث، بنورحل بن نعیم، بنوعتوارہ بن لیث، بنوضمرۃ بن بکر، بنوالدیل بن بکر، بنو اسلم و بنو مالک جو اقصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر کی اولاد سے تھے۔ بنوامیہ، بنوسہم، بنوھذبہ بن لاطم بن عثمان بون عمرو، بنومزینہ بنوذکوان، بنواوس بن عثمان بن مزینہ، بنوعامر بن ثور

بن ثعلبہ، بنو جہینہ بن زید بن السود بن الحرث، بنو جشم بن معاویہ، بنو مالک بن حماد، بنو کعب بن عمرو اور بنو المطلق وغیرہ۔ (وفاء الوفا ج ۱: ۵۴۷)

مزید تفصیل کے لیے وفاء الوفاء جلد اول فصل ۷ ۳ اور المدینہ میں الماضی والحاضر عنوان ساحل المہاجرین ملاحظہ فرمائیں۔

دورِ حاضر کے قبائل

مدینہ کریمہ میں اس وقت حسبِ ذیل قبائل آباد ہیں:

قبیلہ مطیر، قبیلہ عتیبہ، قبیلہ جہینہ، قبیلہ بنی تمیم، قبیلہ بنی عطیہ، قبیلہ بنی شہر، قبیلہ زہران، قبیلہ عامری اور قبیلہ غامد۔ ان کے علاوہ قبیلہ حرب کی بہت سی شاخیں بھی آباد ہیں۔

(المدینہ..... الیوم: ۳۱۲)

اہالیانِ مدینہ کا قدیم مذہب

اہالیانِ مدینہ کا مذہب قدیم زمانہ میں کیا تھا؟ اس کے جواب میں تاریخ خاموش ہے۔ خیال ہے کہ وہ لوگ ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے مگر بعد میں بت پرستی کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ اوس وخزرج نے صاحبِ مذہب ہونے کی بنا پر اپنی مذہبی عبادت گاہیں بالکل جداگانہ بنا رکھی تھیں جن میں بہت سے بت موجود تھے اور سب سے قوی ہیکل مناۃ کا بت تھا۔ ان عبادت گاہوں کی نگرانی اور اہتمام ہر قبیلہ کا کوئی ممتاز اور مذہبی شخص کرتا تھا۔ جیسا کہ بنو غنم بن مالک بن نجار کے مندر کا متولی عمرو بن قیس نجاری تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۲: ۹۵)

کاہن کا عہدہ بھی تھا۔ اور ہر قبیلے میں ایک کاہن ہوتا تھا جسے حبشی زبان میں طاغوت کہا جاتا تھا۔ جابر کا بیان ہے کہ عرب کے ہر قبیلے میں کاہن ہوتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار میں بھی یہ عہدہ پایا جاتا تھا۔ (صحیح بخاری، ج ۲: ۶۵۹)

بعض لوگ صرف توحید کے قائل تھے جیسا کہ اسعد بن زوارہ اور ابوالہیثم (طبقات ابن سعد، ج ۱ عنوان اوس وخزرج میں دعوتِ اسلام) وغیرہ بعض نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ابوالحصین کے بیٹے انہی میں شامل تھے۔ (اسد الغابہ، ج ۵: ۱۷۲)

بایں ہمہ اوس وخزرج کا ہر فرد مذہب ابراہیمی کے احکام کا کچھ نہ کچھ پابند تھا جیسا کہ حج بیت اللہ، قربانی، مہمان نوازی، اشہر حرم کی عزت، فواحش کو برا سمجھنا اور جرائم پر سزا دینا یہ تمام باتیں دین ابراہیمی کا جزو تھیں اور انصار ان پر کاربند تھے۔

نماز کی ایک بگڑی ہوئی صورت بھی ان میں باقی تھی۔ چنانچہ ان کا اک شاعر ابو

قیس بن اسلت حبشیوں کی مکہ میں شکست پر فرط مسرت سے کہتا ہے۔

فقوموا فصلوا ربکم و تمخسوا

بار کان هذا البیت بیت الاخاشب

(سیرت ابن ہشام ج۱:۴۸، ترجمہ نسب ابی قیس ابن سلت)

عرب کی سرزمین میں جب عمرو بن لحی ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر الازدی نے بت پرستی کا بیج بویا تو اوس وخزرج بھی اس میں مبتلا ہو گئے کیونکہ اوس عمرو بن لحی کا بھتیجا تھا۔ (تاریخ یعقوبی، ج۱:۲۰۲)

عمرو بن لحی ملک شام میں گیا اور وہاں قوم عمالقہ کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ جب واپس ہونے لگا تو انھوں نے ''ہبل'' نامی بت تحفہ میں دیا جسے اس نے کعبۃ اللہ کے قریب نصب کیا اور اس کی عبادت کرنے لگا۔ (تاریخ یعقوبی، ج۱:۲۵۴)

اسی طرح اس نے ایک بہت بڑا بت ''مناۃ'' مدینہ منورہ سے سات میل کے فاصلے پر ''قدیدا'' میں سمندر کے ساحل سے متصل ''مشلل'' نامی ایک پہاڑی پر نصب کیا۔ اوس وخزرج اور غسان کے علاوہ ہذیل خزاعہ ازدشنوہ (اہل عمان) اور بنی کعب بھی اس کی پوجا کرتے تھے۔

علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء لکھتے ہیں:

ولم تسكن قريش بمكة و من اقام بها من العرب يعظمون شيئا من الاصنام اعظامهم العزى ثم الات ثم مناة

(معجم البلدان، ج۶:۱۶۸)

علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں:

ولم يكن احد اشد عظاماً له من الاوس والخزرج

''اوس وخزرج سے بڑھ کر کوئی قبیلہ مناۃ کی عزت نہیں کرتا تھا''۔

(معجم البلدان، ج۶:۱۶۸)

تعظیم کی وجہ ظاہر ہے اور یہ خو لفظ ''مناۃ'' کے مادہ میں موجود ہے۔ مناۃ منا سے نکلا ہے، جس کے معنی قدر یعنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ انصار اسے قضا وقدر کا حاکم سمجھتے تھے اسی وجہ سے اس کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے اور اس کی رضا جوئی کے لیے طرح طرح کی رسمیں ایجاد کر لی تھیں۔ (معجم البلدان، ج۶:۱۶۸)

اسی مقام سے احرام باندھتے، اس کی نیازیں چڑھاتے، حج سے واپس آ کر وہیں سر منڈواتے اور قربانی کرتے تھے۔ (معجم البلدان، ج۸:۱۶۸) تاہم کعبہ شریف کو اس سے برگزیدہ اور معزز سمجھتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام عرب کے بت جلد ۱)

حدیث میں ہے:

''قبیلہ ازد اور غسان کے علاوہ یثرب کے اوس وخزرج بھی آباؤ اجداد سے ''مناۃ'' کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر احرام نہیں کھولتے تھے بلکہ منیٰ سے سیدھے قدید میں آ کر ''منات'' کا طواف کرتے تھے۔ تلبیہ پڑھتے اس کے بعد احرام کھولتے تھے۔ نیز ان کا دستور تھا کہ جب ''منات'' کا تلبیہ پڑھنا ہوتا تو حج بیت اللہ کے دوران صفا اور مروہ کی سعی نہیں کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الحج باب بیان السعی بین الصفا والمروہ ج۱:۴۱۴، فتح الباری کتاب الحج باب وجوب الصفا والمروۃ، ج۳:۵۰۰)

علاوہ ازیں منات کے حج کے احرام کی حالت میں وہ لوگ مکان خیمہ یا کسی دوسری چیز کے چھت کے نیچے بیٹھنے اور رہنے سے بھی گریز کرتے تھے۔ (تاریخ یعقوبی، ج۱:۲۵۷)

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے انصار کو اسلام کی دولت سے بہرور فرمایا تو انھیں اپنی اس مشرکانہ رسم کی اصلاح کی فکر دامن گیر ہوئی۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام لانے سے پہلے ہم منات بت کے نام کا احرام باندھتے اس کا حج کرتے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے صفا اور مروہ کے طواف کو برا جانتے تھے۔ اب ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ ان کے اس استفسار پر قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

اِنَّ الصَّفَا وَالمَرْوَۃَ مِنْ شعائر اللّٰہ ۔ الایہ

(سورۃ البقرہ)

اس کے بعد انصار اسلامی اصولوں کے مطابق فریضہ حج ادا کرنے لگے اور ایک اللہ کی پرستش کرنے لگے اور منات کی پرستش سے تائب ہو گئے۔

(بخاری باب وجوب الصفا والمروۃ، ج۱: ۲۲۲، ج۲: ۷۲۱، مسلم باب بیان السعی بین الصفا والمروۃ، ج۱: ۴۱۴)

علاوہ ازیں عمرو بن جموع بن زید جو قبیلہ بنو سلمہ کا سردار اور شرفاء میں سے تھا نے منات کا بہت بڑا بت لکڑی کا بنا کر گھر میں رکھا ہوا تھا۔ جس کی عبادت کرتا اور عزت و تکریم کے ساتھ اسے خوشبو لگاتا تھا۔ (سیرت ابن ہشام عنوان بیعت عقبہ قصہ صنم عمرو بن جموع ج۲: ۹۵، البدایہ والنہایہ ج۳: ۱۶۵)

اسی طرح دوسرے لوگوں کے گھروں میں بھی مورتیاں ہوتی تھیں جن کی وہ پرستش کرتے تھے اور یہ سب کچھ ایک مستقل نظام کے ماتحت تھا۔ ایک شخص دیوتاؤں کے اہتمام و انتظام پر مقرر ہوتا تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا تو اس وقت اس عہدہ پر عمرو بن قیس فائز تھا۔ (سیرت ابن ہاشم ج۲: ۱۷۵)

تاہم بعض لوگ خدا پرستی کی طرف بھی مائل تھے۔ جس کی مختلف صورتیں اختیار کر رکھی تھیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے بت پرستی چھوڑ کر یہودی مذہب اختیار کر لیا اور یہ خیبر کے یہود اور قریظہ اور نصیر کے میل جول کا اثر تھا۔ رفتہ رفتہ اوس و خزرج میں یہودی مذہب بے حد مقبول ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب کسی عورت کے لڑکا زندہ نہ رہتا تو وہ منت مانتی کہ اگر اولاد پیدا ہوئی اور زندہ رہی تو اسے یہودی بناؤں گی۔ اس طرح انصار میں یہودی مذہب

اختیار کرنے والوں کی ایک خاصی تعداد ہوگئی تھی۔ (سنن ابوداؤد باب الاسیر یکسرہ علی الاسلاج ۹:۲)

جن میں قبائل عوف، نجار، حارث، ساعدہ، جشم، اوس اور ثعلبہ شامل تھے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲: ۱۴۹ عنوان مواعید یہود)

نیز سلسلہ بن برہام بنونجار میں سے بنوزریق سے بعید بن عاصم، بنوحارثہ سے کنانہ بن صوریا اور بنوعمرو بن عوف سے قروم بن عمروان سب قبائل کے سردار اور مشہور آدمی یہود تھے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲: ۱۴۹، عنوان مواعید یہود)

اوس وخزرج کے تمام سربرآوردہ لوگوں کے گھروں میں بت موجود تھے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲: ۹۵، قصہ صنم عمرو بن جموع)

ان کے علاوہ مندروں میں بھی بت رکھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ غنم بن مالک بن نجار کے بت خانہ میں بہت سے بت موجود تھے اور عمرو بن قیس ان کا متولی تھا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲: ۱۷۵، عنوان من اسلم من اخبار الیھود نفاقاً)

ابن اثیر اور مورخ طبری نے ہجرت حضرت علیؑ کے ضمن میں لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضٰی علیہ السلام قبا میں مقیم ایک مسلمان بیوہ عورت کے ہاں دوراتیں مقیم رہے۔ اثناء قیام میں حضرت علی علیہ السلام نے دیکھا کہ ہر رات دروازہ کھلتا ہے اور وہ عورت باہر سے کچھ لا کر اندر رکھ لیتی ہے۔ موصوف کو اس واقعہ پر حیرت ہوئی کیونکہ اس عورت کا شوہر نہ تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ رات کو دروازہ کیوں کھلتا ہے؟ عورت نے بتایا کہ میں بالکل لاوارث ہوں اس بناء پر سہل بن حنیف رات کی تاریکی میں اپنی قوم کے بت توڑتے ہیں اور خفیہ طور پر مجھے لا کر دے جاتے ہیں تاکہ میں ان کا ایندھن بنا سکوں۔

(کامل ابن اثیر باب الہجرت، ج ۱: ۴۴۴ طبری ج ۱ عناون ہجرت علی الی المدینہ اردو ۱۲۷)

ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ/۸۴۴ء بیان کرتے ہیں:

"۲۴ / رمضان المبارک ۸ ہجری کو فتح مکہ کے موقع پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں دوسرے بتوں کو نیست و نابود کر دیا وہاں اوس اور خزرج کے بت منات کو منہدم کرنے کے لیے حضرت سعد بن زید الاشہلی کو بھجا جنھوں نے منات کو ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ (طبقات ابن سعد باب فتح مکہ، ج ۱: ۴۸۵)

انصار کے نوجوان مے توحید سے سرشار بت شکنی میں مصروف تھے۔ چنانچہ قبیلہ بنو اسلم کے معاذ بن جبل، ثعلبہ بن عتمہ اور عبداللہ بن انیس اس مہم کے سرخیل تھے۔ اس طرح انھوں نے مدینہ کریمہ سے بتوں کو نیست و نابود کر کے سب کو خداوند قدوس کا پرستار بنا دیا۔

قبیلہ سعد "قراض" بت کی پرستش کرتا تھا اور ذباب بن الحارث بن عمرو بن معاویہ اس کا مجاور تھا لیکن جب انھیں سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا علم ہوا تو فوراً اسلام کے دامن رحمت میں داخل ہو گئے اور اپنے قومی معبود قراض کو چکنا چور کر کے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ اشعار پیش کرتے ہیں:

تبعت رسول اللہ اذ جاء بالھدیٰ
و خلفت قراضا بدار ھوان
"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ہدایت لائے تو میں نے آپ کا اتباع کیا۔
اور قراض کو ذلیل ترین مقام میں چھوڑ دیا"۔
شددت علیہ شدۃ فکسوتہ
کان لم یکن والدھر ذو جدثان
"میں نے اس پر ایسا بھرپور حملہ کیا کہ گویا اس کا

وجود زمانہ میں تھا ہی نہیں چکنا چور کر دیا''۔

(وفاء الوفاء، ج ۱:۲۶)

جب اسلام کا نور تاباں مدینہ باسکینہ پر شعار فگن ہوا تو کفر وشرک کے گھٹا ٹوپ بادل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹ گئے۔ طاغوتی نظریات کا جنازہ نکل گیا اور کفر کا منحوس عفریت تا ابد اس شہر سے ہزاروں میل دور بھاگ گیا۔ اب اسلام کا سدا بہار گلشن قیامت تک چمن زار رہے گا۔ کفر کی نحوست اس کے قریب بھی نہیں آ سکتی۔ حضور اقدس اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الشیاطین قد یئست ان تعبد ببلدی ھذا

''اس شہر میں شیطان اپنی عبادت کرانے سے ناامید ہو چکا ہے''۔

(کنز العمال، ج ۱۲:۲۵۳)

آپ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ایمان مدینہ منورہ سے دنیا کے گوشے کونے تک پہنچا لیکن جب ساری دنیا سے رخصت ہو جائے گا اس وقت بھی مدینہ میں ایمان اور اسلام کی بہاریں جوبن پر ہوں گی''۔ (وفاء الوفا، ج ۱:۲۷)

حضور اقدس اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو شرک سے پاک کر دیا ہے۔ اب اہالیان مدینہ کا مذہب قیامت تک اسلام ہی رہے گا۔ وہ کفر وشرک اور بدعات کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔

اہلیانِ مدینہ کے اخلاق و عادات

باشندگان مدینہ باسکینہ کے اخلاق و عادات اس قدر قابل تعریف اور لائق صد تحسین تھے کہ قرآن مجید اور احادیث طیبہ کے مقدس اوراق ان کے محاسن اخلاق کے تذکرے سے مزین ہیں۔ مہمان نوازی اور ایثار و فیاضی انصار مدینہ کے حسن اخلاق کا جزو لاینفک تھا۔ اسلام نے ان کے اخلاق کریمان کو اور بھی تابندگی سے ہمکنار کر دیا۔ وہ لوگ نرم خو منکسر المزاج، ہنس مکھ، حلیم الطبع اور خوش خلق تھے۔ ان کے اوصاف جمیلہ اور محاسن عدیلہ سے متاثر ہو کر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر ہجرت کی فضیلت اور شرف و مجد غالب نہ ہوتا تو میں انصار میں شامل ہوتا''۔ (صحیح بخاری، ج۱: ۵۳۳)

فخر کون و مکان، سرور زمین و زمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے انصار تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں''۔ (صحیح بخاری، ج۱: ۵۳۴)

محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو مکہ مکرمہ کے غریب الوطن مسلمان حب نبوی سے سرشار اور بادۂ عشق سے مخمور پروانہ وار شمع رسالت کے گرد جمع ہونے لگے۔ جنھیں اسلامی اصطلاح میں ''مہاجرین'' کہا جاتا تھا۔ وہ لوگ اپنا گھر بار، مال و متاع اور عزیز و اقارب سب کچھ چھوڑ کر تہی دست اور بے سروسامانی کی حالت میں صرف حب رسول و متاع عزیز لے کر مدینہ منورہ آئے تھے۔ جہاں شفیق و

کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنے دامن رحمت و رافت میں پناہ دی اور ان کی بود و باش خورد و نوش اور دیگر لوازمات ضروریہ کا یہ مسئلہ حل کرنے کا فوری اقدام کیا تاکہ ترک وطن کے باعث ان کے دلوں میں احساس کمتری پیدا نہ ہونے پائے نیز تلاش معاش کی فکر، کسب فیض میں خلل انداز نہ ہونے پائے۔ اگرچہ انصار بہت بڑے جاگیردار صاحب ثروت نہیں تھے مگر دل کے غنی اور اسلام کے ایسے فدائی تھے کہ جب کفار و نابکار کی ننگی تلواریں اور کھچی کمانوں سے جان بچا کر بھوکے پیاسے مہاجرین ان کے ہاں آئے تو انھیں آنکھوں پر بٹھایا اور دل میں بسایا۔ بڑے پرتپاک طریقہ سے ان کا استقبال کیا۔ ان کے ساتھ فقید المثال ایثار کا مظاہرہ کیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کی اجنبیت کو دور کرنے کی غرض سے انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتہ اخوت و مودت قائم کر دیا۔ جس سے وطن اور اہل و عیال کی مفارقت سے پیدا ہونے والی طبعی پریشانی، انصار کی الفت و موانست میں تبدیل ہوگئی۔ انصار نے فیاضی، حسن مروت، ضیافت و مہمان نوازی اور ایثار و فدائیت کا ایسا تابناک مظاہرہ کیا جس کی نظیر تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

انھوں نے مہاجر بھائیوں کو نہ صرف مہمان کی حیثیت سے خوش آمدید کہا بلکہ مال و منال زمین و جائیداد کھیتی باڑی اور اپنی ساری کائنات میں انھیں برابر کا شریک و سہیم بنا لیا اور یہ رشتہ حقیقی رشتہ سے بھی زیادہ اہم سمجھا جانے لگا حتیٰ کہ اگر کسی انصاری مسلمان کا انتقال ہو جاتا تو اس کی جائیداد اور مال اس کے حقیقی بھائی کے بجائے مہاجر بھائی کو ملتا تھا۔

(بخاری، ج ۱۲۰۱۳)

محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نور بصیرت کا یہ اعلیٰ ترین شاہکار تھا کہ مہاجرین و انصار کی وطنی اور قومی عصبیتوں کا نام و نشان مٹا کر ایک نئی قومیت اسلام کے نام

سے قائم فرمادی اور مہاجرین و انصار کے مختلف قبائل کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ انصار کی اس شیفتگی و وارفتگی، قابل رشک جذبۂ ایثار و مروت اور قابل ستائش کارہائے نمایاں دیکھ کر چشم فلک بھی حیرت زدہ تھی۔

تاریخ کا یہ ایک ایسا سنہری باب ہے جسے لوحِ محفوظ میں خالق کائنات نے رقم کیا اور انصار کو ہدیہ تبریک اور داد تحسین پیش کرنے کے لیے حضرت جبرائیلؑ امین تشریف لائے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَ ھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَو وَّ نَصَرُوْا اُولٰئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں''۔ (سورۃ انفال، ع:۱۰)

محبوب انس و جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انس بن مالکؓ کے مکان پر مہاجرین و انصار کا ایک مشترکہ اجلاس بلایا۔ جس میں ۴۵ مہاجرین اور ۴۵ انصار نے شرکت کی اور ان کے درمیان بھائی چارہ اور رشتہ اخوت قائم فرمایا۔

(طبقات ابن سعد، ج ۲: عنوان عقد مواخات)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا دو دو شخص آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سید المرسلین امام المتقین اور رسول رب العالمین، بے مثل اور بے نظیر تھے نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا بھائی بنایا۔ اپنے چچا حضرت حمزہ اور زید بن حارثہؓ میں اخوت قائم کی۔ جعفر بن ابی طالبؓ کو جن کا

لقب ذوالجناحین اور طیار تھا معاذ بن جبل کا بھائی بنایا۔ حالانکہ جعفر اس وقت تک حبشہ سے تشریف نہیں لائے تھے۔ حضرت ابوبکر کا خارجہ بن زہیر کو بھائی بنایا۔ عمر بن الخطاب اعتبان بن مالک کو بھائی بنایا۔ ابوعبیدہ بن عبداللہ بن الجراح جن کا نام عامر تھا کا سعد بن معاذ بن نعمان کے درمیان، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن الربیع، زبیر بن عوام اور سلمہ بن سلامہ بن وقش اور بعض کے نزدیک زبیر بن عوام اور عبداللہ بن مسعود کے درمیان اخوت قائم فرمائی۔ عثمان بن عفان اور ثابت بن المنذر، طلحہ بن عبداللہ اور کعب بن مالک حضرت سعد بن زید بن عمرو بن نفیل اور ابی کعب۔ مصعب بن عمیر بن ہاشم اور ابوایوب خالد بن زید، ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیع اور عباد بن بشر بن وقش، عمار بن یاسر اور حذیفہ بن الیمان لیکن بعض کے نزدیک عمار بن یاسر کو ثابت بن قیس بن شماس کا بھائی بنایا۔ ابوذر غفاری جن کا نام بریر بن جنادۃ تھا کو منذر بن عمرو ساعدی، حاطب بن ابی بلتعہ اور عویم بن ساعدہ، سلمان فارسی اور ابودرداء، بلال موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابودرویحہ، ابورویحہ کا نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخثعمی تھا کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔ (سیرۃ ابن ہشام ج۲-۱۵۰)

جرجی زیدان غیر مسلم مورخ اس تاریخ ساز معاہدہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش میں سے مہاجرین اور یثرب والوں میں سے انصار کو چند اور خاص معاہدوں کے ذریعے باہم پیوند کر دیا۔ ان معاہدوں کا نام (مواخاۃ) بھائی بندی رکھا گیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ہی استحکام کے ساتھ اس بھائی چارہ کا ان سے اقرار لیا۔ اسلامی سلطنت کا پہلا بنیادی پتھر یہی عہد مواخاۃ تھا۔ (تمدن اسلام ۱۷۰)

انصار مدینہ نے بڑی فراخدلی اور فیاضی کے ساتھ اس بھائی چارہ کو نبھایا۔ ان کا سب سے بڑا سرمایہ کھجوروں کے باغات تھے۔ اس زمانہ میں روپیہ پیسہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لیے انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بڑے ادب واحترام

کے ساتھ عرض کیا کہ ہمارے باغات مہاجر بھائیوں میں برابر تقسیم فرما دیں تا کہ راحت و آسائش سے ان کی گزران ہو سکے۔ چونکہ مہاجرین فن زراعت سے بالکل ناآشنا تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کی پیش کش قبول فرمانے سے پہلو تہی کی۔ انصار نے اس کا حل یوں پیش کیا کہ کھیتی باڑی اور محنت مشقت ہم کریں گے اور پیداوار نصف نصف کر لیں گے۔ مہاجرین نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔

(صحیح بخاری ج ۱: ۳۱۲، ۳۱۳)

۴ ہجری میں بنونضیر کو جلاوطن کر دینے پر ان کی زمینیں اور باغات مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے دریافت فرمایا کہ مہاجرین نادار اور ناتواں ہیں۔ اگر تم اس بات پر رضامند ہو تو تمھارے باغات تمھیں واپس کر دیئے جائیں اور نئے مقبوضات مہاجرین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ انصار نے بڑی دریا دلی سے عرض کیا۔ ہمارے باغات انہی کے تصرف میں رہیں اور نئے باغات بھی انھیں عنایت فرما دیں۔ (فتوح البلدان اردو ۴۴)

اگرچہ انصار کا جذبہ اخوت اور ایثار و مروت باعث صد افتخار تھا۔ لیکن مہاجرین بھی بڑے خوددار تھے۔ وہ نذر و نیاز اور صدقہ و خیرات پر قناعت کرنے کی بجائے محنت و جفا کشی سے رزق حلال حاصل کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

سعد بن الربیع کی دو بیویاں تھیں۔ انھوں نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمٰن بن عوف کو رضاکارانہ طور پر پیش کش کی کہ میں اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں اور عدت پوری ہونے پر آپ اس سے نکاح کر لیں لیکن عبدالرحمٰن بن عوف نے بڑی احسان مندی کے ساتھ انکار کرتے ہوئے فرمایا:

بارک اللہ فی اھلک و مالک

''خدا آپ کو یہ سب کچھ مبارک کرے آپ مجھے بازار کا راستہ بتا دیں''۔

(صحیح بخاری، ج۱، ۲۱، ۵۳۴)

چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف نے جب حرص وہوس کو پامال کر کے صبر وقناعت کو ترجیح دی اور بنو قینقاع کے بازار میں جا کر گھی اور پنیر کی سوداگری شروع کر دی۔ اللہ کریم نے انھیں کاروبار میں اس قدر ترقی اور برکت سے نوازا کہ ان کے پاس اتنی دولت جمع ہوگئی جو شادی کے اخراجات کو کفایت کرتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے شادی کر لی۔ (صحیح بخاری، ج۱، ۵۳۴)

اللہ کریم نے انھیں مال ودولت میں ایسی قابل رشک فراوانی عنایت فرمائی جس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''میں خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو وہ سونا بن جاتی ہے''۔

ان کے تجارتی اونٹوں کا قافلہ سات سات سو پر مشتمل ہوتا تھا اور جب سات سو اونٹ سامان تجارت لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تو سارے شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔

(اسد الغابہ ج۳، ۳۱۴، ۳۱۵)

اسی طرح دوسرے صحابہ کرام بھی کسب معاش میں مصروف رہ کر بھی شمع رسالت سے اکتساب نور کرتے رہے۔ بالآخر جب مال غنیمت کی بہتات ہوگئی اور مہاجرین کی تنگی فراخی میں، افلاس تونگری میں بدل گیا تو انھوں نے انصار کے عطیات واپس لوٹا دیے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

''فتح خیبر کے بعد جب فخر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کے عطیات یعنی باغ واپس کر دیئے''۔ (صحیح مسلم، ج۲: کتاب الجہاد)

محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے جذبہ ایثار وفیاضی کو اس طرح

پروان چڑھایا کہ یہ ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی۔ ان میں سعد بن عبادہ فیاضی میں بہت زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ ان کے ہاں معمول تھا کہ ایک آدمی ہر روز قلعہ پر چڑھ کر یہ اعلان کرتا جس آدمی کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آ کر حاصل کر لے۔

اصحابِ صفہ کی معاش کا زیادہ تر دارومدار انہی کی فیاضی پر تھا اور ہر شام کے وقت اسی آدمی گھر لے جا کر انھیں کھانا کھلاتے تھے۔ (اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن عبادہ، ج ۲:۲۷۔۲۸)

قیس بن سعد بے حد فیاض اور بہادر صحابی تھے۔ غزوات میں انصار کے وہ علمبردار ہوتے تھے۔ اور وہ اس اعزاز کو اپنی فیاضی سے برتر رکھتے تھے۔ ایک غزوہ میں قرض لے کر فوج کے کھانے کا انتظام کرتے رہے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی شریک تھے۔ دونوں بزرگوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر انھیں اس طرح خرچ کرنے سے باز نہ رکھا گیا تو اپنے باپ کا تمام سرمایہ برباد کر دیں گے۔ اس لیے انھیں روکنا چاہا۔

جب اس بات کا علم حضرت قیس کے والد گرامی قدر حضرت سعد کو ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر کہنے لگے:

''مجھے ابن قحافہ اور ابن خطاب سے کون بچائے گا؟ یہ دونوں میرے بیٹے کو بخیل بنانے کی فکر میں ہیں''۔ (اسد الغابہ ج ۴:۲۱۵، تذکرہ حضرت قیس بن سعد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا جس پر انصار نے بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ آپ نے انصار کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اپنے بھائیوں کی خاطر و مدارت اور ضیافت و مہمان نوازی کرو کیونکہ یہ لوگ شکل و صورت وضع قطع اور اسلام قبول کرنے میں تمھارے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ انھوں نے بھی کسی جبر و اکراہ کے بغیر اسلام قبول کیا ہے''۔

انصار خوشی خوشی انھیں اپنے گھروں میں لے گئے اور ان کی رہائش اور خورد و نوش کا اس قدر عمدہ انتظام کیا کہ وہ لوگ انصار کی فیاضی اور مہمان نوازی سے بے حد متاثر ہوئے۔

صبح کے وقت جب وہ لوگ خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''تمھارے بھائیوں نے تمھاری خدمت اور مہمان نوازی کیسی کی''۔ ان لوگوں نے کہا یہ تو بے حد خدمت گار اور اچھے لوگ ہیں۔ انھوں نے ہمارے لیے نرم اور عمدہ بستروں کا انتظام کیا، پر تکلف کھانا کھلایا اور رات بھر ہمیں کتاب وسنت کی تعلیم سے بہرہ یاب کیا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا۔ (مسند احمد، ج۳: ۴۳۲)

القزوینی مولود ۶۷۴ھ/ ۱۲۷۵ء کے رشحات قلم ملاحظہ ہوں:

مدینہ منورہ کی خصوصیات میں سے یہ خصوصیت یگانہ وفرزانہ ہے کہ وہاں عجیب وغریب ایمان پرور لطیف مہک پائی جاتی ہے اور اس کی مشک بار اور عنبر بیز فضا کو معطر بنا دیتی ہے اور یہ کیفیت دنیا کے کسی شہر میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اور وہاں کے باشندے پوری نوع انسانی میں سب سے زیادہ حسن اخلاق اور پاکیزہ اعمال کے مالک ہیں۔ دلوں کو موہ لینے والی ان کی شیریں کلامی اور لب ولہجہ میں ملاطفت ان کا سرمایہ افتخار ہے''۔ (آثار البلاد واخبار العباد، ۱۰۷)

علامہ فرید وجدی اہل مدینہ کے محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مدینۃ الرسولؐ کے لوگ ضیافت میں بہت اہتمام کرتے ہیں۔ زائرین کی خدمت میں فخر محسوس کرتے ہیں اور لطف یہ کہ بغیر واقفیت کے ہر آدمی کو دعوت دینے کی ہر کوئی کوشش کرتا ہے کیونکہ وہ زائرین کو حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا مہمان سمجھتے ہیں انھیں اپنے گھر لے جا کر دستر خوان بچھاتے اور کتنی ہی قسم کے کھانوں سے ضیافت کرتے ہیں اس خدمت میں اخلاص اور للّٰہیت کارفرما ہوتی ہے اور یہ سلسلہ زائرین کی مدینہ میں مدت اقامت تک جاری رہتا ہے"۔ (دائرۃ المعارف، ج ۸: ۵۳۷)

الشیخ محمد لبیب البتنونی لکھتے ہیں:

"مدینہ منورہ کی آب و ہوا بے حد صحت افزا اور اہل مدینہ کی نرم مزاجی اور لطافت طبع میں بہت ممد و معاون ہے اگر اس کے ساتھ اہل مدینہ کی عام نیکی، پرہیز گاری، حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا اضافہ کر لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ لوگ تمام عرب ممالک پر حسن اخلاق میں فوقیت کے حامل ہیں اور یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے کیونکہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسائیگی نے انہی اخلاق کریمانہ سے نوازا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے لیے مدینہ اور اہل مدینہ کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ ظاہر ہے کہ وہ اگر مکارم اخلاق کے مالک تھے پھر اسلام نے ان کے جمال کو اجمل اور کمال کو اکمل بنا دیا"۔ (رحلۃ الحجاز)

اہالیانِ مدینہ کی طرزِ معاشرت

مدینہ منورہ کے مکانات

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ واالدَّارَ وَالْاِیْمَان مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْکَانَ بِھِمْ خَصَاصَةً

''اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں۔ اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے اس کے پاس اور اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور انھیں اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں اگر چہ خود فاقہ سے ہوں''۔ (سورۂ حشر، آیت ۹، پارہ ۲۸)

جیسا کہ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ انصار باوقار نے مہاجرین کا جس خندہ پیشانی اور وسعت قلبی سے خیر مقدم کیا وہ بے حد قابل رشک اور لائق صد ستائش کارنامہ تھا۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو نہ صرف اپنے شہر میں جگہ دی بلکہ اپنے مکانوں میں آباد کیا اپنے اموال میں حصہ دار بنایا اور انتہائی عزت واحترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ ان کے اس ناقابل فراموش ایثار کی تعریف میں اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے مکانات کی ستائش وتعریف کرتے ہوئے فرمایا:

''انصار کے مکانات میں سب سے بہتر بنی نجار کے مکان ہیں۔ دوسرا درجہ بنی عبد الاشہل کے مکانات کو حاصل ہے۔ تیسرا درجہ بنی حارثہ اور چوتھا

درجہ بنی ساعدہ کے مکانات کا ہے لیکن انصار کے تمام مکانات خیر و برکت سے معمور ہیں"۔ (بخاری)

حضور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر فرقہ میں پیدا کیا۔ پھر قبائل کے انتخاب میں مجھے سب سے اچھے قبیلہ میں شمار فرمایا۔ پھر مکانات کے چناؤ میں مجھے سب سے زیادہ خیر و برکت سے معمور مکانات میں قیام نصیب فرمایا۔ چنانچہ میری ذات سب سے اعلیٰ اور میرا مکان بھی سب سے عمدہ ہے"۔ (جامع صغیر، ج ۲:۶۹)

اگر چہ انصار کا ہر ایک مکان اپنے دامن میں بے شمار تاریخی حقائق سمیٹے ہوئے ہے اور اس کے تذکرہ سے چشم پوشی تاریخی حقائق سے روگردانی کے مترادف ہے لیکن کتاب کا دامن کوتاہ اور داستان طولانی ہے اس لیے ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے انصار کے مکانات اور بعد کے ادوار میں تعمیر ہونے والے مکانات کی کیفیات پر سپرد قلم کرتے ہیں اور اس دل آویز تذکرہ کا آغاز اس مکان ذی شان سے شروع کیا جاتا ہے جو فخر کون و مکاں، سرور زمین و زماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر صدیوں پہلے تعمیر ہو چکا تھا۔

شاہ تبع کا محل

آفتاب رسالت طلوع ہونے سے سات سو برس پہلے کا ذکر ہے کہ شاہ تبع اسعد بن کرب مشرقی ممالک کو زیر نگیں کرنے کی غرض سے نکلا۔ اسی دوران اس کا گزر مدینہ منورہ سے بھی ہوا۔ جہاں مقام سفح پر اس نے قیام کیا۔ اس وقت اہالیان مدینہ کا رئیس عمرو بن طلحہ تھا، شاہ تبع یہود کو قتل اور شہر کو برباد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اہالیان مدینہ نے جنگ پر صلح کو

ترجیح دے کر قتل و غارت سے نجات حاصل کر لی۔ (روض الانف، ج ۱: ۲۴۔۲۷)

جب اہل مدینہ سے صلح کا معاہدہ طے پا گیا تو بادشاہ اپنے لڑکے کو وہاں حاکم مقرر کر کے مکہ معظّمہ پر حملہ آور ہونے کی خاطر چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد شہزادے کو قتل کر دیا گیا۔ جب بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو وہ سخت غضب ناک ہو کر لوٹا اور اہل مدینہ کا قتل عام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

بادشاہ کے اس انتہائی خطرناک ارادہ کا علم بنی قریظہ کے دو علماء سحیت اور منبہ کو ہوا تو انھوں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ناصحانہ اور ہمدردانہ مشورہ دیا کہ وہ اہل مدینہ کی ہلاکت کا مذموم ارادہ ترک کر دے اور ان کی خیر خواہی کو قبول کر لے ورنہ اندیشہ ہے کہ کسی ناگہانی آفت کا شکار ہو جائے گا۔ شاہ تبع نے دریافت کیا کہ عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ علما نے بتایا کہ مدینہ باسکینہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دار الہجرت اور دار القرار ہو گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

بادشاہ نے اس مخلصانہ مشورہ کی قدر کرتے ہوئے اپنا ارادہ بدل دیا اور علماء کرام کی علمیت و فضیلت سے متاثر ہو کر ان کا دین قبول کر لیا۔ اس طرح خاموشی کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو گیا۔ (روض الانف، ج ۱: ۲۴، ۲۷، سیرت ابن ہشام)

ایک روایت میں ہے کہ جب تبع شاہ یمن مدینہ منورہ سے گزرا تو چار سو علماء تورات اس کے ہمراہ تھے۔ علماء نے بادشاہ سے درخواست کی کہ انھیں اس سرزمین پاک میں رہ جانے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا جس پر علماء نے کہا ہم نے انبیاء علیہ السلام کے صحیفوں میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دار الہجرت یہ شہر ہو گا۔

بادشاہ نے نہ صرف انھیں وہاں قیام کی اجازت دے دی بلکہ ان سب کے لیے

مکانات تعمیر کرائے ان کے نکاح کرائے اور گزر اوقات کے لیے مال و دولت بھی عطا کیا اور حضور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت کے لیے بھی ایک عالیشان محل تعمیر کرایا اور آپ کے نام خط لکھا جس میں اپنے اسلام اور اشتیاق دیدار کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

شَهِدْتُ عَلَى اَحْمَدَ اِنَّهُ
رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰهِ بَارِئُ النسم

''میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں''۔

فلو مد عُمْرِی اِلٰی عُمْرِهٖ
لَکُنْتُ وزیرًا لَهٗ و ابن سلّم

''اگر میری عمر نے وفا کی اور ان کی آمد تک خدا نے زندگی
بخشی تو میں ان کا معین و مددگار بنوں گا''۔

وجاهدات بالسیف اعداه
وَفَرَّجْتُ عن صدره کل غَمّ

''اور ان کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور ان کے دل
سے ہر غم کو دور کر دوں گا''۔

بادشاہ نے اس خط کو سر بمہر کر کے ایک عالم کو سپرد کیا اور وصیت کی کہ اگر تم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاؤ تو میرا یہ عریضہ پیش کر دینا بصورت دیگر یہ خط اپنی اولاد کے حوالے کر کے ہی وصیت کر دینا۔

چنانچہ وہ خط نسل در نسل چلتے چلتے ابوایوب انصاری تک پہنچ گیا اور شاہ تبع کا تعمیر

کردہ محل بھی زمانہ کے نشیب و فراز سے گزرتا ہوا اور تعمیر در تعمیر کے مرحل طے کرتا ہوا ابو ایوب کے زیر تصرف آ گیا۔ چنانچہ جب خیر الخلائق سید الاولین و آخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو دونوں چیزیں آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دی گئیں۔ (وفاء الوفا، ج۱:۱۳۳)

سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ء اور حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۳ء نے بھی اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور شاہ تبع کے ایمان و تصدیق پر مبنی مذکورہ بالا اشعار بھی نقل کیے۔ (روض الانف، ج۱:۲۴۱ البدایہ والنہایہ، ج۲:۶۲)

زین الدین المراغی المتوفی ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۳ء لکھتے ہیں:

''شاہ تبع کا تعمیر کردہ محل اور سر بمہر خط علما کے نسل میں سے حضرت ابو ایوب انصاری تک پہنچ گیا چنانچہ انھوں نے دونوں چیزیں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں''۔ (معالم دار الہجرہ:۲۹)

ابوایوبؓ کا سلسلہ اس طرح ہے:

ابوایوب خالد بن کلیب بن ثعلبہ بن عوف بن کیم بن مالک بن النجار۔

(مسند امام احمد، ج۱۹:۲۹۳)

ابوایوب انصاری کے زیر تصرف مذکورہ مکان دو منزلہ تھا۔ انھوں نے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اقدس میں بالائی حصہ پیش کرنا چاہا مگر آپ نے زائرین کی سہولت اور راحت رسانی کی خاطر زیریں منزل پسند فرمائی۔ کچھ عرصہ یوں گزر گیا مگر حضرت ابوایوب کا دل ادب و احترام اور عشق نبویؐ سے لبریز تھا۔ آپ کو ہر وقت فکر دامن گیر رہتی کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے رہائش پذیر ہیں اور ہم اوپر رہتے ہیں گویا کہ ہم آقا کے سر مبارک پر چلتے پھرتے ہیں۔ بنابریں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں عاجزی وانکساری سے عرض کی کہ ہمارے ایمانی جذبات اور آپ کے ادب واحترام کا تقاضا ہے کہ آپ بالائی منزل میں اقامت گزیں ہو جائیں تا کہ سوئے ادب کا احتمال نہ رہے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا اور بالائی منزل میں راحت گزیں ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیریں حصہ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ اتفاق سے بالائی منزل میں پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ صاحب خانہ حضرت ابو ایوب کو خدشہ ہوا کہ پانی نیچے گرنے سے محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچے گی۔ اس لیے پانی جذب کرنے کے لیے فوری طور پر لحاف ڈال دیا۔ حالانکہ ان کے پاس صرف وہی ایک لحاف اوڑھنے کو تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۳:۲۰۱)

حضرت ابو ایوب کے گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا آتا تھا۔ جب آپ تناول فرما لیتے تو پس خوردہ ابو ایوب اور ان کی زوجہ محترمہ تبرکاً کھاتے تھے بلکہ غایت محبت وعقیدت کے باعث کھانے میں جہاں آپ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے وہیں وہ بھی انگلیاں ڈالتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۳:۲۰۱)

موصوف کے مکان پر سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف سات ماہ قیام فرمایا۔ اس اثناء میں ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر ہونے پر ان میں منتقل ہو گئے۔ اور حضرت ابو ایوبؓ کے وصال کے بعد وہ مکان ان کے غلام افلح کے دست تصرف میں آیا۔ جن سے مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام نے ایک ہزار دینار کے عوض خرید لیا اور اس کی اصلاح ومرمت کر کے فقراء غربا کے لیے وقف کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ۳:۲۰۱)

بعد میں ملک مظفر شہاب الدین غازی بن ملک عادل سیف الدین ابی بکر بن ایوب بن شاذی نے خرید کر وہاں چاروں فقہی مسالک کے لیے مدرسہ تعمیر کرا دیا۔

(معالم دار الہجرۃ ۳۲۰)

الشیخ عبدالدوس الانصاری لکھتے ہیں:

سلطان شہاب الدین غازی کے مدرسہ کا نام "مدرسہ الشہابیہ" تھا جو موصوف کے نام سے منسوب تھا۔ تیرھویں صدی ہجری میں اس جگہ مسجد بنا دی گئی جس کی چھت گنبد دار تھی۔ مسجد کی جنوبی دیوار میں ایک منقش پتھر پر یہ عبارت کندہ تھی:

هذا بيت ابی ايوب الانصاری موفد النبی عليه الصلواة والسلام فی ١٢٩١ھ (آثار المدینہ:۲۹)

قدیم قبائل کے محلات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ باسکینہ میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت مختلف قبائل کے وہاں نو محلات پائے جاتے تھے جنھیں ''دار'' کہا جاتا تھا۔ ہر ایک محل پوری بستی پر محیط ہوتا جس میں کھجوروں کے باغات اور زراعت کے علاوہ کثیر تعداد میں لوگ آباد ہوتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج۳،۲۰۳)

دار بنی اغنم، دار بنی بیاصہ، دار بنی دینار بن النجار، دار بنی ساعدہ، دار بنی سالم بن عوف، دار بنی عبد الاشہل، دار بنی مالک بن النجار، دار بنی الحارث بن الخزرج اور دار بنی خدرہ وغیرہ۔

بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو کشادگی اور آسائش سے نوازا تو انھوں نے بھی متعدد ''دار'' بنائے اور بعض نے دوسروں سے بھی خرید لیے جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں:

دار عبد اللہ بن عمرؓ

یہ محل مسجد نبوی کے جنوب میں واقع تھا اور دار آل عمر بن خطاب کے نام سے مشہور تھا۔ بعد میں سیدہ حفصہ کو والد گرامی قدر کی وراثت میں ملا تھا۔ جس وقت ان کا حجرہ مسجد نبوی کی توسیع میں آ گیا تو انھوں نے اس دار میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ مسجد کے جنوب میں اس دار تک زیر زمین راستہ بھی تھا جو ۸۸۸ھ میں بند ہو چکا تھا بعد کے کسی دور میں دار کو مدرسہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ الشیخ عبد القدوس الانصاری کے بیان سے

ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں اس جگہ عظیم الشان مدرسہ قائم تھا۔ (آثار المدینہ: ۳۰)

دار جعفر صادقؑ

یہ دار ابو ایوب انصاری کے دار کے جنوب میں واقع تھا۔ بعد میں ''دار نائب الحرم'' سے شہرت پذیر ہوا۔ پہلے یہ حارثہ بن النعمان الانصاری کی ملکیت تھا پھر موصوف کو منتقل ہوا۔ نویں صدی ہجری میں عمارت منہدم ہو جانے کی وجہ سے میدان سا بن گیا جسے حرم النبوی الشجاعی شاہین الجمالی نے خرید کر مکان تعمیر کر لیا۔ بالآخر ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں اوقاف مسجد کے زیر تحویل میں آ گیا۔ (آثار مدینہ: ۳۰)

دار عثمان بن عفانؓ

مسجد نبوی کے مشرق میں حضرت عثمان کے دو مکان تھے انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مقدسہ میں تعمیر کیے تھے ان میں سے ایک مکان بعد میں رباط (سرائے) کے طور پر استعمال ہوتا رہا اور موجودہ توسیع مسجد نبوی تک قائم تھا جو ''رباط عثمان'' کے نام سے مشہور تھا۔ (آثار مدینہ: ۳۰)

دار حضرت ابو بکرؓ

مسجد نبوی شریف کے مشرقی جانب دار عثمان کے شمال میں واقع تھا اسی طرح دار ریطہ دار خالد بن الولید اور دار مروان بن الحکم وغیرہ کتنے ہی دار پائے جاتے تھے۔

(آثار مدینہ: ۳۷)

مدینہ منورہ کے قلعے

عرب قوم جنگجو ہونے کی وجہ سے ہر ایک قبیلہ نے اپنا اپنا قلعہ بھی بنا رکھا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور آیا تو آپ نے فرمایا تھا:

"قلعے نہ گرائے جائیں کیونکہ یہ مدینہ منورہ کی زینت ہیں"۔

(مجمع الفوائد، ج ۱:۲۰۱)

مختلف قبائل کے تعمیر کردہ بعض قلعے حسبِ ذیل تھے:

بنوانیف کا قلعہ الاجش قبا میں واقع تھا۔ حیان بن عامر کے دو قلعے "نواحان" کے نام سے مشہور تھے۔ بنی عبید کا قلعہ بیر عذق کے قریب دار حمید بن دینا میں تھا۔ دبرہ بن ثعلبہ کا قلعہ بیر عزف اور لمقرعہ کے درمیان تھا۔ (عمدۃ الاخبار:۲۱)

شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی المتوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء بیان کرتے ہیں:

"مدینہ منورہ کے مشرق، مغرب اور جنوب میں زمین دوز سنگ خارا کے پہاڑ پائے جاتے ہیں ان ہی کو حرہ اور لابہ کہتے ہیں۔ یہ پتھر سیاہ اور نہایت سخت ہوتے ہیں۔ انھیں سے مدینہ منورہ کی عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ اونچے پہاڑ بھی قریب میں واقع ہیں۔ بالخصوص سلع مگران کے پتھر سنگ ارا کی قسم کے نہیں ہیں اور نہ ہی اتنے مضبوط ہیں۔ پتھروں کی تجارت اور گھڑائی کرنے والے انھیں زیر زمین حروں میں سے بارود کے ذریعہ توڑ کر پھر پتھروں سے ٹکڑے کر کے گدھوں اور خچروں پر لاد کر تعمیر کے مقام تک پہنچاتے ہیں۔

چھتوں میں شہتیر کے طور پر عموماً کھجور کے تنے ڈالے جاتے ہیں اور مضبوط بھی

ہوتے ہیں البتہ جو لوگ بہت زیادہ امیر ہوں وہ امیرانہ عمارت بنوانا چاہیں تو چھت میں جاوی لکڑی کے تین تین چار چار انچ موٹے شہتیر ڈالتے ہیں چونکہ جاوی لکڑی بہت گراں ہوتی ہے اس لیے عام طور پر کڑیوں میں استعمال نہیں ہوتی۔ البتہ دروازے، کھڑکیاں، طاقچے، طاق اور روشندان وغیرہ اسی لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ معمولی اور غریب لوگ مکانات کی چھتوں میں جھاؤ اور بول کی موٹی شاخیں لکڑی کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ کڑیوں پر کھجور کے ڈنٹھر (شاخیں) بچھا کر ان پر کھجوروں کے بورے بچھائے جاتے ہیں جن پر گارا ڈال کر پھر خشک مٹی ڈال دی جاتی ہے۔ (نقش حیات ۸۵)

موجودہ دور میں پختہ اینٹ مٹی کے پختہ بلاک، سیمنٹ، لوہے اور کنکریٹ سے مکانات تعمیر کیے جاتے ہیں۔ عمارتوں کی بلندی تک سامان پہنچانے کے لیے کرین استعمال ہوتے ہیں جبکہ چھت پر لینٹر ڈالنے اور کنکریٹ، ریت، سیمنٹ پانی وغیرہ کو مکس کرنے کے لیے بھی خودکار مشین استعمال کی جاتی ہے۔ جدید تعمیراتی مشینری سے تعمیر کے کام میں بے حد سہولت اور مضبوطی آ گئی ہے۔

شاہی محلات یعنی امہات المومنین کے مکانات

مدینہ کریمہ کے باشندے اپنے پرانے تمدن میں فخر اور سرور محسوس کرتے تھے۔ سادگی عربوں کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ خوراک، لباس اور رہائش ہر چیز میں سادگی کارفرما تھی پھر شاہ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاہی محلات نے اسے اور بھی تقویت پہنچائی۔ آپ نے اپنی حرم سراؤں کے لیے جو مکانات تعمیر کیے وہ سادگی کا ایسا بھی نادر الوجود نمونہ تھا۔ جن کی مثال دنیا کے سلاطین و امراء کے مکانات میں ملنے کا وہم بھی نہیں ہوسکتا۔ فخر کون ومکاں سلطان زمین زماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ دنیا کے خزانے قدموں پہ نچھاور ہو رہے ہیں مگر آپ الفقر فخری میں مست تھے۔ شہنشاہ کونین کا اعزاز حاصل ہونے کے باوجود فقر و زہد آپ کا سرمایہ افتخار تھا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حرم سراؤں کے لیے جو محلات تیار کرائے وہ کھجور کی شاخوں، پتوں اور کچی اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اللہ کا گھر تعمیر کیا۔ اس سے فارغ ہو کر سودہ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ کے مکانات بنوائے۔ بعد ازاں جب کوئی خاتون حرم نبوی میں داخل ہوتیں تو ان کے لیے علیحدہ حجرہ بنوالیا جاتا۔ اس طرح آپ کی نو ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر ہوئے۔ جن کی کیفیت محدثین اور مؤرخین کے ارشادات کی روشنی میں سپرد قلم کی جاتی ہے۔

ازواج مطہرات کے حجرے مسجد کے جنوب، مشرق اور شمال میں واقع تھے۔

حضرت عمران بن ابی انس کہتے ہیں کہ چار حجرے کچی اینٹوں کے جن کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی جبکہ پانچ حجرے صرف مٹی اور کھجور کی ٹہنیوں کے تھے۔ان کے دروازوں پر کمبل یا ٹاٹ کے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ پردے تین ذراع لمبے اور ایک ذراع چوڑے تھے۔

۵ھ/ ۶۲۶ء جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ دومتہ الجندل میں مصروف تھے تو اس دوران حضرت ام سلمیٰ نے اپنا حجرہ پکی اینٹوں سے بنوایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو پہلی نظر اسی پر پڑی۔ آپ ام سلمیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا یہ کیا ہے؟ انھوں نے بڑے ادب سے عرض کیا اس سے لوگوں کی نظروں سے پردہ پوشی ہو جائے گی۔ لیکن آپ نے فرمایا ام سلمیٰ بے شک جس بری چیز پر مسلمان کا مال خرچ ہوتا ہے وہ تعمیر مکان ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۸۴، اخبار مدینہ:۴۷)

تمام حجرات کے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے جبکہ حضرت عائشہ کے حجرہ کے دو دروازے تھے ایک مغرب کی طرف مسجد میں اور دوسرا شمال کی طرف تھا۔ حضرت عائشہ کے دروازہ کا ایک ہی کواڑ عرعر یا ساج کی لکڑی کا تھا۔ دوسرے حجروں کے کواڑ نہیں تھے۔

(اخبار مدینہ ۷۳۔۷۴)

حضرت حارثہ بن نعمان کی مسجد نبوی کی متصل کچھ جائیداد تھی۔ جو بوقت ضرورت آپ کی نذر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت فاطمہ زہرؑا سمیت تمام حجرے انہی کی اراضی پر تعمیر ہوئے۔ (طبقات ابن سعد ج۲: ۲۸۴، اخبار مدینہ ۴۷)

امہات المومنینؓ کے حجرات کی ترتیب اس طرح تھی۔ حضرت عائشہؓ کا حجرہ مسجد کے جنوب مشرق میں تھا جہاں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ اطہر جلوہ نما ہے۔ اس کے متصل جنوب کی طرف قبلہ والی دیوار کے ساتھ جناب سودہ اور جناب صفیہ

کے مکانات تھے۔ جبکہ جناب ام سلمیٰ ، جناب ام حبیبہ، جناب زینب ، جناب جویریہ، جناب میمونہ اور جناب زینب بن جحش کے مکانات شمال کی طرف واقع تھے۔ (سیرت النبی، ج ۱،۲۸۷)

یہ شاہی محلات جن میں سے ہر ایک دس ذراع (۱۵ فٹ) لمبا چھ ذراع (۹ فٹ) چوڑا تھا اور چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی بسہولت چھو لیتا تھا۔ جیسا کہ حضرت حسن بن ابی الحسن البصری بیان کرتے ہیں۔ جب میں بالغ ہونے کے قریب تھا تو اپنی والدہ خیرہؓ جو حضرت ام سلمہؓ کی کنیز تھیں کیساتھ ان حجروں میں جاتا تھا۔ میں بآسانی چھت کو چھو لیتا تھا۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۳،۲۲۰)

ان حجروں میں رات کو روشنی کرنے کے لیے چراغ تک نہیں ہوتا تھا۔

(بخاری، ج ۱،۵۶)

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا، امہات المومنینؓ کے حجروں کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حجرہ مبارکہ جو بیتِ عائشہ کے نام سے شہرت رکھتا تھا مسجد کے جنوب مشرقی کونے میں تھا۔ اس کے جنوب میں جناب حفصہ کا حجرہ تھا۔ ان دونوں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ تھا اس طرح جنوب میں محراب نبویؐ کے برابر تک مشرق میں باب النساء کی طرف اور شمال میں باب النساء اور باب الرحمۃ کے مابین منبر نبویؐ کے محاذات تک حجرے بنے ہوئے تھے۔ حجرہ عائشہؓ کے سوا کوئی بھی حجرہ مسجد کے ساتھ ملا ہوا نہیں تھا۔ (مرآۃ الحرمین، ج ۱،۴۷۲)

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا عقد جب حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ہو گیا تو انھوں نے مسجد نبوی سے کچھ فاصلہ پر مکان لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہت تھی کہ ہمارے قریب رہیں۔ اس لیے اپنے مکان میں منتقل کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا

لیکن حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا کہ حضرت حارثہ بن نعمان سے ہمارے لیے مکان کی جگہ حاصل کر لی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انھوں نے پہلے ہی ہمیں بہت زیادہ اراضی دی ہے۔ مزید طلب کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے مگر جب حضرت حارثہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ خود حاضر خدمت اقدس ہو کر عرض کرنے لگے کہ میرا مال و دولت آپ ہی کا ہے جو چیز آپ قبول فرما لیتے ہیں میرے نزدیک ترکہ میں چھوڑنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں خیر و برکت کی دعا سے نوازا اور سیدہ صدیقہ طاہرہؓ کے حجرہ کے قریب شمال میں اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کے لیے ایک قطعہ اراضی حاصل کر لیا اور اس طرح حضرت حارثہ بن نعمانؓ کی مسجد کے متصل تمام جائیداد امہات المومنین کی نذر ہو گئی۔ (طبقات ابن سعد اردو ج۴ ۲۳۲:)

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے حجرہ میں حضرت عائشہ کے حجرہ کی طرف ایک کھڑکی تھی جس سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اور ان کے اہل و عیال کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ (اخبار مدینہ: ۷۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جناب سودہؓ نے اپنی حجرہ حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا اور حضرت عائشہ سے وہ حجرہ معاویہ نے ایک لاکھ یا اسی ہزار درہم میں خرید لیا تھا لیکن حضرت عائشہ کی قابل رشک فیاضی کا کیا کہنا جنھوں اسی مجلس میں وہ خطیر رقم غرباء و مساکین میں بانٹ دی اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔ (طبقات ابن سعد اردو، ج۸: ۲۸۴)

حضرت عطا خراسانی کا بیان ہے کہ جس وقت ولید بن عبدالملک کی طرف سے امہات المومنین کے مبارک حجروں کو منہدم کر کے مسجد نبوی میں داخل کرنے کا حکم نامہ مدینہ منورہ میں پڑھا گیا میں وہاں موجود تھا۔ اس بات سے اہالیانِ مدینہ کو سخت صدمہ پہنچا اور وہ زار و قطار رونے لگے۔ ان لوگوں کا رونا اس قدر رقت انگیز اور دل دوز تھا کہ میں نے کبھی کسی

کو اتنی شدت سے روتے نہیں دیکھا۔

اس موقع پر حضرت سعید بن مسیّب کہہ رہے تھے: واللہ! میری دلی چاہت تھی کہ ان مقدس حجروں کو اپنے حال پہ چھوڑ دیا جاتا تاکہ مدینہ منورہ میں آئندہ پیدا ہونے والے اور اطراف و اکناف سے آنے والے مسلمان ان کی زیارت سے مشرف ہوتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زہد و تقویٰ اور سادگی سے عبرت حاصل کرتے اور انھیں مال کی کثرت اور باہم فخر کرنے سے نفرت ہوتی۔

حضرت عمران بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں میں نے مسجد نبوی میں چند معززین کی جماعت دیکھی جس میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوامامہ بن سہل اور خارجہ بن زید وغیرہ شامل تھے۔ وہ لوگ امہات المومنین کے مکانات گرائے جانے کے دل دوز و جگر سوز واقعہ پر آنسوؤں کی ندیاں بہا رہے تھے۔ ان کی اشک بار آنکھوں نے ڈاڑھیوں کو تر کر دیا تھا اور حضرت ابوامامہ فرما رہے تھے کاش یہ لوگ ان مکانات کو اسی حال میں چھوڑ دیتے۔ انھیں منہدم نہ کرتے آئندہ آنے والی نسلیں انھیں دیکھ کر عبرت حاصل کرتیں اور ان کے دل میں تعمیرات کی نفرت اور سادگی کا جذبہ ہوتا۔ شہ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنھیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ غنائم سے نوازا تھا ان کی زندگی کتنی سادہ اور بے تکلف تھی۔

(طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۸۵)

امہات المومنینؓ کے تمام حجرے بشمول حضرت فاطمۃ الزہرا کے حجرہ کے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے منہدم کر کے مسجد نبوی میں شامل کر دیئے تھے۔

صحابہؓ کے مکانات بھی کچے، سادہ اور بے تکلف تھے لیکن ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، قرآن مجید کی تلاوت، نماز اور عبادت کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے انوار و برکات سے معمور تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر ان مکانوں کی تعریف

فرمایا کرتے تھے۔

تیرہ سو سال کا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود مدینہ منورہ کی تمدنی ترقی میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ لوگ قدامت پسند ہونے کے باعث قدیم تمدن پر مسرور ہیں۔

جیسا کہ ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں علامہ ابراہیم رفعت پاشا مصری اور ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں الشیخ محمد لبیب البتونی کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے۔ پاشا موصوف لکھتے ہیں۔

اب بھی مدینہ منورہ کے اکثر مکانات بے ترتیب پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ چھوٹے اور تنگ کمرے ہیں۔ تعمیر میں ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ دو تین منزلہ مکان بھی ہیں۔ گلیاں بہت تنگ جو دو میٹر سے زیادہ چوڑی نہیں ہیں۔ سڑکیں صرف چار میٹر چوڑی ہیں۔ البتہ امراء اور رئیس لوگوں کے مکانات خوبصورت اور مضبوط بنے ہوئے ہیں۔ جن کے سامنے کا حصہ (پیشانی) پختہ اینٹوں سے تعمیر شدہ اور دروازے زمین سے اونچے ہیں۔

(مراۃ الحرمین، ج ۱: ۴۰۷)

غیر مسلم مورخین نے بی اس تمدنی پسماندگی کا تذکرہ کیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے:

"مدینہ کی پیداوار وہاں کے باشندوں کے لیے کافی نہ ہونے کی وجہ سے اشیائے ضرورت درآمد کی جاتی ہیں۔ مدینہ میں مکانات تراشیدہ پتھروں کے ہیں جن کے درمیان فاصلہ نہیں ہے تمام مکان جڑے ہوئے ہیں کچھ مکان دو منزلہ بھی ہیں۔ سڑکوں اور گلیوں میں پتھروں کا فرش ہے"۔ (حضارۃ العرب ۵۴۰)

مدینہ منورہ کے محلے

قدیم زمانہ میں اہالیان مدینہ اپنی آبادیوں اور محلوں کے نام اپنے ناموں پر رکھتے تھے۔ مثلاً ثعلبہ العنقا جہاں قیام پذیر تھا اس محلّہ کا نام ثعلبیہ رکھا۔ مدینہ منورہ کے اطراف میں ایک بستی کا نام روضۃ الخزرج تھا اسی طرح محلوں کے نام بھی وہاں کے باشندوں کے نام سے مشہور تھے۔ الشیخ بتنونی اپنے زمانہ کے محلوں اور سڑکوں کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مدینہ منورہ ایک وسیع میدان کے وسط میں آباد، جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ مکانات پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ انداز تعمیر مکہ مکرمہ اور جدہ سے ملتا جلتا ہے۔ البتہ ان کے کمرے بہت چھوٹے ہیں۔ موجودہ مکانات کی تعمیر تقریباً بارہ ہزار ہے۔ شہر کی سڑکیں عموماً حرم شریف کے گرداگرد خصوصاً بہت تنگ ہیں۔ صرف ایک سڑک "حارۃ اساحۃ" کشادہ ہے جو حرم کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ محلّہ سب سے بڑا ہے اور اسی میں عمدہ عمارتیں پائی جاتی ہیں۔ مدینہ کے محلے تنگ ہونے کی وجہ سے وہاں کے لوگ انھیں "زقاق" گلی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ حرم شریف کے شمال میں واقع محلے ان ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔

زقاق البقر، زقاق الخیاطین، زقاق طبس، زقاق عنبقی، زقاق سماہیدی اور زقاق الاغوان حرم کے جنوبی محلوں کے نام اس طرح ہیں: زقاق یاہو، زقاق الکبریت، زقاق القماشین، زقاق حیدر، زقاق الحجامین، زقاق مالک بن انس۔

بایں ہمہ مدینہ منورہ کے تمام محلے صاف ستھرے ہیں"۔ (رحلۃ الحجازیہ:۲۵۳۔۲۵۴)

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں مدینہ منورہ کا نظم و نسق جب شاہ عبدالعزیز آل سعود نے سنبھالا تو موصوف نے اپنے بیٹے محمد کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا جس کی پیہم کوششوں سے مدینہ کا تمدن ترقی کی راہ پر گامزن ہوا جو اس وقت اپنے عروج کو پہنچ چکا ہے اور دنیا کے متمدن ترین، خوبصورت خوشحال اور بلند پایہ شہروں میں اس کا شمار ہونے لگا ہے۔ پرانی اور کچی آبادی تقریباً ختم ہو چکی بلند و بالا اور فلک بوس عالیشان محلات معرض وجود میں آ چکے ہیں جو جدید ترین سہولیات اور نفیس، دل فریب، ڈیکوریشن سے مزین ہیں۔ گلیاں اور سڑکیں بے حد کشادہ اور خوبصورت ہیں جس کی زیبائش اور ارتقائی کیفیت کی مختصر سی جھلک الشیخ محمد صالح البلیھشی ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں پیش کرتے ہیں:

''مدینہ منورہ کی آبادی میں اس تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا کہ تھوڑے سے عرصہ کے اندر قدیم زمانہ کی قائم کردہ شہر پناہ کی حدود سے تجاوز کر کے وادیوں، حروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک پھیل گئی جس کے باعث کتنے ہی نئے محلے وجود میں آئے جن میں نہایت عمدہ اور پرشکوہ عمارتیں قابل رشک منظر پیش کر رہی ہیں اور موجودہ آبادی حسبِ ذیل محلوں پر محیط ہے۔

حی عوالی، حی باب کومہ، حی سلعہ، حی جالسیح، حی مغیسلہ، حی الشہداء، حی المناخہ، حی باب قبار، حی باب شامی، حی باب مجیدی، حی السحمان، حی سید الشہداء، حی الحرۃ الشرقیہ، حی ام ہانی، حی الجوزیات، حی الاصیغرین، حی عروہ، حی ابیار علی (ذی الحلیفہ)، حی الدویمہ، حی قباء، حی ام عشر، حی قربان، حی العصبہ، حی الزرب، حی حرۃ الغرب، حی الھبوب، حی الحلیل، حی القبلتین، حی سلطانیہ، حی المطار، حی العاقول اور نزلتہ الجبور العلیا والوسطیٰ''۔ (المدینہ الیوم: ۳۵)

مدینہ منورہ کی سڑکیں

موجودہ ترقی یافتہ دور میں مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویراً کی سڑکیں کشادہ مضبوط، دل کش اور صاف ستھری ہیں۔ جن کی خوبصورتی کو کناروں پر لگے ہوئے سرسبز و شاداب درخت دوبالا کرتے ہیں۔ جا بجا برقی ٹریفک، سگنل نصب ہیں بعض مقامات پر ٹریفک کنٹرول کے لیے ٹی وی کیمرے عجب نظارہ دکھاتے ہیں۔ ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں وزارت مواصلات نے مدینہ منورہ کی سڑکوں کی توسیع و تعمیر پر ۲۲۰ ملین ریال خرچ کیے۔ اس وقت بعض مشہور سڑکیں حسبِ ذیل ہیں:

طریق قباء، دوطرفہ سڑکیں جو ہوائی اڈہ کو جاتی ہے، طریق الاخضر دوطرفہ، طریق آبادعلی قباء دوطرفہ، طریق الجامعات، طریق المطار المدینہ دوطرفہ، طریق قباء قربانی عوالی، طریق العبون دوطرفہ، طریق سید الشہداء، طریق سید الشہداء الجامعات، طریق العوالی دو طرفہ، طریق الاعمدۃ بالحرہ الشرقیہ، طریق سید الشہداء المطار، طریق المناخہ دوطرفہ، طریق السبعہ مساجد، طریق قربان دوطرفہ، طریق قربان سد بطحان، طریق شارع ملک عبدالعزیز، طریق شارع ابی ذر، طریق شارع ابی ذر الساحہ، طریق قباء القبلتین، طریق مدینہ آبادعلی دوطرفہ۔ (المدینہ الیوم: ۲۵۴-۲۵۵)

مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کا راستہ

قدیم زمانہ میں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان مختلف راستوں سے سفر کیا

جاتا تھا۔ بعض راستے قدرِ قریب تھے مگر دشوار گزار ہونے کے علاوہ ان میں پانی کی قلت تھی جبکہ بعض کا سفر دشوار مگر پانی عام دستیاب تھا اور نسبتاً راستے لمبے بھی تھے۔ علامہ ابن خرداذ بہ ان میں سے ایک راستہ جو طریقۃ الشجر ہ کے نام سے مشہور تھا کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر الشجر ہ جو میقات اہل مدینہ بھی ہے (یے مقام ذی الحلیفہ کے متصل واقع ہے) اس سے بارہ میل کے فاصلے پر ملل ہے جہاں کنوئیں کثرت سے ہیں اس کے بعد ۱۹ میل کے فاصلے پر السیالتہ واقع ہے اس مقام پر بھی کنوئیں پائے جاتے ہیں۔ بعد میں ۳۴ میل کے فاصلہ پر الرویثہ ہے جہاں برساتی حوض پانی کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ اس سے ۳۴ میل دور السقیا ہے جہاں نہر اور باغات پائے جاتے ہیں۔ مزید ۲۹ میل دور الابقراء کا مشہور مقام پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد الجحفہ اور بحر ۸ میل دور ہے اس جگہ بھی کنویں پائے جاتے ہیں اور یہ اہل شام کی میقات بھی ہے اس سے ۲۷ میل دور القدیمہ ہے جہاں کنوئیں کثرت سے ہیں اور پھر ۲۴ میل کے فاصلے پر عسفان واقع ہے اس سے ۳۳ میل کے فاصلے پر بطن مرہ ہے جہاں چشمے اور حوض پائے جاتے ہیں اور پھر اس سے ۱۶ میل کے فاصلے پر مکہ مکرمہ ہے''۔ (المسالک الممالک: ۱۳۰)

الشیخ لبیب بتونی لکھتے ہیں:

''قدیم زمانہ میں مدینہ منورہ اور مکتہ المکرّمہ کے درمیان چار مختلف راستوں سے سفر کیا جاتا تھا جو قافلہ جس راستہ کو چاہتا اختیار کرتا۔ ان راستوں کی تفصیل اس طرح ہے۔ طریق السلطانی، طریق الفرعی، طریق الغائر اور

طریق الشرقی۔

۱۔ طریق السلطانی سفر کے لیے موزوں ہونے کے علاوہ جابجا پانی بھی دستیاب تھا۔ اس راستے میں حسب ذیل مقام پائے جاتے تھے۔ آبار علی (ذوالحلیفہ) الجدیدہ، الحمراء دیار بنی حصار، بیر شیخ، مستورہ، رابغ، القدیمہ، خلیص، عسفان اور وادی فاطمہ۔

۲۔ اطریق الفرعی، آبار علی، بیر الماشی، وادی المعظم، الغدیر، الریاض یا وادی الریان، ابوضباع یا ام ضباع، بیر رضوان اور نقر الغار کے بعد رابغ سے جاملتا تھا۔

۳۔ طریق الغابر، اس راستہ میں بھی رابغ یا مستورہ سے مکہ مکرمہ تک مذکورہ بالا مقامات پائے جاتے ہیں۔ البتہ جبل غایر سے شمال کی جانب مدینہ کا راستہ نسبتاً قریب تھا۔ اگرچہ یہ دشوار گزار تھا۔

۴۔ اطریق المشر فی مدینہ منورہ سے مشہد حمزہ الغدیر، غرابہ، الحجریہ، السویر جیبہ، سفینہ، الجیط، برکت المسلح، برکتہ سمرۃ، الحفائر، وادی اللیموں اور بیر البارود"۔

طریق الہجرہ

شاہ خالد بن عبدالعزیز نے حجاج کرام اور زائرین کی سہولت اور آرام کی خاطر مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک نئی کشادہ اور قریب ترین شاہراہ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جو موصوف کے وصال کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچا۔ قدیم شاہراہ سے مدینہ سے مکہ کا فاصلہ ۴۵۵ کلومیٹر تھا جبکہ نئی مدنی شاہراہ سے ۴۱۸ کلومیٹر کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ پرانی سڑک

صرف ۲۰ میٹر چوڑی تھی لیکن نو تعمیر شدہ سڑک تقریباً ایک سو میٹر چوڑی ہے۔ پرانی سڑک پر خطرناک قسم کے موڑ پائے جاتے تھے جبکہ نئی سڑک کے موڑ کشادہ ہونے کی وجہ سے ان شاء اللہ جان لیوا نہیں ہوں گے۔ (رحلۃ الحجازیہ: ۲۰۹ تا ۲۱۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر جو راستہ مدینہ تشریف لے جانے کے لیے اختیار فرمایا تھا سعودی حکومت نے اسی راستہ پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک عظیم ترین شاہراہ "طریق الہجرۃ" کے نام سے تعمیر کی ہے جسکا سنگ بنیاد شاہ فہد نے ۱۸ صفر ۱۴۰۵ھ، ۲ نومبر ۱۹۸۵ء بروز جمعرات وادی عقیق میں رکھا تھا۔

اس کی لمبائی ۴۱۸ کلومیٹر (یا ۴۲۰ کلومیٹر) چورائی ۵۱۶۷ میٹر دونوں سڑکوں کو تقسیم کرنے والی خالی جگہ ۲۰ میٹر چوڑی ہے۔ دورویہ یہ عظیم شاہراہ چھ لائنوں پر مشتمل ہے۔ دونوں سڑکیں ۳+ ۳ لائنوں کی ہیں۔ اس پر ۲۹ فلائی اوور پل تعمیر کیے گئے ہیں جن کے ذریعہ دونوں اطراف میں واقع شہروں اور دیہاتوں میں آمدورفت بہت ہی آسان ہے۔ اس سڑک سے کئی ذیلی سڑکیں بھی ہیں جو ۴۰ سے ۶۷ کلومیٹر تک لمبی ہیں۔

اس منصوبہ پر ۱۲ سعودی کنسٹرکشن کمپنیوں نے حصہ لیا اور تین سال کے عرصہ میں اسے مکمل کیا۔ مجموعی طور پر اخراجات ۲،۵۴۳،۰۰۰،۰۰۰ (دو ارب چون کروڑ تین لاکھ) سعودی ریال آئے ہیں۔ سڑک تعمیر کرنے کے لیے جو زمین حاصل کی گئی تھی اس کا معاوضہ ۸۰۰ ملین ریال ادا کیا گیا تھا۔ (تاریخ کعبہ، ص ۴۶۶، ابواب تاریخ المدینۃ المنورہ ص ۲۱۵، ۲۱۷)

کسی زمانہ میں مدینہ اور مکہ کے درمیان گیارہ منزلیں یعنی پڑاؤ تھے اور اونٹوں کے ذریعہ گیارہ دن رات میں یہ سفر طے ہوتا تھا مگر آج اللہ کی مہربانی سے چند گھنٹوں میں سہولت سے طے ہو جاتا ہے۔ (المدینۃ الیوم ۳۱۰)

شہر پناہ

قدیم زمانہ کے دستور کے مطابق مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے بھی چاروں طرف دیوار بنائی گئی تھی۔ پرانے زمانے میں شہر پناہ دوہری بنی ہوئی تھی یعنی داخلی اور خارجی۔ ۲۶۳ھ/ ۸۷۷ء میں پہلی مرتبہ محمد اسحاق الجعدی نے حفاظتی بستہ تعمیر کرایا تا کہ بدوؤں اور ڈاکوؤں کے حملوں سے حفاظت ہو سکے۔ اس میں چار دروازے رکھے گئے مشرق میں بقیع الغرقد جانے کے لیے، مغرب میں وادی عقیق اور قباء کی طرف، تیسرا شمال میں اور چوتھا شمال مغرب میں واقع تھا۔ ۳۷۲ھ/۹۸۲ء میں عضد الدولہ بن بویہ جو الطلائع اللہ کا وزیر تھا نے اس کی تجدید کرائی۔ کیونکہ پہلی دیوار امتداد زمانہ کے باعث جگہ جگہ سے منہدم ہو چکی تھی۔ البتہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پرانی دیوار ہی کی جگہ نئی دیوار بنائی گئی یا اسے نئی جگہ پر تعمیر کیا گیا۔ ۵۴۰ھ/ ۱۱۴۵ء میں محمد بن ابی المنصور المعروف الجواد الاصبہانی وزیر صاحب موصل نے تجدید کرائی۔ جب مدینہ باسکینہ کی آبادی اس سے تجاوز کر گئی تو نئی آبادی کی حفاظت کی خاطر سلطان عادل نور الدین محمود بن زنگی نے ۵۵۸ھ/۱۱۶۳ء کو دوسری شہر پناہ تعمیر کرائی جو باب السلام سے ۴۶۵ ذراع اور باب جبرائیل سے ۴۳۳ ذراع کے فاصلہ پر تھی۔

۷۵۵ھ/۱۳۹۷ء میں ملک صالح بن ملک الناصر محمد بن قلادون نے ۸۸۱ھ/ ۱۱۷۶ء میں قایتبائی نے تجدید کرائی۔ ۹۳۹ھ/ ۱۵۳۲ء میں سلطان سلیمان بن سلطان سلیم نے داخلی شہر پناہ کی تجدید کرائی جس کی تکمیل ۹۴۶ھ/ ۱۵۳۹ء میں ہوئی۔ دیوار کی مجموعی لمبائی ۲۷۰۳ ذراع تھی (تقریباً ۵۶۰۸ فٹ) جبکہ تعمیر پر ایک لاکھ دینار صرف ہوئے تھے۔

داخلی شہر پناہ میں پانچ دروازے تھے۔ بقیع کی طرف جانے والا دروازہ باب البقیع یا باب الجمع کے نام سے مشہور تھا۔ اس دروازے پر پیتل کے حروف میں یہ عبارت کنندہ تھی:

جدده السلطان سليمان سنة ۹۴۵ه والسلطان محمد خان بن ابراهيم خان ۱۰۷۸ه

۱۰۶۲ھ/۱۶۵۲ء میں سلطان محمود نے اسے تعمیر کرایا اور مذکورہ دروازہ کے شمال میں نیا دروازہ ''باب الجیدی'' کے نام سے بنوایا۔ شمال مغرب میں جبل سلع کے مقابل باب الشامی اور اس کے مغرب میں باب الصغیر، جنوب میں القلعہ غربی، پھر باب المصری تھا یہ دروازہ محمد علی پاشا نے جنگ کے بعد بنوایا تھا۔

۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں سلطان عبدالعزیز نے شہر پناہ کی از سر نو تعمیر کرائی اور اسے ۲۵ میٹر اونچا بنوایا۔ اس میں چالیس برج دفاع اور جنگی اغراض کے لیے بنوائے۔ اس میں بھی پانچ دروازے رکھے گئے جن کے نام یہ تھے:

بقیع کی جانب دو دروازے باب العوالی اور باب الکومہ، جنوب میں باب السدیا، باب القبا، مغرب میں باب الغبر یہ جسے باب الحمیدی بھی کہا جاتا تھا۔ کیونکہ سلطان عبدالحمید نے اس کی تجدید کرائی تھی۔ اس سمت شہر پناہ میں ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں بھی اضافہ ہوا تھا شہر پناہ کی دیوار کچی اینٹوں اور مٹی گارے سے بے حد مضبوط بنائی گئی تھی۔

(مراۃ الحرمین، ج۱: ۴۱۰ تا ۴۱۳)

لیکن جب سعودی خاندان کی حکومت قائم ہوئی ملکی امن و امان کا استحکام نصیب ہوا۔ رہزنی اور غارت گری سے لوگوں کا جان و مال محفوظ ہو گیا تو پھر شہر پناہ کی ضرورت ہی نہ رہی جو از خود رفتہ رفتہ ختم ہو گئی۔ (آثار مدینہ: ۱۴۳)

مدینہ منورہ کے ہوٹل

مدینہ منورہ میں اس وقت متعدد ہوٹل معرض وجود میں آ چکے ہیں جن میں طعام اور قیام کا انتہائی اعلیٰ قسم کا انتظام پایا جاتا ہے ہر ملک کے مزاج کے مطابق کھانے اور ہر طرح کی سہولتیں میسر ہیں۔ ۱۴۰۱ھ/1981ء میں حسب ذیل ریسٹوران پائے جاتے ہیں۔

(۱) باب مجیدی میں فندق قصر المدینہ (۲) قصر الانوار (۳) فندق و بہاؤ الدین (۴) فندق مکہ (۵) اور فندق الخلیج العربی (۶) سنبلیہ میں فندق التیسیر و (۷) فندق قصر الحجاز (۸) فندق الزہرا (۹) فندق الصفا شارع ملک عبدالعزیز (۱۰) فندق السرور (۱۱) فندق الزہور (۱۲) فندق السعادۃ (۱۳) فندق البو خالد (۱۴) فندق الوفاء (۱۵) فندق قصر الروضۃ (۱۶) فندق دار الہجرۃ (۱۷) فندق شیراتون المدینہ منطقہ سلطانیہ میں (۱۸) فندق الحرم، ساجد میں (۱۹) فندق قصر الانصار، شارع السحیمی پر (۲۰) فندق الجزیرہ، شارع ابی ذر پر (۲۱) فندق بافقیہ شارع ابی ذر پر (۲۲) فندق الحرمین، درویشیہ میں (۲۳) فندق استراحہ، شارع رومہ پر (۲۴) فندق الضیافۃ العامہ (۲۵) فندق عبدالعزیز فو قیر (۲۶) فندق غسان یہ تینوں شارع ابی ذر پر واقع ہیں (۲۷) فندق السعد محلّہ رومیہ میں (۲۸) فندق اسالم اور (۲۹) فندق قصر طیبہ باب العودی میں۔ (المدینہ الیوم: ۳۴۰)

ناپ تول کے پیمانے

مکہ معظّمہ کے لوگ تجارت پیشہ اور مدینہ کریمہ کے باشندے زراعت پیشہ تھے۔ اس لیے معاملات میں دونوں شہروں میں ایک نمایاں فرق پایا جاتا تھا کہ مکہ معظّمہ میں وزن کے پیمانوں کا استعمال عام تھا۔ جبکہ مدینہ منورہ میں ناپ یعنی مکیال کا رواج عام تھا۔ پیمانوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کا اختلاف بھی موجود تھا۔ اس اختلاف کو ختم کرنے کی خاطر محسن انسانت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل میدنہ کے مکیال کو اصل اور معیار قرار دیا اور میزان یعنی تول کے لیے مکہ معظّمہ کے پیمانہ کو اصل اور بنیاد گردانا۔

اہل مدینہ کے ناپ کے اہم پیمانے مد، صاع اور وسق تھے۔ مد و چلو غلہ یا پانی کی مقدار کے برابر تھا۔ اور چلو متوسط آدمی کے ہاتھ کے بقدر طے پایا۔ چار مد کا ایک صاع اور ۶۰ صاع کا ایک وسق شمار ہوتا تھا۔

صاع اور مد کی مقدار کے متعلق مختلف اقوال میں توازن پیدا کرنے کے بعد حسبِ ذیل صورت قریب تر سمجھی گئی ہے۔ ایک مد مساوی ہے ۵۴۴ گرام وزن گیہوں کے یا ۸۱۶ گرام پانی کے اور ایک صاع مساوی ہے ۲۱۷۶ گرام گیہوں کے یا ۳۲۶۴ گرام پانی کے۔

درہم سکہ کے طور پر ۴/۱ تولہ چاندی کی قیمت کا تھا اور وزن کے لحاظ سے پیمانہ بھی تھا جو ۲.۹۷ گرام یعنی ۴/۱ تولہ وزن رکھتا تھا۔ سکہ کے طور پر دینار کے ساتھ اور وزن کے طور پر اوقیہ اور رطل کے ساتھ شمار ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں درہم میں ۶ دانق اور ۱۲ قیراط مانے جاتے ہیں۔ (جزیرۃ العرب ندوی، ۲۰۲۔۲۰۳)

موجودہ دور میں عالمی منڈیوں کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لیے مدینہ منورہ سمیت تمام سعودی عرب میں وزن کے لیے کلوگرام اور ناپ کے لیے کلومیٹر استعمال ہوتا ہے جبکہ سکہ صرف ریال اور قرش کی صورت میں گردش میں ہے۔ ریال کا نوٹ ایک سے لے کر ایک ہزار تک کا ہے اور ہلالہ، قرش اور ایک ریال کا سکہ غالباً المونیم کا بھی پایا جاتا ہے۔

لباس

قدیم تہذیب کے مطابق آج بھی عربوں کا لباس باوقار، باعزت ،عفت و عصمت کا محافظ، لمبا، ڈھیلا ڈھالا تنگ و چست اور جدید فیشن سے مبرا ہے۔ عرب اور بالخصوص اہل مدینہ اپنی اس تہذیب کے سخت پابند ہیں۔ سفید لباس کو زیادہ اہمیت اور فوقیت حاصل ہے۔ کپڑے کی اقسام اور قیمت تغیر پذیر چیزیں ہیں۔ مغربی لباس کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کی قمیص ٹخنوں تک لمبی ہوتی ہیں۔ مرد اس کے نیچے نیکر یا پاجامہ اور عورتیں پاجامہ پہنتی ہیں۔ مرد دھاگے کی بنی ہوئی ٹوپی اور مختلف رنگ کا رومال پہنتے ہیں اور عورتیں دوپٹہ اور برقعہ استعمال کرتی ہیں۔ عرب عورت پردہ کی سخت پابند ہے۔ مدینہ کے بازاروں میں شہر کی کوئی عرب عورت برقعہ کے بغیر ہرگز نہیں جاتی۔

شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی المتوفی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء لکھتے ہیں:

''اہل مدینہ نہایت خوش پوشاک اور خوش خوراک ہوتے ہیں مگر ان کے ہاں دھوبیوں کا دستور نہیں۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں کپڑے دھوتے ہیں۔ متوسط طبقہ اور غریب طبقہ والوں کی بیویاں دھوتی ہیں اور بڑے طبقہ والوں کی باندیاں دھوتی ہیں۔ عموماً گھروں میں استری کا کلف کا سامان پایا جاتا ہے۔ (نقش حیات:۷۲)

موجودہ دور میں ہر ایک چیز ترقی کر چکی ہے ڈرائی کلینگ کی متعدد دکانیں موجود ہیں اور تقریباً ہر گھر میں عمدہ قسم کی واشنگ مشینیں پائی جاتی ہیں۔ جو کپڑے دھونے نچوڑنے

اور خشک کرنے کے تمام کام کرتی ہیں۔

عربوں کے قومی لباس کی تعریف غیر مسلم مؤرخ بھی کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

چنانچہ پروفیسر قلپ کے حتی لکھتا ہے:

''مردوں کے لباس کی وضع وقطع بدلتی رہتی ہے لیکن اس وقت سے آج تک اس میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔ ان کی پوشاک عام طور پر پاجامہ، قمیص، عبا، صدری اور جبہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ (عرب اور اسلام ۱۱۸)

زبان

تاریخی روایات اور مورخین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندوں کی زبان ابتداء ہی سے عربی تھی اس کے علاوہ کوئی دوسری زبان وہاں نہیں بولی گئی۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ سفینہ نوح علیہ السلام سے اترنے والے اسی افراد بابل کے اطراف میں آباد ہوئے تھے۔ تعداد کی مناسبت سے ان کی بستی کا نام ''سوق الثمانین'' مشہور ہوا۔ ان میں ۷۲ زبانیں بولی جاتی تھیں۔ پھر اللہ نے انھیں عربی بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی اور وہ عربی میں گفتگو کرنے لگے۔ عرصہ دراز کے بعد جب وہ لوگ منتشر ہو کر مختلف مقامات پر آباد ہوئے تو ان میں سے یثرب بن عبیل اور اس کی اولاد پہلے جحفہ میں اور پھر اس مقام پر آباد ہوئے۔ اور یثرب ہی کے نام سے بستی کا نام یثرب شہرت پذیر ہوا۔ (وفاء الوفا، ج۱:۱۰۹)

علاوہ ازیں عربی زبان قدیم ہونے کے تاریخی شواہد بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ امام جمال الدین محمد بن مکرم المتوفی ۷۱۱ھ/۱۳۹۹ء لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں کا قول ہے کہ اہالیانِ یمن کے جدامجد یعرب بن قحطان نے سب سے پہلے عربی میں گفتگو کی اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی عربی زبان کی قدامت ثابت ہوتی ہے کہ پانچ نبی عربی اللسان ہوئے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت اسماعیلؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت ہودؑ۔

(لسان العرب، ج۱: لفظ عرب)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعد کے زمانہ میں لکھنے، پڑھنے اور بولنے میں خالص عربی زبان استعمال ہوتی تھی جسے قرآن مجید کی اصطلاع میں ''عَرَبِی مُّبِین'' کہا جاتا ہے لیکن مدینہ منورہ میں مقیم مختلف زبانیں بولنے والے بیسوں ممالک کے لوگوں کے اختلاط نے عربی زبان کو اصلی صورت میں نہ رہنے دیا۔ عام لوگوں کی زبان ''عربی عامیہ'' ہے اگرچہ اب بھی تعلیم وتعلم، نشر واشاعت اور سرکاری زبان ''عربی فصیحہ'' ہی ہے۔ عربی عامیہ اعلاط کا مجموعہ ہے جسے عربی قواعد سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بایں ہمہ عربوں کا لب ولہجہ اور بالخصوص مدینہ باسکینہ کے کریم النفس باشندوں کا طرزِ تکلم دل موہ لینے اور مسحور کر دینے والا ہے۔ ان کی شیریں کلامی سے پھول برستے ہیں۔ ان کے کلام کی چاشنی اور ملاطفت ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔

پروفیسر فلپ کے حتی لکھتا ہے:

''عربوں کے یہاں ادبی اسلوبِ بیان کی جو والہانہ قدر ومنزلت پائی جاتی ہے ویسی دنیا کی کسی قوم میں نظر نہیں آتی اور نہ دنیا کی کسی قوم کا دل و دماغ قوتِ الفاظ سے چاہے وہ تحریری ہوں یا تقریری عربوں کے دل ودماغ کی طرح اثر پذیر ہو سکتا ہے۔ عربی زبان میں اپنے بولنے والوں کی ذہنی قوتوں پر جتنی شدت کے ساتھ اثر انداز ہونے کی خصوصیت پائی جاتی ہے دنیا کی کسی اور زبان کو نصیب نہیں''۔ (عرب اور اسلام:۲۸)

شادی بیاہ کی رسومات

عرب میں دستور ہے کہ عورت اپنے ساتھ جہیز نہیں لاتی۔ بلکہ مرد تمام ضروریات زندگی کا شادی سے پہلے ہی انتظام کر لیتا ہے۔ رشتہ تجویز کرنے کے عموماً دو طریقے پائے جاتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکی کے خاندان ہی کے لوگ رشتہ تلاش اور طے کرتے ہیں یا خاندان کی بڑی بوڑھی عورتیں تلاش کرتی ہیں۔ جب لڑکے کا خاندان اطمینان اور رغبت کا اظہار کرتا ہے تو اس کے بعد لڑکی کی والدہ اس کے باپ کو صورت حال سے آگاہ کر کے مشورہ طلب کرتی ہے۔ جب وہ باہم رضا مند ہو جاتے ہیں تو لڑکی کے گھر والے یا درمیانی واسطہ کے ذریعہ لڑکے کے والد کو آگاہ کر دیا جاتا ہے۔

بعد ازاں لڑکے والے خاندان کے عمر رسیدہ بزرگوں کو ساتھ لے کر لڑکی کے والد کے ہاں نکاح کا پیغام دینے جاتے ہیں جو ان کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں۔ پھر اسی مجلس میں یا آئندہ کسی دوسرے وقت ان سے معاملہ طے ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد لڑکا اپنی مانگ دیکھنا چاہے تو اسے ایک مقررہ وقت پر بلایا جاتا ہے اور اس کی آمد پر لڑکی اور اس کے والدین بھائی بہن موسم کی مناسبت سے شربت یا چائے وغیرہ سے اس کی تواضع کرتے ہیں۔

جانبین میں معاملہ طے ہو جانے پر دونوں خاندان کے لوگ لڑکی کے گھر جمع ہوتے ہیں اور اپنے وعدہ وعید کو حتمی شکل دیتے ہیں۔ اس مجلس کو ''قراءۃ الفاتحۃ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ جس وقت نکاح کی تاریخ اور مقام نکاح مقرر کرنا ہوتا ہے تو لڑکے والے لڑکی کے

والد کے ہاں جمع ہوتے ہیں جہاں بے حد خوشی منائی جاتی ہے۔ عطریات اور خوشبو کا بھرپور دور چلتا ہے اور اس موقع سے خاص قسم کے حلوہ سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی ہے۔

اور جب جانبین سے عقد پر اتفاق رائے ہو جاتا ہے تو اسی اثناء میں مہر طے کیا جاتا ہے جو لڑکے کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ عموماً بیس ہزار ریال سے ساٹھ ہزار ریال تک ہوتا ہے۔ طے شدہ مہر کی رقم لڑکی کے والد کو دی جاتی ہے وہ اس سے زیورات اور گھر کی دیگر تمام ضروریات کی چیزیں خرید لیتا ہے۔

نکاح کی تاریخ اور دعوت طعام کی جگہ فریقین باہم رضا مندی سے طے کرتے ہیں جہاں دونوں فریق کے خاندان دوست و احباب اور متعلقین کو دعوت دی جاتی ہے۔ مدینہ منورہ میں متعدد ایسے محلات پائے جاتے ہیں جو ایسی ہی تقریبات کی غرض سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ حسبِ حیثیت جگہ کی تعین ہوتی ہے۔ جن میں کھانا وغیرہ کے اوسط اخراجات پانچ چھ ہزار ریال تک ہوتے ہیں۔

نکاح کے بعد رات کے آخری حصہ میں دلہن اپنی والدہ اور رشتہ دار عورتوں کے ساتھ کاروں کے جلوس میں دولہا کے گھر جاتی ہے اور اگلی صبح دعوت ولیمہ ہوتی ہے۔

(المدینہ الیوم:۳۲۲تا۳۲۸)

قصر الافراح

مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ سے شادی بیاہ کی تقریبات کے لیے مخصوص محلات تعمیر ہوئے ہیں جن میں عورتوں اور مردوں کے لیے علیحدہ علیحدہ جگہیں ہیں۔ مشروبات اور طعام کا انتظام بیٹھنے کے لیے قالین یا کرسیاں وغیرہ اور دیگر متعلقہ ضروریات کی ہر چیز دستیاب ہوتی ہے۔ عموماً چوبیس گھنٹوں کے لیے اجرت پر حاصل کیے جاتے ہیں۔ ہر آدمی اپنی

استعداد اور طاقت کے مطابق انتظامات کراتا ہے۔اس لیے اجرت بھی مختلف ہوتی ہے۔کم ازکم اجرت چار ہزار ریال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار ریال ہوتی ہے جب سے یہ محلات تعمیر ہوئے ہیں لوگوں نے گلی کوچوں اور محلوں میں شادی کی تقریبات منعقد کرنا ترک کر دی ہیں۔۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں حسبِ ذیل محلات تعمیر ہو چکے تھے۔

قصر الوئام قبا میں، قصر افراح المدینہ المنشبہ میں، عوالی میں قصر الافراح، سید الشہداء میں قصر رانیا، قصر احلی اللیالی طریق العیون میں، طریق المطار میں قصر السعادہ، طریق العیون میں قصر ہبہ، قصر السالمیہ طریق قربان، قصر الغونی طریق المطار میں، عوالی میں قصر الوادی الاخضر، قصر احلی التھانی اور قصر الشموع ہیں۔ (المدینہ الیوم ۳۲۲ تا ۳۲۸)

تجہیز و تکفین

مدینہ منورہ میں جب کسی آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے تو اہل خانہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ قریب والی نماز کے ساتھ ہی مسجد نبوی شریف میں نماز جنازہ ادا کر دی جائے۔ نماز جنازہ کے بعد میت جنت البقیع لے جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں تعزیت کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص سے تعزیت کرنی ہو اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر "عظیم اللہ اجرکم و احسن اعزاء کم" کہا جاتا ہے جس کے جواب میں وہ آدمی "اجارکم اللہ وجزاکم خیرا" کہتا ہے۔

میت والے گھر میں لوگ تین دن تک تعزیت کے لیے جاتے ہیں جہاں کرسیاں رکھی ہوتی ہیں۔ قرآن مجید اور علیحدہ علیحدہ سپارے بھی رکھے ہوتے ہیں ہر آدمی حسب منشا تلاوت قرآن مجید کرتا ہے اور تعزیت کر کے چلا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں میت کے گھر تعزیت کے لیے آنے والوں کو ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت قرآن مجید سنائی جاتی ہے اور وہ لوگ مغرب سے عشا تک ٹھہرتے ہیں۔ (المدینہ الیوم: ۳۳۳، ۳۴۰)

قدیم الایام سے عرب میں مردوں کو دفن کرنے کا دستور پایا جاتا ہے۔ اس لیے انصار مدینہ نے مختلف قبرستان بنا رکھے تھے۔ ایک قبرستان بنو ساعدہ کا تھا جہاں بعد میں مدینہ منورہ کا ایک پر رونق بازار قائم ہوا۔ (وفاء الوفا)

عبدالاشہل کا قبرستان مضرہ کے نام سے مشہور تھا (وفاء الوفا)۔ بنو سلمہ کا ایک جدا گانہ قبرستان تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج ۲: ۴۰) مقام غرس کی طرف واقع بنو خطمہ کا قبرستان تھا اور بنی نجار کا قبرستان مسجد نبوی کی جگہ واقع تھا جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکھاڑ کر مسجد تعمیر کرائی تھی۔ (صحیح بخاری، ج ۱: ۵۶۰)

مدینہ کی مساجد کا اجمالی جائزہ

مسجد قباء، مسجد نبوی، مسجد غمامہ یا مصلی العید، مسجد غمامہ، مسجد البحیر یا مسجد سجدہ، مسجد اجابہ، مسجد قبلتین، مسجد بنی ظفر، مسجد ذباب یا مسجد رایہ، مسجد السقیا، مسجد ذی الحلیفہ، مسجد فتح، مسجد بنوقریظہ، مسجد مشربہ ام ابراہیم، مسجد علیؑ، مسجد ابوبکرؓ، مسجد ضرار۔

نو تعمیر شدہ مساجد:

مسجد بن لادن الجبور میں، مسجد المیر الصغیر نزلتہ الجبور میں، مسجد البخاری الحرہ الغربیہ میں، مسجد بہرام آغا العنبر یہ میں، مسجد الکاتبیہ الکاتبیہ میں، مسجد فاطمہ المنافہ، مسجد السبق باب الشامی، مسجد القبیسی العطن میں، مسجد ثنیۃ الوداع خارج باب الشامی میں، مسجد النصر حارۃ النصر میں، مسجد المستر اح طریق سید الشہدا، مسجد عید عودہ حرۃ الصدقہ، مسجد البساطیہ البساطیہ، مسجد الامیرۃ نورۃ باب مجیدی، مسجد موسیٰ الہندی باب التمار، مسجد الشمس باب المجیدی، مسجد حرہ دشم حرہ دشم، مسجد الخریجی الحرۃ الشرقیہ، مسجد سمران بن مناور، مسجد الغیب، مسجد کریزی، مسجد المطار، مطار کے قریب، مسجد الحساوی الحرۃ الشرقیہ، مسجد علیان المغیر حرہ شمالیہ، مسجد عویض سعود جبل احد کے دامن میں، مسجد اصجی قباء، مسجد حمیدان الصغیر عروہ، مسجد عجلان احد کے راستہ میں، مسجد عبداللہ بن عبدالمحسن صالح حرہ شرقیہ، مسجد عبداللہ السمین، مسجد الجربوع ہوائی اڈہ کے راستہ میں، مسجد حامدہ حارۃ الاحامدہ، مسجد ہاشمیہ حرہ ہاشمیہ، مسجد الجربوع حرہ صدقہ، المغیر نزلہ الجبور، الحوازم ام ہانی، السقاف باب الکومہ، مسجد راشد حرۃ شرقیہ، مسجد الجربوع، مسجد الجربوع حارۃ الجبوات، مسجد صیاف، مسجد عبدالحسین حرۃ غربیہ،

مسجد شلوان ابن منديل حرۃ شرقیے، مسجد محمد خان نظام الدین حارۃ مغاربہ، مسجد صالح ابلاغ احد کے راستے میں، مسجد محمود الشریف حرۃ غربیہ، مسجد البدیری، مسجد ابوعنق السیح، مسجد الحوثل ارض محبت، مسجد عبداللہ الصبیحی حرۃ صدقہ، مسجد رطبہ قباء، مسجد عبدالعزیز الرشید باب الحتماد، مسجد امیر سلطان قباء، مسجد حمزہ عجلان، مسجد صالح محمد البلیہش نزلہ جبور، مسجد عبدالعزیز محمد الہلالی عنابیہ، مسجد الشریف المصالغ، سموالا یمر فہد بن عبدالعزیز حرہ شرقیہ، مسجد متروک الجہنی، مسجد زہرہ ہاشم، مسجد الامیرہ شیخہ حارۃ البحر، مسجد الردادی طریق العیون، مسجد ابراہیم شاکر الجرف، مسجد الآغا قباء کے راستے میں، مسجد عروہ عروہ میں، مسجد رجب مکاوی مغیلہ میں، مسجد الحکیمہ حارۃ المغاربہ، مسجد صبر لمغیلہ، مسجد الخضر باب عنبریہ کے باہر، مسجد جازی حرۃ غربیہ، مسجد القاضیہ خارج ارض محبت، مسجد فائز حرۃ غربیہ، مسجد ابن عویمر، مسجد ابن مسند حرۃ غربیہ، مسجد حسان بن ثابت، مسجد عنبریہ عنبریہ، مسجد التاجوری التاجوری میں، مسجد التکرونی السیح میں، مسجد بیر عثمان بیر عثمان میں، مسجد الشناقطہ احد کے راستہ میں، مسجد الشریف، مسجد برغوشہ حارۃ برغوشہ میں، مسجد طحمیر حرۃ شرقیہ، مسجد عباس الخیبری نزلہ الجبور میں، مسجد فطوم جبل سلع کے دامن میں، مسجد ضعیف اللہ حرۃ غربیہ، مسجد الشریف باب العوالی میں، مسجد خفیص ابن دواس حرۃ شرقیہ میں، مسجد صالح الجہینی حرۃ غربیہ، مسجد مسلم بن حامد جبل احد پر، مسجد جابر حرۃ غربیہ میں، مسجد عایض بدای الرشیدی قلعہ الہوب، مسجد ہاشم محمد المناشی نلہ الجبور میں، مسجد عبداللہ منور احد کے راستے میں، مسجد سعید بافیل الدویمہ قباء میں، مسجد سید الشہد اءحمزہ میدان احد میں، مسجد حبیب ابراہیم حرۃ غربیہ میں، مسجد بن بشیر حرہ غربیہ میں، مسجد آغا قباء کے رستہ میں، مسجد عروہ، عروہ میں۔

زیارتِ گنبدِ خضراء

صحابہ کرامؓ کے دل عشق مصطفوی سے سرشار اور حب نبوی میں ہمہ وقت بے قرار رہتے تھے۔ انھیں جب لقائے رخ زیبا کا اشتیاق بے چین کرتا تو بے قرار و اداس نگاہوں کو تر و تازگی سے معمور کرنے کی خاطر پروانہ وار اپنے محبوب آقا کی زیارت سے شرف یاب ہوتے۔ طلعت زیبا کی ادنیٰ سی جھلک قرار و سکون اور حیاتِ نو کی نوید ثابت ہوتی۔ بادہ عشق کے سرمستوں کے لیے زیارتِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لازوال دولت تھی۔ رخ انور کا دیدار ان کے ایمان میں تر و تازگی اور زندگی میں سرور پیدا کر دیتا تھا۔

اگرچہ محبوب انس و جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ پوش ہو جانے پر چہرہ پر ضیاء کے دیدار کی سعادت سے محرومی تو ضرور ہوئی لیکن پیکر جود و سخی، سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بندہ نوازی اور خوئے بندہ پروری کا یہ عظیم الشان کرشمہ ہے کہ آپ نے آنے والی امت کو زیارت کی ایمان افروز نعمت سے محروم نہیں رکھا بلکہ مشتاقان دیدار کو شرف زیارت کی عظیم بشارتوں سے نوازتے ہوئے۔ عالم آب و گل سے دار البقا کو تشریف لے گئے۔ اور اب قیامت تک عشاق پروانہ وار روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں گے۔ آپ کی تربت مقدس کی زیارت فضیلت، عظمت اور اہمیت سے متعلق محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گہر افشانی کی روح پرور جھلک ملاحظہ ہو چند احادیث مبارکہ نقل کی جاتی ہیں تاکہ ہر مسلمان کے دل میں حاضری کا شوق فزوں تر ہو اور

انتظار دید میں گداز دل نصیب ہو جو سفر آخرت کا بہترین زادراہ ہے۔

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی''۔

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں زیارت کی''۔

مَنْ زَارَنِیْ وَبَعْدَ وَ مَوْتِیْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں زیارت کی''۔

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

''جس آدمی نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت سے مشرف ہوا تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو''۔

مَنْ جَاءَ نِیْ زَائِرً الا تَحْمِلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ كَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ

''جو آدمی صرف میری زیارت ہی کو آئے اس کے سوا کوئی دنیوی غرض نہ ہو تو مجھ پر حق عائد ہوتا ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں''۔

حضور اقدس صلی اللہ نے فرمایا:

''جو شخص میری قبر کی زیارت سے مشرف ہوا وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور جس نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور وہاں کی تنگی و تکالیف پر صبر و شکر کیا تو میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہی دوں گا اور شفاعت کروں گا

اور جسے حرم مکہ یا حرم مدینہ میں موت نصیب ہوئی تو وہ آدمی قیامت کے دن امن والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا"۔ (کنز العمال ج۵:۱۳۵، مشکوٰۃ:۲۴۰)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور تابعداروں کے حق میں گواہی دیں گے۔ (زرقانی، ج۸:۳۴۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے ہیں:

"جو شخص مدینہ منورہ میں صرف میری زیارت کی غرض سے آئے اور نیت خالص ثواب کی ہو تو وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور میں اس کی شفاعت کروں گا"۔ (جامع صغیر، ج۲:۱۷۱، شفا قاضی عیاض ج۲:۴۲)

محسن کائنات، رحمتِ موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کے امت پر جس قدر بے حد و بے پایاں، عظیم و جزیل، احسانات ہیں ان کا تقاضا ہے کہ وسعت اور قدرت حاصل ہو تو اس دربار گوہر بار کی زیارت سے ضرور شرف بار ہو جس کی تائید و توثیق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"مدینہ مشرفہ میں میرا گھر ہے۔ اسی میں میری قبر بھی ہوگی لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ میری قبر کی زیارت کو آئیں"۔ (بحوالہ فضائل حج)

لیکن وسعت اور قدرت کے باوجود قبر اطہر کی زیارت نہ کرنا اس نعمت بے پایاں سے نہ صرف محرومی ہے بلکہ شفیق و رحیم آقا کے ساتھ سراسر ظلم و جفا اور سفا کی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي

"جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا تو اس نے میرے ساتھ ظلم کیا"۔

رحیم و کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوئے بندہ نوازی و بندہ پروری پر قربان

جاؤں کس دل آویز ادا سے زائرین کی جھولیوں کو کرم کی گہر ہائے گراں مایہ سے بھر رہے ہیں اور کس مشفقانہ اور مربیانہ انداز سے اپنی شفاعت کی نوید جاں افزا سنا رہے ہیں۔

علامہ زرقانی ''شفاعت'' کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ نوید شفاعت زائرین کے لیے مخصوص نوعیت کی ہوگی جس کا مصداق زائرین کے سوا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ شفاعت خواہ نعمتوں کے اضافہ کے لیے ہو یا قیامت کے دن کی ہولناکی میں تخفیف کی ہو جنت میں بلا حساب دخول کے لیے ہو یا بلندی درجات کی ہو یا حق تعالیٰ کے دیدار کے لیے ہو''۔

(زرقانی عنوان ''زیارۃ قبرہ الشریف'' الفصل ثانی، ج ۸: ۳۴۰)

زیارتِ گنبدِ خضرا ءنابغہ امت کی نظر میں

امت کے نابغہ واجل علماء کرام زیارت گنبد خضرا کو نہ صرف سنت قرار دیتے ہیں بلکہ اس رفیع المرتبت عمل کے وجوب کے قائل بھی ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء لکھتے ہیں:

انما من افضل الاعمال واجل القربات الموصلة الی ذی الجلال و ان مشروعیتها محل اجماع بلا نزاع والله الهادی الی الصواب (فتح الباری، ج ۳: ۶۶)

ابن الھمام المتوفی ۸۶۱ھ/۱۴۵۷ء فرماتے ہیں:

''ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیارت قبر اطہر افضل المندوبات میں سے ہے۔ جو آدمی زیارت کی قدرت اور وسائل کا متحمل ہو اس کے لیے واجب کے قریب درجہ رکھتی ہے۔ میرے نزدیک صرف قبر النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت کی نیت

کرنی چاہیے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کا فضل شاملحال اور دوبارہ زیارت کی سعادت نصیب ہوتو قبر مبارک اور مسجد نبوی شریف دونوں کی نیت کرلی جائے۔ کیونکہ اس میں مقصود کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور رفعتِ شان پائی جاتی ہے۔ صرف قبر مقدس ہی کی نیت کرنا آپ کے اس ارشاد کے عین مطابق ہے:

"جو شخص صرف میری زیارت ہی کے لیے آیا ہو اس کی کوئی اور غرض نہ ہو تو میرے ذمہ لازم ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں"۔

(فتح القدیر، ج ۳:۹۴)

المحقق الفقیہ علامہ محمد آمین المعروف ابن عابدین المتوفی ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء بھی ابن الھمام کے قول کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علامہ خیر رملی شافعی نے علامہ ابن حجر عسقلانی کے اس قول کی توثیق کی ہے کہ صاحب استطاعت پر زیارت گنبد خضراء واجب ہے"۔

(ردالمختار، ج ۲۷۹:۱)

علامہ علی بن سلطان محمد القادری المتوفی ۱۰۴۱ھ/۱۶۰۵ء ارقام فرماتے ہیں:

"مسلمانانِ عالم اس بات پر متفق ہیں کہ سرور کونین، رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت افضل ترین عبادات اور بلند پایہ نیکیوں میں سے ہے۔ درجاتِ علیٰ اور مقاماتِ عظمیٰ کے حصول کا کامیاب ذریعہ اور پرامید وسیلہ ہے۔ اس کا درجہ واجب کے قریب ہے بلکہ بعض علماء نے واجب قرار دیا ہے جو شخص وسائل اور وسعت کا حامل ہونے کے باوجود روضہ انور کی زیارت سے محروم رہے تو یہ بہت بڑی شقاوت اور جفا ہے۔ چاروں فقہی مسالک اس کی محبوبیت اور سنیت پر متفق ہیں"۔ (بحوالہ فضائل حج، شیخ الحدیث محمد زکریا)

مذکورہ بالا حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے محدث اعظم علامہ خلیل احمد مہاجر مدنی المتوفی ۱۳۴۷ھ رقمطراز ہیں:

''بعض مخالفین کے سوا تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت افضل الطاعات اور بلند درجات کے حصول کا انتہائی موثر اور کامیاب ذریعہ ہے اور اس کا درجہ واجبات کے قریب ہے۔ بلکہ جس آدمی کو وسعت اور قدرت حاصل ہو اس کے حق میں زیارت قبر مبارک واجب ہے۔ اس کا ترک کرنا انتہائی بڑی غفلت اور سخت جور و جفا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمان کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا یہ اس کے وجوب کی صحیح دلیل ہے''۔ (بذل المجہود، ج۳:۳۳)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تین مسجدوں کے سوا سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام، بیت المقدس اور میری مسجد''۔ (صحیح بخاری، ج۱:۱۵۸، مسلم، ج۱:۴۴۷)

اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پیش نظر بعض علماء کرام نے مزار پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت کے ارادہ سے کرنا منع لکھا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ نیت مسجد نبوی کی زیارت کی ہو اور وہاں پہنچ کر روضۂ انور کی زیارت بھی حاصل ہو جائے گی۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک مذکورہ حدیث میں تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے سفر کی ممانعت مقصود ہے کیونکہ یہ تین مساجد شرف و عظمت کے اعتبار سے امتیازی شان کی حامل ہیں۔ جبکہ دوسری تمام مساجد مساوی درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں کوئی خصوصی وجہ

امتیاز نہیں پائی جاتی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء احمد کی بیان کردہ حسب حدیث بدلالت النص جواز پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ جو علت مسجد ثلاثہ کو دیگر مساجد اور مقامات سے مستثنیٰ ہونے کی قرار پائی ہے وہاں مساجد کی فضیلت ہی تو ہے۔ اور بقعہ شریفہ میں فضیلت تو بہ انتہاء ہے۔ اس لیے وہ تین مقدس جو سید الکونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کو مس کیے ہوئے ہے وہ علی الاطلاق افضل ہے۔ یہاں تک کہ وہ کعبۃ اللہ، عرش عظیم اور کرسی سے بھی افضل اور اکرم ہے چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اور جب کعبۃ اللہ کی فضیلت کی وجہ سے تین مسجدیں عموم نہی سے مستثنیٰ ہوگئیں تو بقعہ مبارکہ فضیلت عامہ کے باعث بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوگا"۔ (المہند علی المفند ،۱۰۔۱۱)

حکیم الامت علامہ اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء رقم طراز ہیں:

حدیث میں جو وارد ہے کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَال الاالیٰ ثلثة مساجد وہ سفر الی القبر الشریف کی نہی پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہاں استثنا مفرغ ہونے سے مستثنیٰ میں مقدر ہے اور بوجہ اقرب فی التجانس ہوگا اور احق للتعیین ہوگا اور جنس قریب مساجد ثلثہ کی ظاہر ہے پس ترکیب اس طرح ہوگی لَا تُشَدُّ الرِّحال الی مسجد الا الی ثلثة مساجد اس صورت میں مطلقاً مشاہد و مقابر کی طرف سفر کرنا حدیث مذکور میں سکوت عنہ ہوگا اور نہی پر دال نہ ہوگا۔

اور اس کی تائید ایک صریح حدیث سے ہوتی ہے جسے مولا مفتی صدالدین خان دہلوی مرحوم و مغفور نے اپنے رسالہ منتہی المقال میں اس طرح نقل کیا ہے:

فی مسند احمد عن ابی سعید الخدری . قال رسول الله صلی الله

علیه واله وسلم لا ینبغی لل مطی ان یشد رحاله الی مسجد ینبغی فیه الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام و المسجد الاقصیٰ و مسجدی هذا

اور معنی اس کے یہ ہیں کہ دوسری مساجد کی طرف جن میں کہ تضاعف ثواب کا وعدہ نہیں ہے اس نیت سے سفر کرنا کہ وہیں نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ہوگا۔ تقول علی السارع ہے۔ اس لیے منہی عنہ ہے اور مقابر خاصہ میں برکات خاصہ ثابت ہیں پھر (حدیث) زوروالقبور میں بھی اطلاق اذن ہے۔ البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ اور مقاصد لازم نہ آئیں۔

(نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ فصل ۲۷، ص ۲۳۶)

اس موضوع پر تاج الدین سبکی نے ''شفاء السقام'' اور علامہ سید محمد یوسف بنوری نے 'معارف السنن ج ۳: ۳۲۹ تا ۳۳۴'' پر نہایت مفید اور مفصل بحث فرمائی ہے۔ اہل علم حضرات ان سے استفادہ فرما سکتے ہیں۔

خیر القرون میں زیارت روضہ انور کا ولولہ

صحابہ کرام کے دل عشق نبوی سے لبریز اور دیدار نبویؐ کے لیے ہمہ وقت بے قرار رہتے تھے۔ آپ کی رحلت کے بعد بھی دور دراز علاقوں سے سفر کی جان لیوا صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کر کے حبیب کردگار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے روضۂ پرانوار کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔ جیسا کہ عاشق صادق موذن سید الابرار حضرت بلالؓ کو جب مولائے کل سید الرسل صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یاد ستاتی تو وہ ملک شام سے کشاں کشاں دربار گہر بار سید الاتقیاء والابرار صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں حاضر رہتے اور قبر اطہر کی زیارت باسعادت سے سکونِ قلبی کی لازوال دولت سے باریاب ہوتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو حضرت بلالؓ

دربار فاروقی میں عرض پرداز ہوئے کہ اگر اجازت مرحمت ہو تو میں بیت المقدس میں سکونت اختیار کرلوں۔ حضرت عمر فاروق نے مؤذن کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا۔ اس طرح وہ بیت المقدس میں اقامت گزین ہوگئے اور وہاں نکاح بھی کرلیا۔

ایک دن محبوب کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا بلالؓ! یہ کیسی جفا ہے کہ آپ میری زیارت کو بھی نہیں آتے۔ خواب نے آپ کو چونکا دیا، غمگین، خوفزدہ اور سخت پریشان ہوئے۔ آپ کو اضطراب واضطرار نے لحہ بھر بھی چین نہ لینے دیا اور اس وقت بارگارہ معارف پناہ نبویؐ میں حاضری کے لیے روانہ ہوگئے۔

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حضور فیض گنجور میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور سخت شرمسار اور بے قرار تھا مگر زیارت قبر مشکبار سے تمام اضطراب کافور ہوگیا اور دل کو سکون وطمانیت نصیب ہوئی۔

جب آپ کی آمد کی اطلاع شہزادگان حسنین کونینؑ کو ہوئی تو وہ ملاقات کو تشریف لائے۔ حضرت بلالؓ بستانِ مصطفویؐ کے ان غنچوں کو دیکھ کر ان سے چمٹ گئے۔ صاحبزادے نے اذان کی فرمائش کردی جس پر مؤذن رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم بادل نخواستہ تعمیل ارشاد میں اذان کہنے پر آمادہ ہوگئے۔ موصوف مسجد کی چھت پر اسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں اپنے آقا کی موجودگی میں اذان کہتے تھے۔ جب آپ نے اذان شروع کی تو لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ اشهد ان لا الہ الا اللہ کی صدا بلند ہوئی ہی تھی کہ مرد وزن اور خورد وکلاں بے تاب ہوکر آہ وفغاں کرتے ہوئے گھروں سے نکل آئے۔ تاجدار مدینہ شاہ حرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یاد نے سب کو تڑپا دیا ہر جانب آہ وبکا کی دل دوز آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ ہر آدمی نوحہ کناں اور اشکبار تھا۔ حضرت بلالؓ کا دل بھی یاد یار سے بے قرار ہوگیا اور غم واندوہ کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اذان پوری کرنے کی سکت نہ رہی اور چھت سے

اتر آئے۔ حضرت بلالؓ نے دور دراز علاقہ سے یہ سفر صرف زیارت قبر اطہر کے لیے اختیار فرمایا تھا۔ (شفاء السقام ۵۳)

سمھودی المتوفی ۹۱۱ ھ فرماتے ہیں کہ ابن عسا کر نے یہ روایت جید سند کے ساتھ بیان کی ہے۔ (وفاء الوفاء، ج ۲: ۴۰۸)

نووی المتوفی ۶۷۶ ھ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کا مذکورہ سفر صرف سرور کون و مکاں فخر زمین و زماں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے تھا۔ (تہذیب الاسماء واللغات، ج ۱: ۱۳۶)

نافعؓ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ جب بھی کسی سفر سے واپس مدینہ کریمہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے قبر اطہر پر حاضر ہو کر یوں سلام پیش کرتے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا بَکْرٍ . اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَتَاہُ (سنن الکبریٰ ج ۵: ۲۴۵، مصنف عبدالرزاق، ج ۳: ۵۷۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے حضرت ابن عمر کو حضور انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر مبارک پر سلام پیش کرتے کبھی دیکھا؟ انھوں نے کہا جی ہاں! میں نے ایک بار نہیں سو بار سے زائد مرتبہ دیکھا کہ قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو کر نیاز مندانہ سلام کر رہے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِ السَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ السَّلاُ عَلٰی اَبِیْ (شفاء السقام ۴۲)

حضرت عبداللہ بن دینارؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مقصود کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے دیکھا وہ حضور انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ابوبکر و عمر کی خدمت میں درود و سلام پیش کر رہے تھے۔

(مؤطا امام مالک، ج ۱ باب زیارت النبیؐ)

قاضی عیاض رقم طراز ہیں کہ:

''حضرت انس بن مالکؓ ملک شام سے قبر اطہر کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ مدینہ طیبہ پہنچنے پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ معارف پناہ میں سلام پیش کیا اور واپس ملک شام لوٹ گئے''۔ (شفا قاضی عیاض، ج۲:۷۰)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب ملک شام زیر نگیں ہوا بیت المقدس کے باشندوں نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی اور کعب الاخبار مشرف با سلام ہو کر خلیفہ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھیں بے حد مسرت ہوئی کہ ایک جلیل القدر عالم حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہے۔ بعد ازاں جب حضرت عمرؓ مدینہ کریمہ کو واپس ہونے لگے تو آپ نے حضرت کعبؓ کو پیش کش کی کہ وہ بھی ان کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے چلیں اور مقصود کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مرقد اقدس کی زیارت سے شرف یاب ہوں۔

کعب الاحبارؓ نے دعوت عمرؓ کو ممنونیت کے ساتھ قبول کیا اور ان کی معیت میں زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ طویل اور صبر آزما سفر طے کر کے جب مدینہ کریمہ میں قدم رنجہ فرما ہو گئے تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے ساتھ مرقد مطہر پر حاضری دی اور بارگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں ہدیہ سلام پیش کیا۔

(شفاء السقام:۵۶، زرقانی ج ۸:۳۴۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ملک شام سے مدینہ بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں سلام پیش کرنے کی خاطر مستقل طور پر قاصد بھیجتے تھے۔ جو ہدیہ سلام بارگاہ خیر الانام میں پیش کر کے واپس لوٹ جاتا۔ جب کہ ان کا یہ فعل تابعین کے وسط زمانہ میں صادر ہوا۔ (شفا قاضی عیاض ج ۶۹۲) مگر کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔

تقی الدین سبکی المتوفی ۷۴۶ھ/۱۳۴۵ء فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کا مذکورہ

سفر صحابہؓ کے وسط زمانہ میں اور حضرت عمر بن عبد العزیز کا طرز عمل تابعین کے وسط زمانہ میں پیش آیا۔ ان کے یہ سفر صرف قبر اطہر کی زیارت اور مقصود کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ جہاں پناہ میں سلام پیش کرنے کی خاطر تھا۔ اس کے سوا انھوں نے نہ تو کسی دنیوی مقصد کی خاطر یہ سفر کیا اور نہ ہی کوئی دینی کام پیش نظر تھا اور نہ ہی یہ سفر مسجد نبوی شریف کی زیارت کے لیے تھا بلکہ صرف اور صرف مرقد مقدس کی زیارت مقصود مطلوب تھی۔

(شفاء السقام ۵۵)

محمد بن عبد اللہ بن عمرو العتبی بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مدینہ منورہ کی حاضری نصیب فرمائی تو میں زیارت قبر اطہر سے مشرف ہوا۔ ہدیہ صلواۃ وسلام پیش کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک شتر سوار بدویانہ صورت قبر مبارک پر حاضر ہو کر یوں گویا ہوئے:

"یا خیر الرسل صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ جل جلالہ نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا۔ جس میں یہ ارشاد بھی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْ اَنْفُسَهُمْ جَاءُ وْكَ فَاسْتَغْفَرُ وا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَ جَدُ وا اللهَ تَوَّ ابًا رَّ حِيْمًا

(اور جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اگر وہ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو جاتے اور اللہ جل شانہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور شفیع المذنبین بھی ان کے لیے دعائے مغفرت فرماتے تو ضرور اللہ کریم کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے)"۔

پھر وہ صاحب یوں عرض کرنے لگے: اے حبیبِ خدا! میں آپ کی بارگاہ معارف پناہ میں حاضر ہو گیا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا طلب گار

ہوں اور آپ کی شفاعت کا خواست گار ہوں۔ اس کے بعد وہ بدوی زار و قطار رونے لگے اور زبان پر یہ اشعار تھے:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه

فطاب من طیبهن القاع و الاکم

''اے بہترین ذات! ان سب لوگوں میں سے جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن کی گئیں اور ان کی وجہ سے دفن اور ٹیلوں میں نفاست پھیل گئی''۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه

فیه العفاف و فیه الجود والکرم

''جس مبارک قبر میں آپ راحت گزیں ہیں اس پر میری جان قربان ہو۔ اس میں عفت جود و سخا اور عنایات و کرامات ہیں''۔

انت الشفیع الذی ترجی شفاعة

علی الصراط اذا مازلت القدام

''آپ ایسے سفارش کرنے والے ہیں جن کی شفاعت کے ہم امیدوار ہیں جس وقت پل صراط پر لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے''۔

و صاحبک لا انساهما ابدا

منی السلام علیکم ماجر القلم

''اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ آپ سب پر میری طرف سے سلام پہنچتا رہے۔ جب تک دنیا میں لکھنے کے لیے قلم چلتا رہے''۔

آخر میں وہ صاحب اپنے گناہوں سے استغفار کر کے رخصت ہو گئے اور عتبی کہتے ہیں بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں مجھے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا بدوی کو بشارت سنا دو کہ اللہ کریم نے میری سفارش سے اس کی مغفرت فرمادی ہے۔ (شفاء السقام:۶۲)

علامہ شہاب الدین الخفاجی فرماتے ہیں:

''سلف صالحین کا معمول تھا کہ وہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ سلام بذریعہ خط یا قاصد بھیجتے تھے۔ (نسیم الریاض، ج۳:۵۱۶)

قاضی عیاض، اسحاق بن ابراہیم الفقیہہ سے نقل کرتے ہیں کہ حجاج مدینہ منورہ اس ارادہ سے جائیں کہ وہاں مسجد نبوی میں نماز پڑھیں گے۔ ریاض الجنہ منبر نبوی، قبر اطہر کی زیارت سے شرف بار ہوں گے اور جہاں آپ کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے تھے اس مصلی والی جگہ اور جن ستونوں سے تکیہ لگاتے تھے ان سے وبرکت حاصل کریں گے۔

(الشفا، ج۲:۶۹)